وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ)

ترجمہ اور تم سے تو یہود کبھی خوش ہونگے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ انکے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلو۔

یہود کی چالیس بیماریاں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ازقلم

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر

ناشر: مکتبۂ عرفان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ (البقرہ آیت ۲۲)

ترجمہ: اور تم سے تو یہود کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلو۔

یہود کی چالیس بیماریاں

از قلم

مولانا محمد مسعود ازہر

اعداد و تقدیم

دار البیان

ناشر

مکتبۂ عرفان لاہور

اشاعت ۱ تا ۱۵	۱۹۹۰۰
تعداد	۱۰۰۰
صفحات	۵۱۲
قیمت	۸۰۰ روپے

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

جامع مسجد رشیدیہ ٹینکی سٹاپ ملیر کراچی
0336-3353813

مکتبۃ الایمان دکان نمبر ۱۳۱، ندیم ٹریڈ سینٹر، محلّہ جنگی
عقب قصہ خوانی بازار پشاور
0321-9013592

مکتبہ ابن مسعودؓ، مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ، چشمہ جات نزد
کمپنی باغ کوہاٹ
0321-5782621

مکتبہ عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ، نزد بندھن شادی ہال،
کوثر کالونی بہاولپور
0321-6837145

اسٹاکسٹ
مکتبہ ابن مبارک
اردو بازار۔ لاہور
0321-4066827



بسم الله الرحمن الرحيم



فہرست

یہودیوں کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں بیماری

یہودیوں کی آٹھویں بیماری

یہودیوں کی نویں بیماری

یہودیوں کی دسویں بیماری

باب چہارم

باب پنجم



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

- زیرنظر کتاب کا نام ''یہود کی چالیس بیماریاں'' ہے۔
- ۲۹ صفر ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۵ جون ۱۹۹۹ء کوٹ بھلوال جیل جموں کے وارڈ نمبر ۱۲ میں برادر محترم کمانڈر حافظ سجاد خان کو سفاکانہ تشدد کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ اسیر ساتھیوں کے لئے یہ صدمہ المناک غم، سخت بے چینی اور اضطراب کا باعث بنا، تب دلوں کے زخم پر مرہم کے لئے درس قرآن مجید شروع کیا گیا۔ اس درس میں سورۂ بقرہ کی تفسیر کے دوران یہودیوں کے امراض کا مفصل تذکرہ ہوا اور اس بات کو بھی بیان کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اب یہ امراض مسلمانوں میں بھی عام ہوتے جا رہے ہیں۔ تب دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس موضوع کی طرف اُمت مسلمہ کو توجہ دلانے کے لئے مختصر کتاب لکھی جائے۔
- دعاء اور رفقاء کے مشورے کے بعد اس کام کا آغاز ہوا اور پہلے پانچ دن قرآن مجید میں سے موضوع کے متعلق آیات جمع کی گئیں۔ برادر عزیز مولانا محمد شفیق عرف ابو جندل حفظہ اللہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے اور راقم آیات لکھتا رہا۔ ان آیات کی فہرست قارئین کی سہولت کے لیے کتاب کے چوتھے باب میں شامل کر دی گئی ہے۔
- ان تمام آیات پر غور وفکر کے بعد یہودیوں کے امراض کی ایک فہرست تیار کی گئی اور کل چالیس امراض کو تذکرہ کے لیے منتخب کیا گیا اور چھوٹی چھوٹی پرچیاں بنا کر ان پر ان امراض اور ان کے متعلق قرآنی آیات کے نمبر لکھ دیئے گئے اور مزید مواد کے لیے خالی جگہ بھی چھوڑ دی گئی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی کے بھروسے پر لکھنے کا کام شروع کر دیا گیا۔
- جیل میں کتابوں کی کمی تھی جبکہ موضوع بہت وسیع تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بے حد نصرت

فرمائی۔ اول تو یہ کہ قرآن مجید کے دروازے نہایت سخاوت کے ساتھ کھل گئے اور جس موضوع پر بھی لکھنے کا ارادہ ہوا اس موضوع پر آیات مبارکہ محض نصرت الٰہی سے سامنے آتی چلی گئیں۔ اس عنایت الٰہی پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ دوم یہ کہ کچھ ہم فکر کشمیری مجاہدین نے اپنی ایک چھوٹی سی لائبریری ہمارے وارڈ میں بھجوا دی، کیونکہ یہ افراد دوسری جیل میں بھیجے جا رہے تھے۔ یوں ہمارے وارڈ میں اپنی لائبریری اور اس نئی لائبریری کی بدولت دو ڈھائی سو کتب جمع ہو گئیں، جن میں سے بعض زیر بحث موضوع پر بھی مفید رہیں۔ سوم یہ کہ کتاب شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد پاکستان سے کچھ احباب نے بعض مطلوبہ کتابیں وکیل کے ذریعے سے بھجوا دیں۔

 اس موضوع پر لکھتے ہوئے مستند تفاسیر کی کمی بہت محسوس ہوئی، خصوصاً تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر، تفسیر روح المعانی اور تفسیر مظہری وغیرہ۔ اگر یہ تفاسیر دسترس میں ہوتیں تو زیادہ سہولت رہتی، لیکن اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ کے درجات بلند فرمائے کہ ان کی مختصر تفسیر حقیقت میں ''عطر التفاسیر'' ہے۔ راقم پہلے سے ہی اس تفسیر کی عظیم خوبیوں کا دل و جان سے معترف تھا اور اکثر سفر میں بھی اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ الحمد للہ اس موقع پر اس تفسیر نے خوب کام دیا اور راقم نے اس کتاب میں جب بھی کسی موضوع پر بطور دلیل کے قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے تو اپنے استدلال کی تصدیق کے لیے تفسیر عثمانی کے فوائد کو اکثر جگہ پیش کیا ہے، بلکہ کئی جگہوں پر تو راقم نے خود کچھ کہنے کی بجائے حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نپے تلے الفاظ کو پیش کر دیا ہے۔ کتاب کی تالیف کے دوران تفسیر جلالین اور اس کے حاشیے اور بعض دیگر تفاسیر اور تراجم سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

 کتاب کل پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل، دوم اور چہارم لکھے جا چکے ہیں، جبکہ باب سوم

کی تالیف تاہنوز جاری ہے اور اب تک چالیس میں سے دس امراض کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ (پانچویں باب میں یہود سے متعلق احادیث مبارکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کی اجمالی فہرست پیش کی جائے گی، اِن شاء اللہ)

❁ چالیس میں سے سات امراض کے تذکرے کے بعد حالات کے ناساز گار ہو جانے کی وجہ سے مزید کچھ لکھنا اور اسے ناشرین تک بھجوانا مشکل ہو رہا تھا، اس لیے سات امراض کے بعد مقدمہ لکھ کر ناشرین کو عرض کر دیا تھا کہ وہ اسے کتاب کی پہلی جلد کے طور پر شائع کر دیں۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مزید تین امراض کا تذکرہ لکھا گیا اور کتاب کے پیش لفظ کے طور پر ''دو باتیں'' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون بھی لکھا گیا۔ یوں اب ''جلد اول'' مکمل ہو چکی ہے، جس کی ترتیب اس طرح ہے:

❁ تعارف کتاب ❁ دو باتیں ❁ مقدمہ

- باب اوّل: یہودیت کے خلاف جدوجہد اور یہود کے خلاف جہاد
- باب دوم: یہودیوں کی چالیس بیماریاں، ایک مختصر جائزہ
- باب سوم: دس امراض کا مفصل تذکرہ
- باب چہارم: قرآن مجید میں یہود کا تذکرہ
- باب پنجم: یہود کے بارے میں چالیس احادیث مبارکہ و اجمالی فہرست غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

❁ عام طور سے منافقین کے متعلق آیات و واقعات کو بھی یہود کے تذکرے کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، لیکن اس کتاب میں منافقین کا مفصل تذکرہ نہیں کیا گیا۔ البتہ آیات کی تلاش کے دوران راقم نے منافقین کے متعلق آیات کی بھی ایک مفصل فہرست تیار کرلی ہے۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو نفاق اور منافقین کے متعلق الگ سے ایک تحریر لکھی جائے اور

ان آیات کی روشنی میں عصر حاضر کا جائزہ لیا جائے۔

❖ دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور اس ادنیٰ سعی کو نصرتِ دین کے طور پر اپنے دربار میں مقبول فرمائے اور اس کتاب کو دنیا بھر کے مسلمانوں کے ہر طبقے تک اپنے فضل سے پہنچائے اور راقم کو اور قارئین کو اس کتاب میں پیش کی گئی اسلامی دعوت پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور راقم کو کتاب کا باقی حصہ مکمل کرنے کی توفیق، ہمت اور صلاحیت عطاء فرمائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

محمد مسعود ازہر

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۰

اکتوبر ۱۹۹۹ء

یوم السبت



دو باتیں

پہلی بات

لوگ کہتے ہیں کہ ”جنگ میں پچھتر فیصد جھوٹ اور پچیس فیصد طاقت استعمال کی جاتی ہے۔“ غالباً یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین اس مقولے کو سامنے رکھ کر ہم سے جنگ کر رہے ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل خصوصی طور پر اپنی طاقت کے بارے میں گمراہ کن پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ یکا یک اخبارات، ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر پر نمودار ہوتا ہے کہ امریکی سی آئی اے کا ایک پرانا خفیہ ایجنٹ عنقریب ”اندر کے راز“ فاش کرنے والا ہے، یا موساد (اسرائیل کی خفیہ ایجنسی) کا کوئی سابق اہلکار ”اندر کی باتیں“ اگلنے والا ہے۔ یہ اشتہار پڑھتے ہی دنیا کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب ہر طرف طلب اور تڑپ بڑھ جاتی ہے تو اچانک دو چار سو صفحات پر مشتمل باتصویر کتاب منظر عام پر آجاتی ہے اور اس میں امریکیوں اور اسرائیل کی خفیہ طاقت اور سازشوں کو اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے کہ پوری دنیا تھر تھر کانپنے لگتی ہے اور محکوم قومیں خصوصاً مسلمانوں کے حکمران، امریکہ اور اسرائیل کو جزیہ نما ٹیکس اور زیادہ خشوع وخضوع سے دینے لگتے ہیں اور ملت اسلامیہ کے جگر کے ٹکڑے پکڑ پکڑ کر اپنے ہاتھوں سے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

دوسری طرف ترقی اور فیشن کے نعروں نے یہود ونصاریٰ کو عمومی طور پر (نعوذ باللہ) محبوب بنا دیا ہے اور اب تو (نعوذ باللہ) انہیں افضل تک قرار دیا جاتا ہے اور انہیں تہذیب و ترقی کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسے وقت میں ضروری ہے کہ قرآن مجید سے روشنی لی جائے اور یہودیوں کا اصلی چہرہ دیکھا جائے، تب معلوم ہوگا کہ وہ دنیا کی سب سے بزدل، ذلیل،

حریص اور گندی قوم ہے۔

ہمارے مصنّفین حضرات اب تک یہودیوں کے مکروفریب اور ان کی خوفناک سازشوں کا تذکرہ فرماتے رہے ہیں، یہ بھی ایک اچھی خدمت ہے۔لیکن ہم نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ یہودی باوجود اپنی سازشوں اور ظاہری طاقت کے کوئی ناقابل تسخیر قوت یا قابل اتباع قوم نہیں ہیں، بلکہ وہ اب بھی ویسے ہی ہیں جیسا انہیں قرآن نے بیان فرمایا ہے۔

دوسری بات

یہ ہے کہ یہودیوں کی سازشیں ہم پر تبھی کامیاب ہوتی ہیں جب ہم خود بعض اندرونی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔مدینہ منورہ میں عبداللہ بن ابی یہودیوں کا شکار ہوا، کیونکہ وہ ایک لالچی، حریص اور بزدل انسان تھا اور دنیا میں سرداری اور بڑائی پانے کا جنون اس کے دماغ پر سوار تھا،لیکن تاریخ اٹھا کر دیکھیے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہودیوں کے کسی فریب میں نہیں آئے، یہاں تک کہ جب ایک سازش کے تحت یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو آپ سے محبت رکھتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ ہی مسکرائے اور نہ ہی اسے اپنی عمومی مقبولیت سمجھ کر خوش ہوئے، بلکہ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا:

''اللہ کے دشمنو! میں تم سے بالکل محبت نہیں رکھتا۔''

تھوڑا سا غور کیجیے! جسم فروش طوائفیں کن لوگوں کو شکار کرتی ہیں؟ وہ آدمی جو بیوی کے سوا طبعی اور عقلی طور پر کسی طرف توجہ ہی نہ کرتا ہو وہ ساری زندگی ان طوائفوں سے محفوظ رہتا ہے۔لیکن جو لوگ خود غلاظت کھانے کے شوقین ہوں یا جن کے عزم میں کمزوری اور آنکھوں میں خیانت ہو، وہ جوق در جوق ان طوائفوں کے ہاتھوں شکار کر لیے جاتے ہیں۔اب اگر کوئی کہے کہ یہ طوائفیں بہت بڑی طاقت اور ناقابل تسخیر قوت ہیں اور پھر وہ ان کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے اور ان کا قلع قمع

کرنے سے گھبرانے لگے یا انہیں جزیہ نما ٹیکس دیتا پھرے تو یہی کہا جائے گا کہ:

"اگر ماتم حلال ہوتا تو اس شخص کی عقل پر کیا جاتا۔"

مختصر یہ کہ اگر مسلمان شعوری طور پر مسلمان ہو اور شہوت پرستی، حب مال، حب جاہ اور تفرقہ بازی سے محفوظ ہو اور بزدلی سے نفرت رکھتا ہو اور حرص اور نفس پرستی سے پاک ہو اور دنیا کی بجائے آخرت کی فکر سے سرشار ہو اور جہاد فی سبیل اللہ میں اسلامی احکام کے مطابق مصروف و مشغول ہو تو بتائیے کہ یہودی کس راستے سے اس تک پہنچیں گے؟ تب مقابلہ میدان میں ہوگا اور میدان کا نتیجہ غزوۂ بنونضیر، غزوۂ بنو قریظہ اور غزوۂ خیبر سے مختلف نہیں ہوگا، ان شاء اللہ العزیز



مقدمہ

آج کل ایسی خبریں آ رہی ہیں جو نئی تو ہیں مگر غیر متوقع نہیں، مثلاً انڈیا کے ریڈیو نے ابھی چند روز قبل ایک تجزیہ نشر کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی دہشت گردی اس قدر پھیل چکی ہے کہ اب اسے توڑنے کے لیے کئی دشمن آپس میں دوستی پر مجبور نظر آ رہے ہیں، یہاں تک کہ ایران اور اسرائیل اس بارے میں سمجھوتے پر راضی ہو چکے ہیں، جبکہ امریکہ نے اسلامی دہشت گردی کے خلاف قیادت کے لیے خود کو پیش کر دیا ہے، اور روس اور بھارت سمیت کئی ملکوں کو اپنے ساتھ اس کام میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ بھارت نے امریکہ کی اس پیشکش کا بہت مثبت جواب دیا ہے۔ تجزیہ نگار نے آخر میں فاتحانہ لہجے میں کہا: وہ ممالک جو بھارت کے ایٹمی دھماکوں پر تنقید کر رہے تھے اور اس پر اقتصادی پابندیاں لگانے پر تلے ہوئے تھے، اب اسلامی دہشت گردی کے خوف کی وجہ سے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کو نظر انداز کر رہے ہیں اور اسے تعاون کے لیے بلا رہے ہیں۔ راقم جس وقت یہ سطور لکھ رہا ہے اس وقت بھی امریکہ کے بعض اہم فوجی اہلکار انڈیا کا دورہ کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کے خلاف ''امریکہ انڈیا اتحاد'' کے فارمولے کو آخری شکل دی جا رہی ہے۔ دوسری طرف اقوام متحدہ میں اس وقت جو اجلاس جاری ہے اس کا موضوع بھی اسلامی دہشت گردی ہے۔ آخر یہ ساری بے چینی کس وجہ سے ہے؟ آخر کل کے دشمن آج کے دوست کیوں بن رہے ہیں؟ یہ دو سوالات ہیں جن پر مسلمانوں کو خوب اچھی طرح سے غور کرنا چاہیے اور اپنے دشمنوں کے عزائم اور ارادوں کو بھانپنا چاہیے۔ ہم سر دست دو امور کی طرف اپنے مسلمان بھائیوں کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

(۱) دشمنوں کا یہ اتحاد مسلمانوں کے لیے کسی خوف یا دہشت کا باعث نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ہمیشہ ایسے اتحاد مسلمانوں کے خلاف بنتے ہیں اور پھر شکست کے زخموں کو چاٹتے ہوئے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ چند سال پہلے جب امریکہ سے یہ خبریں آرہی تھیں کہ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کا جو بجٹ سوویت یونین سے اپنا دفاع کرنے اور سوویت یونین کو توڑنے کے لیے مخصوص تھا وہ بجٹ سوویت یونین کے بکھرنے کے بعد بھی برقرار رکھا گیا ہے اور وہ رقم جس سے تیس ہزار ایٹم بموں والے ملک سوویت یونین کا مقابلہ کیا جاتا تھا اسلامی دہشت گردوں کو ختم کرنے کے لیے مختص کر دی گئی ہے، اس وقت بعض پھیکے مسلمان کافی پریشان تھے اور ان میں سے بعض تو مجاہدین کو کوس رہے تھے اور کئی لوگوں کا اندازہ تھا کہ سی آئی اے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور بے تحاشہ وسائل کو بروئے کار لا کر اسلامی بنیاد پرستی کو ختم کر دے گی، لیکن ہم نے اس وقت بھی اس خبر کا خیر مقدم کیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ آپ تجزیہ کر لیجیے کہ پچھلے آٹھ دس سال میں مسلح اور غیر مسلح اسلامی تحریکوں میں قوت آئی ہے یا کمزوری؟ جہاد کا کام محدود ہوا ہے یا مزید پھیل گیا ہے؟ وہ چیز جسے دشمن بنیاد پرستی کہتے ہیں یعنی اسلامی قوت، وہ بڑھی ہے یا گھٹی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تمام کافر پہلے سے ہی متحد ہیں وہ تو صرف بعض کمزور دل مسلمانوں پر دباؤ بڑھانے کے لیے اور مسلمانوں کے کمزور حکمرانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے اس طرح کے اتحادوں کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ ایمان والے مسلمانوں کے سامنے یہ سارے مکڑی کے جالے ہیں۔ کئی مکڑیاں مل کر جالا بنائیں یا کوئی مکڑی اکیلی یہ کام کرے، مکڑی کا جالا بہرحال کمزور ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کفر کی متحدہ فوجوں کو دیکھتے تھے تو وہ خوش ہو جاتے تھے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ ۫ وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ○

''اور جب ایمان والوں نے (کافروں کے متحدہ) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی''۔[1]

یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی، جب مشرکین کے تمام قبائل نے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر لیا تھا اور مدینہ منورہ کے یہودیوں نے انہیں تعاون کا یقین دلایا تھا اور ظاہری طور پر مسلمان اندر اور باہر دونوں طرف سے دشمنوں کے گھیرے میں تھے۔ سردی، کم تعداد، قلیل اسلحہ اور بھوک کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کے باہر دشمن کے دس ہزار جنگجوؤں کا لشکر پہنچ چکا تھا اور مدینہ منورہ کے اندر یہودی اپنے مضبوط قلعوں میں مسلح ہو کر حملے کرنے کی تاک میں تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالکل نہیں گھبرائے، بلکہ ان کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وعدوں پر یقین اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ میدان میں ڈٹے رہے۔ بالآخر بیرونی اور اندرونی دونوں دشمنوں کو شکست ہوئی اور فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ آج بھی مسلمانوں کو کافروں کے اسلحے اور ان کی فوجی مہارت سے ڈرایا جاتا ہے یہ کوئی نیا ہتھکنڈہ نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسی طرح خوف زدہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اس طرح کی خبروں اور افواہوں کو سن کر اور زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ دیکھیے قرآن مجید بھی اس کی گواہی دے رہا ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ○

''جب ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (بہت لشکر اور سامان) جمع کیا ہے تو تم ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے''۔[2]

---

[1] [الاحزاب:۲۲] [2] [آل عمران:۱۷۳]

ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ دشمنوں کی کثرت اور ان کی جنگی تیاری کا احوال سن کر بالکل نہیں گھبراتے، بلکہ اس طرح کی خبریں ان کے دل میں جوش ایمانی کو اور زیادہ بھر دیتی ہیں، کیونکہ انہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے اور انہیں اس بات پر بھی جوش آتا ہے کہ کافر جب باطل کی خاطر اتنی بڑی تعداد میں اتنی زیادہ تیاری کر کے نکل سکتے ہیں تو ہم تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے کلمے کی بلندی کے لیے لڑتے ہیں، ہمیں تو کافروں سے بڑھ کر ہمت وقوت اور جواں مردی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ آج ایک طرف تو کافروں کے باہمی اتحاد کی خبریں آرہی ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین سبھی نے مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا ہے اور دوسری طرف کافروں کے بعض اشاعتی ادارے امریکہ اور اسرائیل وغیرہ کی طاقت کے بارے میں جھوٹے پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ راقم کا تجزیہ ہے کہ اسرائیل کے ادارے موساد کے بارے میں جو کاروائیاں اخباروں کی زینت بنتی ہیں ان میں ننانوے فیصد جھوٹ ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے اور اپنی طاقت کی دھاک بٹھانے کے لیے ان افسانوں کو گھڑا جاتا ہے اور بعض بالکل عام سطح کی کارروائیوں کو طرح طرح کے مسالے لگا کر بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کی طاقت کے بارے میں بھی عجیب و غریب افسانے آئے دن سامنے آتے ہیں اور کمزور دل لوگ لرز کر رہ جاتے ہیں، حالانکہ اسرائیل کے دو چوٹی کے موساد اہلکار لبنان میں ایک نہتے فلسطینی رہنما کو شہید کرنے گئے اور وہ اس کام میں بری طرح ناکام ہوئے اور خود گرفتار کر لیے گئے۔ اسی طرح امریکہ کے کئی جنگی اور خفیہ اداروں نے مل کر کشمیر میں ایک ماہ تک آپریشن کیا اور اس آپریشن میں سیٹلائٹ سیارچے تک سے مدد لی گئی اور کروڑوں ڈالر خرچ کیے گئے مگر پراسرار طور پر گم ہو جانے والے سیاحوں کا پتہ نہیں لگایا جاسکا۔ یاد رہے کہ ٹیلی ویژن اور فلموں کی بدولت دنیا کی سب سے بہتر سمجھی جانے والی پولیس اسکارٹ لینڈ یارڈ کے دستے نے بھی اس آپریشن میں امریکی ماہرین کا ہاتھ بٹایا،

مگر نتیجہ کیا نکلا؟ دنیا کے سامنے ہے۔ اوّل تو طاقت اور قوت کے بارے میں کیا جانے والا اکثر پروپیگنڈا نفسیاتی جنگ کا حربہ ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اگر بالفرض اسے حقیقت مان لیا جائے تو مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''حَسْبُنَا اللہُ'' کا نعرہ لگانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں طاقتور دشمن سے لڑنے کی خوشی میں ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جانا چاہئے۔ یہاں اگر بعض افراد کے دل میں یہ سوال اُبھرے کہ اگر امریکہ، اسرائیل اور بھارت وغیرہ کی طاقت وقوت کے بارے میں کیا جانے والا اکثر پروپیگنڈہ جھوٹا ہے تو اسرائیل عربوں پر اور امریکہ پوری دنیا پر اور بھارت کشمیر پر کس طرح سے غالب وقابض ہے؟ تو اس کا حقیقت پر مبنی جواب یہ ہے کہ کفار کا یہ ظاہری اور عارضی غلبہ ان کی بہادری، طاقت یا صلاحیت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے حکمرانوں اور بہت سے عوام کی بزدلی، شہوت پرستی اور دُنیا پرستی کافروں کے غلبے کا سبب ہے۔ اگر مسلمانوں کی حکومت اور طاقت حقیقی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور مسلمان حقیقی مسلمان بن جائیں تو آج کے امریکہ و بھارت کی طاقت ان کے سامنے اسی طرح راکھ کا ڈھیر بن جائے گی جس طرح روم وفارس کی طاقتور سلطنتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ڈھیر ہوگئی تھیں۔

(۲) مسلمانوں کی کامیابی کے لیے یہ بات اشد ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور عمل کو کافروں کے اثرات سے محفوظ رکھیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی بہت سی خوفناک بیماریاں مسلمانوں میں سرایت کر چکی ہیں، اور وہ کام جن کی وجہ سے یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب نازل ہوا اور قیامت تک کے لیے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی، ان میں سے بہت سے کام مسلمانوں میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال بہت نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی فوجیں ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ان کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی

نصرت سے محروم کر رہی ہے اور یہود و نصاریٰ کی ذہنی غلامی میں مبتلاء کر رہی ہے۔ زیر نظر کتاب ''یہود کی چالیس بیماریاں'' مسلمانوں کو یہودیت کے ناپاک اثرات سے بچانے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور اسے امت مسلمہ کے لیے نافع بنائے، اور اس ادنیٰ سی کاوش کو میری بخشش کا ذریعہ اور سرمایۂ آخرت بنائے۔ (آمین ثم آمین)

میں ابھی تک صرف دس بیماریوں کا تذکرہ کر سکا ہوں۔ فی الحال اسی کو کتاب کی ''جلد اوّل'' قرار دے کر بھجوا رہا ہوں۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے باقی حصے کو مکمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر کتاب میں کوئی علمی غلطی دیکھیں تو کتاب کے ناشرین کو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ وہ دیگر اہل علم حضرات سے تحقیق و مراجعت کے بعد آئندہ ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کر سکیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

محمد مسعود ازہر
۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ
بمطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ء
یوم الاثنین
(کوٹ بھلوال جیل، جموں ہند)



باب اوّل

یہودیت کے خلاف جدّوجہد

اور

یہود کے خلاف "جہاد"



بابِ اوّل

یہودیت کے خلاف جدّوجہد
اور
یہود کے خلاف "جہاد"

وہ کون سی قوم تھی جس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہزاروں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے گئے اور تین آسمانی کتابیں نازل کی گئیں؟ دریاؤں کو پھاڑ کر چلتے پانی کے درمیان خشک راستے نکالے گئے؟ من وسلویٰ جیسی پاک اور لذیذ غذاؤں کے ڈھیر لگائے گئے؟ جن کی خاطر فرعون غرق کیا گیا اور کئی ظالم حکمران عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے؟ وہ کون تھے جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے لکھی ہوئی تختیاں اتاریں اور ان کے نبی اور ان کے رؤساء کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی فرمائی؟ وہ کون تھے جن کے سروں پر کئی دہائیوں تک بادلوں نے سائبان کا کام کیا؟ جن کے کپڑے ان کے جسموں کے ساتھ بڑھتے تھے، نہ میلے ہوتے تھے نہ پھٹتے تھے؟ فرشتے جن کی خاطر میدانوں میں اتر کر لڑتے تھے اور ان کے گم شدہ تبرکات اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے؟ وہ کون تھے جن کے عابدوں کی دعاؤں کے لیے آسمان کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے اور جن کو غلامی کے گڑھوں سے نکال کر زمین کا حکمران بنا دیا گیا تھا؟ وہ کون تھے جنہیں ایک طویل زمانے تک تمام عالَم پر فضیلت دی گئی، عروج کو ان کا مقدر بنایا گیا اور قدرت کی مہربانیاں ان پر ایسی رہیں جو ان سے پہلے نہ کسی نے دیکھی تھیں نہ سنی تھیں؟ وہ کون تھے جنہیں عظمت ملی، عزت ملی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محبوب قرار دیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی محبت ملی جیسی بیٹے کو باپ سے ملتی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر؟ وہ کون تھے جنہیں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر آسمانی کتاب کو تھامے رکھو گے تو زمین کے بلاشرکت غیرے حکمران رہو گے اور قدرت کے قرب کے مزے لوٹو گے؟ وہ کون تھے

جن کے گھروں میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صلحاء اور عابد پیدا ہوتے تھے؟ آسمانی وحی، الہام اور کشف کے دروازے جن پر ہمیشہ کھلے رہتے تھے؟ وہ کون تھے جنہیں بار بار تھاما گیا اور کسی قوم کو ان پر فضیلت نہیں دی گئی اور جن کی بے پناہ شرارتوں کے باوجود ہر بار انہیں سینے سے لگایا گیا؟

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مذکورہ بالا سارے انعامات، احسانات اور مہربانیاں جس قوم پر ہوئیں وہ قوم ''یہود'' تھی، جسے ''بنی اسرائیل'' بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت اسرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد۔ ''بنی'' عربی میں بیٹوں کو کہتے ہیں اور ''اسرائیل'' لقب تھا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، جو فرزند تھے حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے، جو بیٹے تھے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ حضرت یعقوب یا حضرت اسرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ روبیل، شمعون، لاوی، یہوذا، یشجر، زیالون، بن یامین، دان، نفتالی، جاد، آشر، اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام۔[1] حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بابل سے ہجرت فرمائی اور کنعان میں آباد ہوئے۔ یہیں پر آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اور آپ کنعان ہی میں آباد ہوئے اور یہیں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اولاد عطاء فرمائی ان میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تھے اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بارہ بیٹوں کے ساتھ کنعان ہی میں رہائش پذیر رہے۔ آپ کی اولاد میں سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تاجروں کے ہاتھوں بکتے بکاتے مصر جا پہنچے، اور عزیز مصر اور مصر کے جیل خانے سے ہوتے ہوئے مصر کے تخت پر جا پہنچے، اور آپ نے اپنے والد محترم اور بھائیوں کو بھی مصر بلوا لیا، یوں ملک مصر بنی اسرائیل کا مسکن بن گیا۔ چار سو برس تک بنی اسرائیل مصر میں معزز رہے، مگر پھر علاقہ پرستی کا نعرہ مصر میں گونجا اور مصر کے مقامی قبطیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا اور وہ ان سے محنت اور مشقت والے ذلیل کام لینے لگے۔ صاحب صاوی لکھتے ہیں:

فَکَانُوْا یَخْدِمُوْنَ اَقْوِیَاءَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ فِیْ قَطْعِ الْحَجَرِ وَ الْحَدِیْدِ وَ الْبِنَاءِ

[1] [قرطبی۔ ج:۹، ص:۱۳۰، ط: دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ]

وَضَرْبِ الطُّوْبِ وَ النَّجَارَةِ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ، وَ كَانَ نِسَاءُهُمْ يَغْزِلْنَ الْكَتَّانَ لَهُمْ وَيَنْسِجْنَهٗ وَ ضُعَفَاءُهُمْ يَضْرِبُوْنَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ۔

''بنی اسرائیل کے طاقتور افراد سے پتھر اور لوہا کاٹنے ، عمارتیں اور اینٹیں بنوانے جیسے کام لیے جاتے تھے، جبکہ ان کی عورتوں سے سوت کتوایا اور بنوایا جاتا تھا، اور ان کے کمزور افراد سے ٹیکس لیا جاتا تھا (کیونکہ وہ جسمانی محنت نہیں کر سکتے تھے)۔''[1]

ظلم کی یہ خوفناک چکی چل رہی تھی کہ مصر کے فرعون (بادشاہِ مصر) نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ اُٹھی ہے اور اس نے پورے مصر کو گھیر لیا ہے، اور یہ آگ مصر کے قبطیوں کو جلا رہی ہے، جبکہ بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ فرعون نے ماہرین سے تعبیر پوچھی تو اسے بتایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری سلطنت کے خاتمے اور قبطیوں کی تباہی کا باعث ہوگا۔ فرعون نے فوراً حکم شاہی جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ فرعون کے گھر میں ان کی تربیت ہوئی۔ جوان ہوئے تو ان کے ہاتھوں ایک قبطی مارا گیا۔ فرعون آپ کے قتل کے درپے ہوا تو آپ نے ''مدین'' کا رُخ کیا۔ وہاں آپ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں آٹھ سال تک رہے اور اس عرصے میں بکریاں چراتے رہے۔ گویا کہ مستقبل میں بنی اسرائیل کو چلانے اور سنبھالنے کی مشق فرماتے رہے۔ وہیں آپ کی شادی ہوئی۔ آٹھ سال مصر سے غیر حاضری کے بعد آپ پھر اپنی اہلیہ سمیت مصر کی طرف لوٹ رہے تھے کہ راستے ہی میں ''وادیٔ طویٰ'' نامی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور فرعون کو حق کی دعوت دینے اور بنی اسرائیل کو آزادی دلوانے اور ان کی دینی رہنمائی کا کام آپ کو سونپ دیا۔ پھر آپ کی درخواست پر آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی نبوت عطاء فرمائی اور

[1] [صاوی۔ ج: ۱، ص: ۶۲، ط: امیر حمزة، کوئٹه]

انہیں آپ کا وزیر بنایا اور کچھ معجزات بھی عطاء فرمائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ان کھلی نشانیوں کو لے کر مصر تشریف لائے اور فرعون کو دعوتِ حق دی، جو فرعون نے ٹھکرا دی، اور آپ کے معجزات کو جادو سمجھ کر پورے ملک مصر کے جادوگروں کو آپ کے مقابلہ میں لے آیا۔ یہ جادوگر مشاہدۂ حق کے بعد ایمان لے آئے اور فرعونی ظلم وستم کا شکار ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو بھی حق کی دعوت دی مگر ان پر خوف سوار تھا اور غلامی کی قباحتیں ان میں سے اکثر کے خون میں سرایت کر چکی تھیں، اس لیے ابتداء میں بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے، مگر بعد میں آپ کی دعوت بنی اسرائیل میں پھیل گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر فرعون نے بنی اسرائیل پر مظالم بڑھا دیے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا اور مصر سے ہجرت فرمانے لگے۔ فرعون کو یہ کب گوارا تھا چنانچہ اس نے ان کا پیچھا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل تو دریا میں سے گزر گئے مگر فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہوگیا۔ آزادی کے بعد بنی اسرائیل نے عمل کے لیے شریعت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''توریت'' عطاء فرمائی۔ بس وہ قوم جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے اور جس قوم کو توریت عطاء کی گئی یہی قوم ''یہود'' کہلاتی ہے۔ اس قوم کو ''یہود'' کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ الْیَهُوْدُ اِمَّا عَرَبِیٌّ مِنْ هَادَ اِذَا تَابَ، سُمُّوْا بِذٰلِكَ لَمَّا تَابُوْا عَنْ عِبَادَةِ الْعِجْلِ، وَ اِمَّا مُعَرَّبُ یَهُوْذَا وَ الذَّالُ اُبْدِلَ بِالدَّالِ الْمُهْمَلَةِ كَعَادَةِ التَّعْرِیْبِ بِهٖ كَاَنَّهُمْ سُمُّوْا بِاسْمِ اَكْبَرِ اَوْلَادِ یَعْقُوْبَ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

''یہود'' یا تو عربی لفظ ہے اور اس کا مادہ ''ھاد'' ہے، جس کے معنیٰ توبہ کرنے کے آتے ہیں۔ ان لوگوں نے جب بچھڑے کی عبادت سے توبہ کر لی تو ان کا یہ نام رکھا گیا (یعنی توبہ کرنے والے)، یا ''یہود'' کا لفظ ''یہوذا'' کا معرب ہے اور کسی غیر عربی لفظ کو عربی بناتے وقت ذال کو دال سے بدل دیتے ہیں، تب ان کا یہ نام حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بیٹے کے نام سے لیا گیا ہے۔''[1]

[1] [انوار التنزیل و اسرار التاویل للبیضاوی ج:۱، ص:۸۳ ط: دار احیاء القرآن العربی، بیروت]

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے، پارہ نمبر ۱۰ اور پارہ نمبر ۱۴ کے علاوہ باقی تمام اٹھائیس پاروں میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ موجود ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تقریباً ساڑھے چار سو آیات میں بنی اسرائیل یا یہود کا تذکرہ ملتا ہے (ان آیات کی فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے)۔ یہ بات تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ قرآن مجید نہ تو قصوں کی کتاب ہے اور نہ کوئی تاریخی دستاویز، نہ وہ کسی شخص کی سوانح حیات ہے اور نہ ہی کسی قوم کی تاریخ، بلکہ قرآن مجید تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل ہوا ہے اور قرآن تمام انسانوں کو ہلاکت اور تباہی کے راستے سے بچا کر دینی اور دنیاوی فلاح اور کامیابی کا راستہ بتانے کے لیے اتارا گیا ہے۔ اس لیے اس میں جو قصے بیان ہوئے ہیں ان کا مقصد بھی انسانوں کی ہدایت ہے اور اس میں مختلف قوموں کا تذکرہ بھی اسی غرض سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانوں کو یہ سمجھانے کے لیے کہ قومیں عروج سے زوال کی طرف کیوں اور کیسے لڑھکتی ہیں؟ اور افراد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستے برستے کیوں رک جاتی ہے، اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کا غضب کیوں برسنے لگتا ہے؟ اور معزز انسان یکایک ذلیل اور مضبوط انسان یکایک دوسروں کے محتاج کس طرح سے بن جاتے ہیں؟ قرآن مجید نے اس کے لیے جس قوم کو سب سے زیادہ بطورِ مثال کے پیش فرمایا ہے وہ ہے "قوم یہود"۔ جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ایک قول کے مطابق ستر ہزار اور ایک قول کے مطابق چار ہزار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا فرمائے۔ یعنی توریت جیسی عظیم الشان کتاب اور پھر اس کتاب کی تبلیغ کے لیے ہزاروں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تسلسل۔ اور پھر اسی قوم پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹھے بٹھائے ان کے ہزاروں افراد کی شکلیں مسخ کر دیں اور انہیں سور اور بندر بنا کر ہلاک کر دیا۔ یعنی ایسا خوفناک عذاب جسے سوچ کر بھی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ اس قوم کے عروج کا اندازہ اس

بات سے لگائیے کہ اس قوم کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بادشاہوں کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا، ہواؤں اور جنات تک کو مسخر کر دیا گیا، اور انہیں ایسی بادشاہت دی گئی جو قیامت تک کسی کو نہیں ملے گی، اور اس قوم کی پستی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اس پر قیامت تک کے لیے ''ذلت'' (یعنی دوسروں کے ہاتھوں ذلیل اور محتاج ہونا) اور ''مسکنت'' (یعنی پستی اور کم ہمتی) کو مسلط کر دیا گیا ہے کہ بس دوسروں کے سہارے جیتے ہیں اور دوسروں کے آسرے پر سانس لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ وجہ صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کسی سے ذاتی رشتہ داری ہے اور نہ کسی سے ذاتی دشمنی۔ یہود کی یہودیت جب تک احکام الٰہی کے تابع رہی اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور نصرت کے مستحق رہے۔ لیکن جب یہودیت نے اپنا رخ بدلا اور وہ شیطانیت اور طاغوتیت کا دوسرا نام بن گئی تو پھر وہی یہودی جو ''اَحِبَّآءُ اللّٰهِ'' تھے ''مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' بن گئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے یہودیت ان عقائد اور اعمال کا نام تھا جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اور ان کی فلاح اور کامیابی کے لیے نازل فرمائے تھے، ایسی ہی یہودیت اختیار کرنے پر توریت میں طرح طرح کے انعامات اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا وعدہ تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہودیوں نے ان عقائد اور اعمال کو بھلا دیا اور عقیدے اور عمل کی ان برائیوں میں مبتلاء ہو گئے جن کی وجہ سے ان کی ترقی تنزل میں اور کامیابی ناکامی میں بدل گئی، اور یہودیت وہ ''شجرہ خبیثہ'' بن کر ابھری جس کی ہر شاخ اور جس کا ہر پتہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کا سبب بن گیا۔ یعنی یہودیت ان عقائد و نظریات اور اعمال کا نام بن گئی جو شیطان نے ایجاد کیے تھے اور یہ وہ شیطانی رسے تھے جن میں باندھ کر وہ انسانوں کو جہنم کی طرف گھسیٹتا رہا اور اب تک گھسیٹ رہا ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مسلمانوں کو یہودیوں کے امراض یعنی یہودیت سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور تو اور ان یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلقات رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ تنبیہ بھی فرما دی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی ہمیشہ

یہی کوشش رہے گی کہ وہ شیطان کی بنائی ہوئی یہودیت اور نصرانیت کے امراض تم میں پھیلا دیں اور تمہیں بھی غضب الٰہی میں اپنا شریک وسہیم بنالیں۔ آئیے! اس بارے میں چند قرآنی آیات پڑھتے ہیں، تاکہ یہ اہم باتیں ہمارے دل ودماغ میں اچھی طرح اُتر جائیں:

(۱) وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ ○

''بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لاچکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنادیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔'' [۱]

(۲) وَلَن تَرْضٰى عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○

''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ (ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت (یعنی اسلام) ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر!) اگر آپ اپنے پاس علم وحی کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار۔'' [۲]

یہ آیت ان لوگوں کو اچھی طرح سے بار بار پڑھنی چاہئے جو یہود ونصاریٰ کو راضی کرنے کی فکر میں ہر وقت گھلتے رہتے ہیں اور ان کا قرب پانے کے خواہش مند ہیں، بلکہ بہت سے مسلمان تو ان کو اپنے مسائل کا حل کنندہ سمجھتے ہیں۔ کاش! مسلمان حکمران اس آیت کو پڑھیں اور سمجھیں۔ کاش! وہ لوگ بھی اس آیت پر غور کریں جو اپنی حفاظت کا ٹھیکہ یہود ونصاریٰ کو دے چکے ہیں۔ انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہود ونصاریٰ کبھی بھی ان کے دوست نہیں ہوسکتے۔ انہیں دوست بنانے کا تو بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اس دوستی کی قیمت کے طور پر اپنے ایمان سے دستبردار ہوجائیں اور یہود ونصاریٰ کی طرح ملعون ومغضوب بن جائیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ یہود ونصاریٰ کے

[۱] [البقرۃ:۱۰۹] [۲] [البقرۃ:۱۲۰]

گورے رنگ اور دغاباز میٹھی زبانوں کے دھوکے میں آنے کی بجائے اپنے رب اور مالک کے فرمان پر یقین رکھیں اور اسی فرمان کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کو دیکھیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ماضی میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ یہود و نصاریٰ کی دوستی کا شکار ہو کر منافقت کی تاریک کھائیوں میں گر کر اپنی دنیا اور آخرت تباہ کر چکا ہے۔

(۳) وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

''اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ گے۔ کہہ دیجیے! (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم پر ہیں جو ایک اللہ تعالیٰ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' [1]

آج کے یہود و نصاریٰ اپنے دین کی بجائے اپنے نظامِ حکومت اور اپنے نظامِ معیشت اور اپنی گندی تہذیب و ثقافت کی دعوت دے کر کہہ رہے ہیں کہ اسی کو اختیار کرو، تب ہی کامیابی اور ترقی پاؤ گے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان ان کی اس دعوت کو ٹھکرا کر اسلام کے اپنے نظامِ حکومت، نظامِ معیشت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے ساتھ جڑے رہتے، لیکن افسوس صد افسوس کہ آج اکثر مسلمان یہود و نصاریٰ کی اس کفریہ دعوت کو دل و جان سے قبول کر رہے ہیں اور یہودیت اور نصرانیت کے گندے امراض کو اپنی زندگی کے ہر شعبے اور اپنے گھروں تک میں گھساتے جا رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

(۴) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''اور اگر آپ باوجود اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے ان کی خواہشوں کے پیچھے چلیں گے تو ظالمین میں (داخل) ہو جائیں گے۔'' [2]

افسوس کہ آج یہود و نصاریٰ کی خواہشات مسلمانوں کا مقصد زندگی اور آئیڈیل بن چکی ہیں، اور

[1] [البقرہ:۱۳۵] [2] [البقرہ:۱۴۵]

مسلمان اندھا دھند ان خواہشات کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں، اور وہ یہودیوں کے گناہوں اور خواہشات کی بچی کھچی میل کچیل کھانے کو بھی روشن خیالی اور ترقی سمجھ رہے ہیں، اور یہود و نصاریٰ کے تمام طریقے اپنانے کو تہذیب و تمدن کا تقاضا سمجھتے ہیں۔

۵ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○

”مؤمنوں کو چاہئے کہ مؤمنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ (عہد) نہیں، ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو اور بات ہے)، اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“[1]

”یعنی جب حکومت و سلطنت، جاہ و عزت اور ہر قسم کے تقلبات و تصرفات کی زمام اکیلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو مسلمانوں کو جو صحیح معنیٰ میں اس پر یقین رکھتے ہیں شایان شان نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوت و دوستی پر اکتفاء نہ کر کے خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی موالات و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و موالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف اللہ تعالیٰ رب العزت سے وابستہ ہونی چاہئیں، اور اس کے اعتماد و وثوق اور محبت و مناصرت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں! تدبیر و انتظام کے درجہ میں کفار کے ضررِ عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول و مشروع طریقے پر اختیار کرنا ترکِ موالات کے حکم سے مستثنیٰ ہیں، مگر اسے حقیقت میں موالات نہیں بلکہ ”صورتِ موالات“ سمجھنا چاہئے، جس کو ہم ”مدارات“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔“[2]

۶ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

(اے اہل اسلام!) بعضے اہل کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ کردیں، مگر یہ (تم کو کیا گمراہ کرینگے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور وہ نہیں جانتے۔“ [3]

[1] [آل عمران:۲۸] [2] [تفسیر عثمانی۔ج:۱ص:۲۶۱،ط: دارالاشاعت، کراچی] [3] [آل عمران۔ :۶۹]

چاہتے تو سب ہیں مگر اس کام کے لیے کچھ لوگ مخصوص کر لیے جاتے ہیں۔ مثلاً اس زمانے میں مستشرقین، مشنریز اور معاشی ماہرین (جنہیں ڈاکو کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے) اس کام میں جتے ہوئے ہیں اور وہ مسلمانوں کو ہر شعبے میں گمراہ کر کے اسلام سے ہٹا رہے ہیں اور یہی ان کا مقصد ہے، کیونکہ گمراہی، بددینی اور بے راہ روی ہی ان کا دین ومذہب ہے، اور اسی کی وہ عمومی دعوت چلا رہے ہیں۔

⑦ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ○

”مؤمنو! اگر تم اہلِ کتاب کے کسی فریق کا کہنا مان لو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔“[1]

یعنی مسلمان ان یہودیوں اور نصرانیوں کی جس قدر اطاعت کرتے چلے جائیں گے اسی قدر کفر کے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کے بعض فرقوں میں یہودیت زیادہ پائی جاتی ہے اور بعض میں کم۔ پس جس میں جس قدر یہودیت یعنی شیطانی عقائد واعمال ہوں گے وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہوگا۔ اس بارے میں مزید تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی۔

⑧ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و) اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا۔“[2]

”یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح مت بنو جو اللہ تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام واہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے ان کے مذہب اور قومیت کو تباہ کر ڈالا اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔“[3]



”اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم ومہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے

[1] [آل عمران:١٠٠] [2] [آل عمران:١٠٥] [3] [تفسیر عثمانی، ج:١، ص:٣٠٥ ط: دار الاشاعت، کراچی]

صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد کیے جائیں۔افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سیکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف اور صریح اور مسلم ومحکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلافات ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔تاہم اس طوفان بے تمیزی میں اللہ تعالیٰ ورسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمداللہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے "مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحَابِیۡ" کے مسلک پر قائم ہے اور تاقیامت قائم رہے گی۔باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں ان کو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں۔اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنی تصانیف میں کافی وشافی بحث فرمائی ہے۔"[1]

البتہ عہد حاضر کے وہ فرقے جنہوں نے فروعی مسائل کو اُمت مسلمہ میں تفریق کا ذریعہ بنا کر اشتہار بازی اور دعوے بازی شروع کر رکھی ہے، وہ بھی گمراہی کے ان راستوں پر چل نکلے ہیں جن پر یہود ونصاریٰ کے قدموں کے نشان اب تک نظر آ رہے ہیں۔

۹ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○

''مؤمنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے، اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے، ان کی زبانوں سے دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔''[2]

آج مسلمانوں نے قرآن مجید کے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے، اور اپنے تیل کے خزانوں، زمینی ذخائر اور عسکری معاملات تک میں انہوں نے یہود ونصایٰ کو اپنا ہم راز بنا رکھا ہے، اور وہ ہر معاملے میں یہود ونصاریٰ سے مشورہ لینا ضروری سمجھتے ہیں، اور لاکھوں مسلمانوں نے تو اپنے اربوں کھربوں روپے کی مالیت کے اموال اور خزانے یہود ونصاریٰ کے خفیہ بینکوں میں رکھے

[1] [تفسیر عثمانی۔ج:۱،ص:۳۰۵،ط: دارالاشاعت، کراچی]
[2] [آل عمران۔ص:۱۱۸]

ہوئے ہیں، اور یوں انہوں نے اپنی گردنیں خود اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں دے رکھی ہیں۔

(۱۰) یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ○ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ نَصِیۡرًا ○

''اے اہل ایمان! مؤمنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا صریح الزام لو؟ بے شک منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔''[۱]

اس آیت میں بھی کافروں سے دوستی کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور رواضح بتادیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا نفاق کی دلیل ہے، کیونکہ مدینہ کے منافقین نے یہی کیا تھا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی دوستی اور وفاداری کا مرکز یہودیوں کو بنالیا تھا، چنانچہ قیامت تک کے مسلمانوں کو اس سے روکا جارہا ہے۔

(۱۱) یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَہُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ فَتَرَی الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوۡنَ فِیۡہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰۤی اَنۡ تُصِیۡبَنَا دَآئِرَۃٌ ؕ فَعَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ ○

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا، بے شک! اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم زمانے کی گردش میں نہ آجائیں، پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جنہیں چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔''[۲]

اس آیت مبارکہ میں چند امور نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں:

(۱) مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ کافروں کو اپنا ''ولی'' بنائیں۔ ''ولی'' کے معنیٰ دوست، معتمد اور

[۱] [النساء: ۱۴۴، ۱۴۵] [۲] [المائدہ: ۵۱، ۵۲]

مددگار کے آتے ہیں۔ یعنی کسی مسلمان کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستانہ اعتماد اور برادرانہ معاونت یا نصرت کا تعلق قائم کرے۔

۲ یہود ونصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے متحد ہو جاتے ہیں، اور اس بارے میں ایک دوسرے کے ولی یعنی مددگار بن کر اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے یا تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے ظاہری طور پر کلمہ پڑھ رکھا ہے لیکن ان کے دلوں میں نفاق کا بیج موجود ہے، وہ ہمیشہ بھاگ بھاگ کر یہود ونصاریٰ کی گود میں گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشکل حالات میں یہ ہماری مدد کریں گے، غربت اور قحط کے وقت یہ ہمیں قرضہ دیں گے، اور اگر پکے مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو یہ یہود ونصاریٰ ہمیں مسلمان سمجھ کر نہیں ماریں گے، بلکہ ہماری جان اور مال محفوظ رہے گا۔ اس لیے وہ پہلے سے ہی اپنا تعلق یہود و نصاریٰ کے ساتھ جوڑ کر رکھتے ہیں اور ان کو بتاتے رہتے ہیں کہ ان نظریاتی مسلمانوں کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے جو آپ لوگوں سے لڑ رہے ہیں۔

۴ جو لوگ جان کے خوف اور مال کی لالچ میں یہود ونصاریٰ کے معاون و مددگار اور معتمد دوست بن جاتے ہیں تو خود ان میں بھی آہستہ آہستہ یہودیت اور نصرانیت گھس جاتی ہے اور وہ ایمان اور ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۵ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مسلمانوں کو فتح عطاء فرما دیتا ہے تو یہود ونصاریٰ کے ساتھ عہد و فاداری کرنے والے یہ منافق بہت پچھتاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔



سورۂ مائدہ کی آیت ۵۷ میں بھی اسی مضمون کو مختلف انداز سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ تو تھیں چند قرآنی آیات، جنہیں پڑھنے کے بعد ایک مسلمان اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کی

دوستی یا یہودیت کی پیروی اس کے دین اور دنیا کے لیے کتنی خطرناک ہے۔لیکن یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ باطل عقائد اور غلط اعمال کے جس مجموعے کو یہودیت کہا جاتا ہے وہ مجموعہ اور اس کا ہر تیر شیطان کا آزمودہ ہے، چنانچہ قیامت تک شیطان ان آزمودہ تیروں کو استعمال کرتا رہے گا، اور بہت سے بدقسمت افراد ان شیطانی تیروں سے گھائل ہو کر ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گریں گے۔ یہی وہ خطرہ تھا جس سے رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمت کو آگاہ فرمایا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ. قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی ؟قَالَ: فَمَنْ ؟

”یقیناً تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرو گے بالشت پر بالشت اور گز پر گز، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے اس میں چلے جاؤ گے۔“

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا پہلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”(وہ نہیں) تو پھر کون؟“۔[1]

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

لَيَأْتِيَنَّ عَلٰی اُمَّتِيْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰی اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ.

”میری امت بھی ان چیزوں میں پڑے گی جن میں بنی اسرائیل جا پڑے تھے، (ویسی ہی) جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ کام کریں گے۔“[2]

[1] [صحیح البخاری۔رقم الحدیث: ۷۳۲۰، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔رقم الحدیث: ۲۶۴۱، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

اسی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کی تفرقہ بازی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّةً وَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّةً، کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، قَالُوْا: مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ۔

”بنی اسرائیل میں بہتّر فرقے تھے اور میری امت میں تہتّر فرقے ہوں گے، سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔“

صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر ہوگا۔“[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمت کے یہود و نصاریٰ کے راستے پر چلنے کا اتنا خطرہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض الوفات میں بھی اپنی پیاری اُمت کو یہود و نصاریٰ کے طریقے سے بچنے کی تلقین فرماتے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِیَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ۔

”اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔“[2]

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قبر مبارک کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہود و نصاریٰ اگر مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے تو وہ لازماً اپنے امراض مسلمانوں میں پھیلائیں گے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مرکز اسلام مدینہ منورہ کو یہودیوں سے پاک فرمایا اور پھر یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ اگر میں کچھ دن اور زندہ رہا تو پورے جزیرۃ العرب کو یہود و نصاریٰ

1. [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۴۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
2. [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۳۹۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

کے ناپاک وجود سے پاک کر دوں گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَئِنْ عِشْتُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَاُخْرِجَنَّ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ۔

''ان شاء اللہ، اگر میں زندہ رہا تو میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دوں گا۔''[1]

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

لَاُخْرِجَنَّ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ فَلَا أَتْرُكُ فِیْھَا اِلَّا مُسْلِمًا۔

''میں یہود و نصاریٰ کو ضرور بالضرور جزیرۃ العرب سے نکال باہر کروں گا اور یہاں مسلمانوں کے علاوہ کسی کو نہیں رہنے دوں گا۔''[2]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (صحیح بخاری ۔ص: ۵۸۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں ''إِخْرَاجُ الْیَھُوْدِ مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ'' کے عنوان سے باب باندھا ہے، اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ذکر فرمائی ہے، جس میں آپ ﷺ نے یہودیوں کو دوٹوک الفاظ میں آگاہ فرمادیا کہ تم لوگوں کی سلامتی کا راستہ صرف اسلام قبول کرنے میں ہے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں عنقریب یہاں سے جلاوطن کرنے والا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ تمام مسلمانوں کو عموماً اور عرب کے مسلمانوں کو خصوصاً یہود و نصاریٰ کے ناپاک اثرات سے بچانا چاہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ عربوں پر یہود و نصاریٰ کا اثر جلدی پڑتا ہے، اور ایک طویل عرصے سے عرب کے ''اُمّی'' یہودیوں کے ظاہری علوم و فنون سے بہت متأثر اور مرعوب تھے، جس طرح آج کے اوباش عرب یہودیوں کی تہذیب سے متاثر ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پورے جزیرۃ العرب کو یہودیوں سے پاک فرمانے کا عزم فرمالیا تھا، آپ ﷺ کی یہ مبارک تمنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پوری فرمادی۔ حضور اکرم ﷺ کو چونکہ اپنی امت کے

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث:۱۶۰۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث:۱۶۰۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

بارے میں یہودیوں سے خطرہ تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ یہودیوں کے حالات اور بیماریوں کو بیان فرمایا، اور یہودیوں کے انجام سے بھی امت کو آگاہ فرمایا، اور یہودیوں کے ساتھ چار جنگیں لڑ کر اس امت کو یہودیوں کے ساتھ جہاد کی اہمیت سے بھی آگاہ فرمادیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیت کے سب سے بڑے فتنے "دجال" کا بھی تفصیل سے تذکرہ فرمایا، اور مسلمانوں کو اس فتنے سے بچنے کی تلقین فرمائی، اور اس فتنے کو روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ خَلْقٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ۔

"آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک دجال سے بڑا کوئی معاملہ (فتنہ) نہیں ہے۔"[1]

احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دجال خود یہودی ہوگا، (المستدرك على الصحيحين۔ رقم الحديث:۸۶۱۱، ط:دار الكتب العلمية، بيروت) اور اس کی پیروی کرنے والے بھی اکثر یہودی ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُوْدِ أَصْفَهَانَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ۔

"اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کی پیروی کریں گے اور ان پر سبز چادریں ہوں گی۔"[2]

یعنی یہودیت کا شجرۂ خبیثہ جب اپنی خباثت کے عروج پر پہنچے گا تو دجال کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہودیت کا یہ عروج اس کے انتہائی زوال کا پیش خیمہ بنے گا اور دجال کی ہلاکت کے ساتھ

1 [صحيح مسلم۔ رقم الحديث: ۲۹۴۶، ط:دار الكتب العلميه، بيروت]

2 [صحيح مسلم۔ رقم الحديث: ۲۹۴۴، ط:دار الكتب العلميه، بيروت]

ساتھ تمام یہودی بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

تھوڑا سا غور کیا جائے کہ آخر یہودیوں کو مدینہ منورہ سے کیوں نکالا گیا؟ یہودیوں سے جزیرۃ العرب کو پاک کرنے کا عزم آپ ﷺ نے کیوں فرمایا؟ بات بالکل واضح ہے کہ یہودیت ایک ''کینسر'' ہے، جس میں ہزار کینسر مزید چھپے ہوئے ہیں، اور یہودی اس کینسر کے بیوپاری اور تقسیم کنندگان ہیں، اور وہ اس بیوپار کے اتنے ماہر ہیں کہ ہمیشہ اپنے اس کینسر پر ایسے لیبل چسپاں کر لیتے ہیں کہ مسلمان جوق در جوق مال دے دے کر اس کینسر کو خریدتے ہیں، اور اپنے خون میں یہودی کینسر کے اثرات شامل کر لیتے ہیں۔ آج اگر عرب و عجم کے مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر غور کیا جائے اور ان کے گھروں میں موجود آلات اور لٹریچر کا مشاہدہ کیا جائے اور مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت کی سوچ کو پڑھا جائے تو آپ کو ہر طرف یہودی سرطان کے کیڑے بلبلاتے ہوئے نظر آئیں گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے بہت پہلے مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ فرما دیا تھا۔ مگر اس دور کے اکثر مسلمان اس سے غافل ہیں اور وہ اسلام سے ہٹ کر یہودیت کی طرف قدم بقدم بڑھتے چلے جا رہے ہیں، حالانکہ اسلام اور یہودیت آپس میں ذرہ برابر بھی میل نہیں کھاتے۔ کیونکہ اسلام توحید کا علمبردار ہے، جبکہ یہودیت شرک کی داعی ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے، جبکہ یہودیت آزادی اور نافرمانی کی علمبردار ہے۔ اسلام میں قربانی اور بہادری کی دعوت ہے، جبکہ یہودیت بزدلی اور خودغرضی کا دوسرا نام ہے۔ اسلام کا منشور محبت ہے، یہودیت کا منشور تجارت ہے۔ اسلام صداقت اور اکل حلال کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ یہودیت جھوٹ اور حرام خوری سکھاتی ہے۔ اسلام حکومت کا حقدار اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے، جبکہ یہودیت یہ حق عوام کو دیتی ہے۔ اسلام ادب سکھاتا ہے، یہودیت گستاخی کا دوسرا نام ہے۔ اسلام حیا اور پاکدامنی کی دعوت دیتا ہے، یہودیت جنسی بے راہ روی اور فحاشی کی علمبردار ہے۔ اسلام عورت کو مقدس امانت قرار دیتا ہے، جبکہ یہودیت عورت کو نفع بخش تجارت سمجھتی ہے۔

اسلام فکرِ آخرت کا نام ہے، جبکہ یہودیت دنیا کو مقصود بنانے کی دعوت دیتی ہے۔ اسلام غیرت اور شرافت کا نام ہے، یہودیت بے شرمی اور خباثت سے مرکب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور یہودیت دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسلام کی اپنی بنیاد اور شاخیں ہیں اور یہودیت کی اپنی بنیاد اور شاخیں ہیں۔ اسلام کی بنیاد پر یہودیت کی شاخوں کو نہیں جوڑا جاسکتا اور نہ اسلام کے ساتھ یہودیت کی پیوندکاری کی جاسکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہودیت کن عقائد اور نظریات کا نام ہے؟ یعنی وہ کون سے غلط عقائد و اعمال ہیں جو یہودیت کی بنیاد اور شاخیں کہلاتے ہیں اور جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے یہودی اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کا شکار ہوئے اور ذلت اور مسکنت کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم ان عقائد اور اعمال کا پتہ لگائیں، کیونکہ جب یہودی ان عقائد و اعمال کو اختیار کرنے کی وجہ سے مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ بن گئے تو کوئی اور قوم بھی اللہ تعالیٰ کی رشتہ دار نہیں ہے۔ بلکہ جو قوم خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اگر ان عقائد اور اعمال کو اختیار کرے گی جنہیں ہم نے یہودیت کا نام دیا ہے تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو یہودیوں کا ہوا۔ اور آج ہمیں خود مسلمان قوم پر ذلت و مسکنت کے کھلے آثار نظر آرہے ہیں، جو اس بات کی واضح نشانی ہیں کہ مسلمانوں میں سے بہت سے افراد نے یہودیت کی بعض شاخوں کو لے لیا ہے اور یہودیت کے بعض امراض ان کی رگوں میں بھی سرایت کر چکے ہیں۔

ایک مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے عقائد اور اعمال میں بہت تاثیر رکھی ہے، چنانچہ اسلامی عقائد اور اعمال میں بلندی اور ترقی کی تاثیر رکھی گئی ہے (وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ)، جبکہ کفریہ عقائد اور اعمال میں ذلت اور پستی کی تاثیر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان کافروں کے اعمال اختیار کرے گا تو ذلیل ہو جائے گا، اور اگر کافر مسلمانوں کے اعمال اختیار کرے گا تو ان اعمال کے دنیوی فائدے ضرور پائے گا۔ اسی لیے قرآن مجید نے یہودیوں کے غلط عقائد اور غلط اعمال کو نہایت تفصیل سے بیان فرما

دیا، تاکہ پوری انسانیت ذلت کے ان تمام گڑھوں سے محفوظ رہے۔ ہم نے اس کتاب میں قرآن مجید کی اسی دعوت کو بیان کرنا ہے اور یہودیوں کے تمام امراض یعنی مکمل یہودیت کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ہے، تاکہ مسلمانوں میں سے جو بھٹک چکے ہیں وہ واپس آجائیں اور جو راہ مستقیم پر قائم ہیں انہیں مزید استقامت نصیب ہو۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج عمومی اور اجتماعی طور پر مسلمان اجتماعیت اور مرکزیت سے محروم ہو چکے ہیں اور غیروں کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے بچے بھی یہود و نصاریٰ کے مقروض پیدا ہوتے ہیں اور ہماری معیشتیں یہودیت کے قرضوں تلے آخری سانس لے رہی ہیں۔ ہمارے غریب سود دے کر قرضے لے رہے ہیں تاکہ روٹی کھا سکیں اور ہمارے مالدار سود دے کر اپنا پیسہ یہودیوں کے بینکوں میں رکھوا رہے ہیں۔ اسلام اور اسلامی احکامات اجنبی بنتے جا رہے ہیں۔ مدینہ منورہ کی معاشرت کو عیب سمجھا جاتا ہے اور نیویارک کی قابل نفرت معاشرت کے گن گائے جاتے ہیں۔ اسلام زندگیوں سے نکل رہا ہے اور یہودیت کا سانپ ہر گھر میں داخل ہو کر ایمان اور شرافت کو ڈس رہا ہے۔ دوسری طرف یہود و نصاریٰ کی فوجیں حرمین شریفین کے بالکل قریب پڑاؤ ڈالے پڑی ہیں اور ہمارے تمام خزانے ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حالات بے حد خراب اور دردناک ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں ہمارا کھویا ہوا سب کچھ واپس مل سکتا ہے، بشرطیکہ ہم اسلام کو اپنا لیں اور یہودیت کو ٹھوکر مار کر اپنی زندگی، اپنے معاشروں، اپنے گھروں اور اپنے ایوانوں سے باہر نکال دیں۔ یقین کیجیے! جیسے ہی ہم یہودیت کو اپنے اندر سے نکالیں گے فوراً ہمیں اپنی عظمت رفتہ واپس مل جائے گی۔ جان فزا عطر ماحول کو مہکانے کے لیے تیار ہے، لیکن پہلے مرے ہوئے گلے سڑے سوّر کو وہاں سے ہٹانا پڑے گا۔ یہودیت اور ذلت دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم یہودیت کو بھی

اپناتے رہیں اور عزت کے خواب بھی دیکھتے رہیں۔ ہمیں اپنے اندر سے اور اپنے معاشرے سے یہودیت کے ایک ایک نشان کو مٹانا ہوگا، اور ہمیں اب اس میں ذرہ برابر بھی دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس بارے میں ہمارے ذمے اب دو کام ہیں:

۱ خود کو اور اپنے نظام اور معاشرے کو یہودیت سے پاک کرنے کی جدوجہد کرنا

۲ میدانوں میں نکل کر یہودیوں کے مقابلے میں جہاد کرنا

اگر ہم نے ان دونوں کاموں کے لیے کمر کس لی اور مکمل عزم کر لیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہوگی اور بظاہر مشکل نظر آنے والے یہ دونوں کام بالکل آسان ہو جائیں۔ ان شاء اللہ العزیز۔



باب دوم

یہود کی چالیس بیماریاں

مختصر جائزہ





باب دوم

یہود کی چالیس بیماریاں

مختصر جائزہ

وہ کون سا مرض تھا جو یہودیوں میں نہیں تھا؟ یقیناً یہ ایک مشکل سوال ہے اور اس کا جواب ڈھونڈنا آسان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر پوچھا جائے کہ یہودی کن کن امراض اور خرابیوں کا شکار تھے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بہت مشکل ہے۔ وجہ صاف ہے کہ یہودیوں کا اکثریتی طبقہ سراپا فساد بن چکا تھا اور ان کا پورا معاشرہ طرح طرح کی خرابیوں اور امراض کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور آج تک بنا ہوا ہے۔ یہودیوں نے ہر اچھائی کو چھوڑا اور ہر برائی کو اپنایا۔ ہر نیکی سے نفرت کی اور ہر گناہ کا استقبال کیا۔ بات اگر یہیں تک رہتی تو غنیمت تھی، مگر یہود تو تمام حدود کو پھلانگ گئے۔ وہ صرف گناہ کرتے نہیں تھے بلکہ ان گناہوں کو پھیلاتے بھی تھے۔ وہ صرف برائیوں کا شکار ہی نہیں تھے بلکہ طرح طرح کی برائیاں ایجاد کرتے تھے، اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہودی صرف شر کے مالک ہی نہیں بلکہ موجد اور بیوپاری بھی ہیں۔ ہر دن بلکہ ہر لمحہ ہر یہودی کی فکر یہی ہوتی ہے کہ وہ کوئی نئی برائی ایجاد کرے اور اسے پوری دنیا میں پھیلا دے، اور برائی پھیلانے پر لوگوں سے مال اور داد وصول کرے۔ بس اسی وجہ سے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ یہودی پوری انسانیت کے درمیان رستا ہوا کینسر ہیں، جو خود تو گل سڑ چکا ہے مگر اب اس کے اثرات ہر طرف پھیل رہے ہیں، اور اگر اس کینسر کو نہ کاٹا گیا یا اس کا راستہ نہ روکا گیا تو پوری انسانیت گل سڑ جائے گی اور تباہ ہو جائے گی۔ یہودیت کا یہ کینسر زدہ پھوڑا ''دجال'' کی صورت میں اپنی آخری خطرناک حد تک پہنچے گا اور انسانیت کو بہت نقصان پہنچائے گا، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''انسانیت'' کو ''یہودیت'' سے نجات دلانے کا فیصلہ ہو جائے گا اور حضرت

عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو یہودیت کے اثر سے بالکل پاک تھے، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک امتی بن کر آئیں گے اور دجال سمیت یہودیوں کا مکمل خاتمہ فرمادیں گے، اس وقت کوئی پتھر بھی یہودیوں کو پناہ نہیں دے گا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کب اتریں گے؟ اس کا ہمیں کچھ علم نہیں۔ ان کا زمین پر اترنا یقینی ہے، مگر ان کے اترنے کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک یہودیوں کے مکمل خاتمے کا انتظام نہیں ہوتا اس وقت تک کیا کیا جائے؟ یہودی تو ہر گھڑی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ یہودی بیوپاری طرح طرح کے امراض اور خرابیاں مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کے نفاق زدہ حکمران مسلمانوں کا سرمایہ اور اسلامی زمینوں کے خزانے لٹا کر یہودیوں سے یہودیت خرید کر مسلمانوں میں پھیلا رہے ہیں۔ چنانچہ حکومت کے ایوانوں سے لے کر مسلمانوں کے عام گھروں تک میں یہودیت تیزی سے گھس رہی ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی یہودیت کے گندے اثرات سے متأثر ہوتی جارہی ہے اور اسلامی معاشرہ ہر طرف سے تیر کھا کر اپنی اسلامیت کھوتا جارہا ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی

افسوس صد افسوس! کہ آج مسلمان خود اپنے معاشرے اور اپنی زندگی سے اسلام کو دھکے دے کر نکال رہے ہیں، کیونکہ اسلامی اقدار و اخلاق کو قدامت پسندی قرار دے دیا گیا ہے۔ جبکہ یہی مسلمان اپنا سب کچھ لٹا کر یہودیت کو اپنے معاشرے اور زندگی میں گھساتے جارہے ہیں، کیونکہ وہ یہودیت کو جدت اور ترقی پسندی سمجھتے ہیں، اور وہ اس بات کو بھلا چکے ہیں کہ یہودیت کا منحوس سایہ جس معاشرے اور جس گھر پر پڑتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے غضب اور ذلت و مسکنت کے پتھر برستے ہیں اور آج یہ پتھر برس رہے ہیں اور مسلمان دنیا میں رشوت دے کر جی رہے ہیں، سود دے کر کھا رہے ہیں اور اپنا تشخص کھوتے جارہے ہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے نظام، اپنے معاشرے اور اپنی ذات کو یہودیت کے منحوس اثرات سے پاک کریں اور حقیقی مسلمان بن کر میدان جہاد

میں یہودیوں کو للکاریں، تب انہیں معلوم ہوگا کہ یہودی تو دنیا کی سب سے بزدل اور کم ہمت قوم ہے، اور جس دشمن کو وہ لوہے کا پہاڑ سمجھ رہے تھے وہ تو مکڑی کا جالا ہے۔ مگر اس کے لیے شرط یہی ہے کہ مسلمان یہودیت کے امراض سے پاک ہو کر میدان میں اتریں، کیونکہ اگر وہ خود یہودیت کے امراض و اثرات میں جکڑے ہوئے ہوں گے تو پھر وہ یہودیوں کو شکست نہیں دے سکیں گے، اور نہ ان کے لیے آسمان سے نصرت اُترے گی۔ وہ برائیاں اور عادتیں جن کی وجہ سے یہودیوں پر ذلت اتر رہی ہے، جب مسلمانوں میں بھی ہوں گی تو ان پر نصرت نہیں بلکہ ذلت اترے گی، اور ان حالات میں یہودیوں کو دوسرے کفار مثلاً عیسائیوں اور مشرکوں کی حمایت بھی حاصل ہوگی، چنانچہ وہ اس حمایت کی بدولت مسلمانوں سے شکست نہیں کھائیں گے، اور آج یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ یہودیوں کے ان امراض کو ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم مغضوب بن گئی۔ یہود کے یہ امراض بہت زیادہ ہیں۔ قرآن مجید میں غور کرنے کے بعد ہم نے ان امراض کے لیے چالیس عنوانات کا انتخاب کیا ہے، یعنی ''یہود کی چالیس بیماریاں''۔ ذیل میں ان چالیس بیماریوں کی فہرست پیش کی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ، آگے چل کر ان میں سے ہر بیماری کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہود کی بیماریاں اور خرابیاں چالیس سے بہت زیادہ ہیں، مگر ہم نے بات سمجھانے کے لیے چالیس عنوان قائم کیے ہیں، ان کے ذیل میں اور بھی کئی بیماریوں کا تذکرہ آجاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جب کوئی انسان بہت زیادہ بیمار ہو جاتا ہے اور اس کے اعصاب اور قویٰ میں اعتدال نہیں رہتا تو اس کی بے شمار بیماریاں آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں، یہی حال یہود کا ہے کہ ان کی ہر بیماری کے اندر کئی بیماریاں گھسی ہوئی ہیں، اور کئی بیماریاں ایسی خلط ملط ہو چکی ہیں کہ ان میں سے ہر بیماری پر دوسری بیماری کا اثر نظر آتا ہے۔ اس لیے درج ذیل فہرست کے بارے میں یہ نہ سوچا جائے کہ یہ تو مختصر ہے اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ اس میں تو تکرار ہے۔

یہود کی چالیس بیماریوں کی فہرست

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز

(۲) بغیر ایمان اور عمل کے صرف نسبت پر فخر

(۳) یعنی بعض احکامات کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا

(۴) خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنانا

(۵) کتمان حق یعنی حق کو چھپانا

(۶) تَلْبِیْس بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ، حق اور باطل کو خلط ملط کرنا

(۷) دین میں تحریف اور دین فروشی

(۸) حرص اور بے صبری

(۹) جھوٹ، دھوکہ اور خیانت کی عادی زبانیں

(۱۰) بخل اور ترغیب بخل

(۱۱) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر عدم اعتماد

(۱۲) دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت

(۱۳) جہاد سے روگردانی

(۱۴) عہد شکنی

(۱۵) احکام الٰہی میں چون و چرا

(۱۶) اپنے گناہ دوسروں کے سر ڈالنا

(۱۷) تحلیل حرام اور حرام خوری

(۱۸) اپنوں کے خلاف غیروں کا تعاون

(۱۹) بے سند دعوے اور فضول خوش فہمیاں

(۲۰) بلعمیت

(۲۱) حسد اور ضد کی وجہ سے باہمی فرقہ واریت

(۲۲) باہمی قتل و غارت

(۲۳) زندگی کی حرص اور بزدلی

(۲۴) حق کو پہچان کر اس کا انکار کرنا

(۲۵) احکام الٰہی پر رکیک اعتراضات

(۲۶) فرشتوں میں تفریق

(۲۷) قارونیت

(۲۸) اطاعتِ اولی الامر کا فقدان

(۲۹) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک

(۳۰) جادو میں انہماک

(۳۱) کتاب اللہ کو نافذ نہ کرنا

(۳۲) اہل حق کو ستانے، گمراہ کرنے یا تباہ کرنے کا ٹھرک

(۳۳) قساوتِ قلبی

(۳۴) حضرت مریم علیہاالسلام پر تہمت

(۳۵) اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین اور گستاخی

(۳۶) سامریت

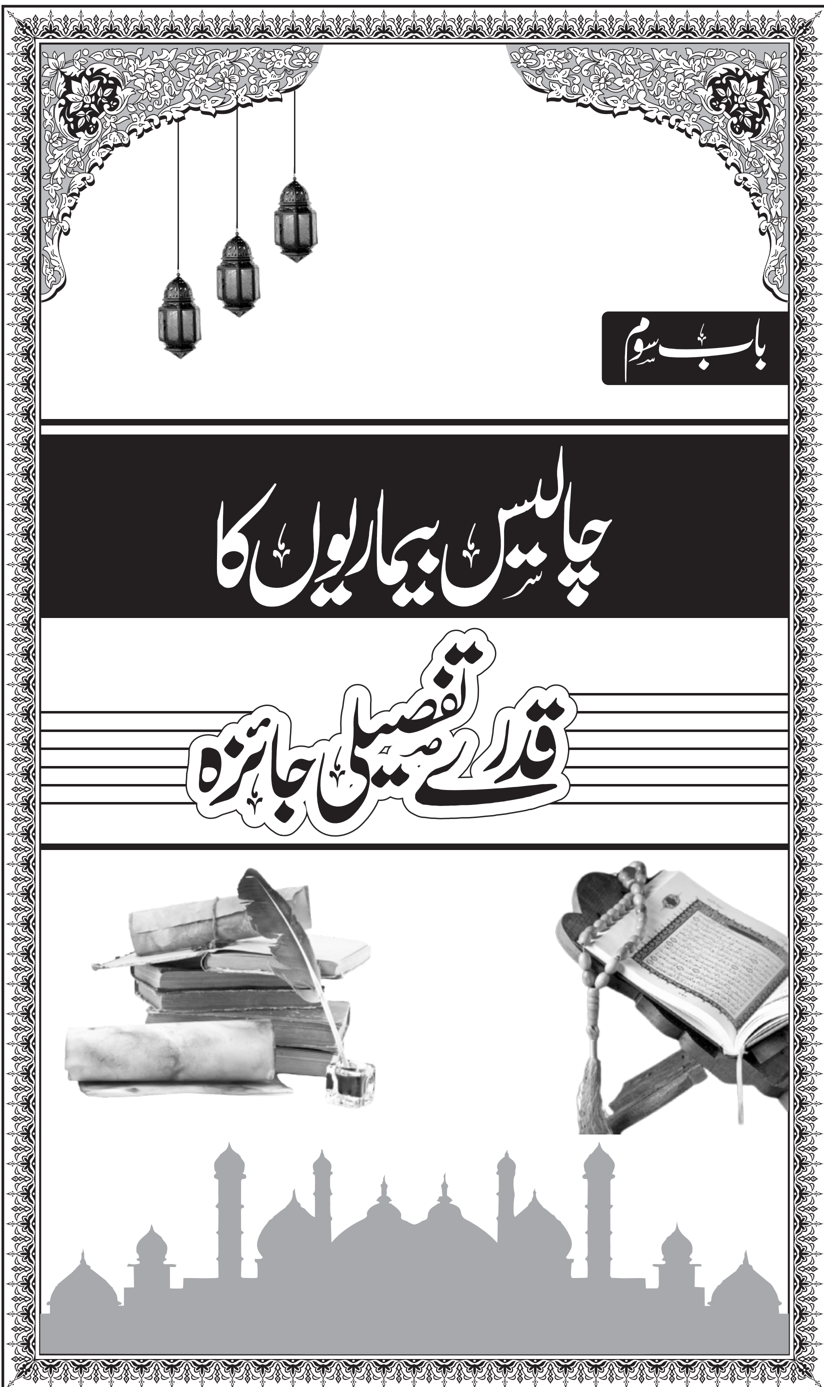
(۳۷) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قتل

(۳۸) نفاق

(۳۹) کفر

(۴۰) شرک





باب سوم

چالیس بیماریوں کا

قدرے تفصیلی جائزہ

بابِ سوم

چالیس بیماریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ

گلا اور معدہ خواہ کسی کا بھی ہو چھری کا کام کاٹنا اور مہلک زہر کا کام مارنا ہے۔ وہ ''چالیس بیماریاں'' جن کا تذکرہ قرآن مجید نے کیا ہے اور یہودیوں میں ان کی موجودگی کا پتہ بتایا ہے مہلک زہر کی چالیس اقسام ہیں۔ یہ زہر یہودیوں نے کھایا اور خوب کھایا چنانچہ وہ تباہ و برباد ہو گئے اور اب تک ذلیل ورسوا اور دوسروں کے محتاج ہیں۔ اور اس زہر نے یہودیوں پر ایمانی اور اخلاقی اعتبار سے موت طاری کر دی اور وہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اخلاق سے بھی، ان کی آخرت بھی تباہ ہوئی اور دنیا بھی۔ اب یہی زہر وہ دوسروں میں بانٹ رہے ہیں، تاکہ اپنے جہنم کے رفقاء کی تعداد بڑھا سکیں اور دُنیا کو کفر و فساد سے بھر سکیں۔ اس باب میں ہم یہودیوں کی ان چالیس بیماریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں گے۔ اس جائزے کی ترتیب یوں ہوگی کہ سب سے پہلے ہم قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ ان چالیس بیماریوں میں سے ہر بیماری پوری قوت کے ساتھ یہودیوں میں موجود تھی اور موجود ہے۔ قرآن مجید کی شہادت سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہر مسلمان قرآن مجید کی صداقت پر مکمل ایمان رکھتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے منصف محقق بھی قرآن مجید کو سچی کتاب مانتے ہیں، مگر ضد اور عناد کی وجہ سے اس پر ایمان لانے کا اعلان نہیں کرتے۔ دوسرے نمبر پر ہم ان یہودی بیماریوں کے برعکس قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ''اسلامی دعوت'' پیش کریں گے، جس پر عمل کرنا ان بیماریوں کا علاج اور سدباب ہے۔ اور بعض مقامات پر ہم یہودی اکابرین اور اسلام کے اکابرین کا موازنہ بھی پیش کریں گے، جو مسلمانوں کو

ان کا تابناک اور قابلِ رشک ماضی یاد دلانے میں ممد ہوگا۔اور آخر میں ہم ''عبرت وموعظت'' کے عنوان سے اس بات کا جائزہ لیں گے کہ یہ یہودی بیماریاں کہیں مسلمانوں میں تو نہیں پھیل رہیں۔قرآن مجید نے یہودیوں کو مسلمانوں کا سب سے بدترین اور سخت دشمن قرار دیا ہے اور اس طرح کا دشمن ہمیشہ خفیہ وار کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان بیماریوں کی تفاصیل کو اچھی طرح پڑھیں اور پھر اپنے اندر جھانک کر دیکھیں، اور اپنی روح، اپنے عقیدے، اپنی نیت اور اپنے اعمال کو خوب اچھی طرح کھنگالیں، اور اگر خدانخواستہ کہیں بھی یہودیت کا ادنیٰ سا اثر نظر آئے تو اسے مٹانے، اسے ہٹانے اور اس سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔



یہودیوں کی پہلی بیماری

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز

یہود کی دیگر بیماریوں مثلاً کفر، شرک اور قتل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں یہ بیماری بظاہر بہت چھوٹی اور ادنیٰ معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی بیماری ان کی دیگر بیماریوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کر کر کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ان دلوں میں خیر کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی انسان کی انسانیت ہے۔ چنانچہ جس انسان میں یہ خوبی نہیں ہے وہ اگرچہ شکل و صورت کے اعتبار سے انسان نظر آتا ہو، لیکن حقیقت میں وہ انسانیت کے جوہر سے محروم اور جانوروں سے بدتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی ایک بندے کی شان ہے اور یہی بنی آدم کا امتحان ہے۔ یہودی یہ شان حاصل کرنے میں اور اس امتحان میں پورا اُترنے میں بری طرح ناکام رہے۔ کیونکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں تھی۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے خالی تھے۔ یہودی خود غرض اور نفس پرست تھے اور آخرت کو بھلا چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو ہمیشہ ٹھکرا دیا جو خود ان کے فائدے کے لیے اُترے تھے اور انہوں نے رسولوں کی درد بھری دعوت پر کان نہیں دھرے، حالانکہ اس دعوت کو قبول کرنے ہی میں ان کے لیے دُنیا و آخرت کی سعادتیں چھپی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اطاعت کی بجائے نافرمانی اور آزادی کو فخر سمجھا، جو کہ کسی بھی انسان کے لیے فخر نہیں بلکہ ایک بڑا عیب اور عار ہے۔ قرآنِ مجید نے یہودیوں کے عصیان اور نافرمانی کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے، چند آیات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَ الۡمَسۡکَنَةُ ۚ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ کَانُوۡا يَکۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ○

”اور ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (بے نوائی) ان پر مسلط کر دی گئی، اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو گئے، یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔“ ؎۱

یعنی نافرمانی اور حدود سے تجاوز کی وجہ سے کفر اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قتل میں مبتلاء ہوئے اور کفر اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی پاداش میں ان پر ذلت، مسکنت اور اللہ تعالیٰ کا غضب مسلط ہو گیا۔

(۲) وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ○

”اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔“ ؎۲

حکم ملا تھا کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہیں کرنا مگر انہوں نے اللہ رازق کے اس حکم کو اپنی روزی میں ترقی کے خلاف سمجھا اور حیلے بہانے کر کے ہفتے کے دن شکار کرنے لگے، چنانچہ ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔ آج کے یہودی اپنے بڑوں کے اس عبرتناک انجام سے بخوبی واقف ہیں، مگر پھر بھی انہوں نے خود کوئی عبرت نہیں لی اور آج تک حرام کھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلا رہے ہیں، بلکہ حرام لین دین کی نحوست میں پوری دنیا کو جکڑ رہے ہیں۔ تورات کو تو انہوں نے بدل ہی ڈالا، اب اس بدلی ہوئی تورات پر بھی ان سے عمل نہیں بن پاتا۔

(۳) وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَکُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰکُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا ○

”اور جب ہم نے تم لوگوں سے عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور (تمہیں جو حکم ہوتا ہے اسے) سنو تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے سن لیا لیکن مانتے نہیں۔“ ؎۳

بنی اسرائیل فرعون کی بدترین غلامی کا شکار تھے اور دن رات فرعونیوں کے اشاروں پر ناچتے

؎۱ [البقرہ:۶۱] ؎۲ [البقرہ:۶۵] ؎۳ [البقرہ:۹۳]

اور ذلت ناک خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور انہیں آزادی ملی۔ آزادی کے بعد انہوں نے شریعت مانگی تو ''تورات'' جیسی عظیم الشان کتاب ملی، تب انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ چونکہ ان کی ذہنیت غلاموں جیسی ہو چکی تھی کہ بغیر شدت اور ڈنڈے کے کچھ نہیں ماننا اس لیے ان پر کوہ طور کو لا کھڑا کیا گیا اور چاروں طرف آگ جلا دی گئی، یہ حالات دیکھ کر انہوں نے اطاعت کا وعدہ کر لیا، مگر جیسے ہی پہاڑ ان کے سر سے ٹلا تو انہوں نے ''عَصَيْنَا''، یعنی ''ہم نے تو نافرمانی کا عزم کر رکھا ہے'' کا نعرہ بلند کر دیا۔ کیسی بدقسمتی کی بات ہے کہ جو لوگ انہیں ذلت میں ڈالتے رہے ان کی یہ رات دن مانتے رہے، اور جب کامیابی اور عزت کا راستہ ملا اور اس پر چلنے کی تاکید خود اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تب یہ اکڑ گئے اور انکار کرنے لگے۔ بدقسمتی کی یہ صورت حال آج تک جاری ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات تو نہیں مانتے، البتہ ہر دور میں کسی نہ کسی قوم یا فرد کے تلوے چاٹتے رہتے ہیں۔

(۴) وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓــٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○

''اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھاؤ اور (جب شہر میں داخل ہونا) ''حِطَّةٌ'' (یعنی توبہ توبہ) کہنا اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا، ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ مگر جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔''[۱]

پہلے انہیں شہر میں داخلے کے لیے جہاد کا حکم ملا تو نافرمانی کی اور لڑنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس کی سزا کے طور پر چالیس سال تک ''وادیٔ تیہ'' میں بھٹکتے رہے۔ پھر شہر میں

[۱] [الاعراف: ۱۶۱، ۱۶۲]

داخلے کی اجازت ملی، مگر شرط یہ رکھی گئی کہ ''جھک کر'' اور ''حِطَّةٌ'' کہتے ہوئے یعنی استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اس پر ان کی نافرمانی والی رگ پھر پھڑک اٹھی، اور وہ جھک کر چلنے کی بجائے سرینوں پر گھسٹ کر اور زبان سے ''حِطَّةٌ'' کی بجائے ''حِنْطَةٌ'' یعنی ''گندم، گندم'' کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کھلم کھلا نافرمانی پر طاعون کے مرض نے انہیں آ گھیرا اور اس میں ان کے ستر ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ کس قدر بدقسمتی کی بات ہے کہ ایک گناہ بے لذت اور معصیت برائے شرارت کی وجہ سے اتنی بربادی جھیلی، جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مان لیتے تو مغفرت اور طرح طرح کی نعمتیں پاتے۔ لیکن جب دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان میں خیر کی رمق باقی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ کے آسان سے آسان حکم پر عمل کرنا مشکل اور شیطان کے مشکل سے مشکل حکم کو ماننا نفس کو مرغوب ہو جاتا ہے۔ یہود آج بھی اس طرح کے بے لذت گناہوں میں مبتلاء ہیں اور انہوں نے ان گناہوں کو دور، دور تک پھیلا دیا ہے۔

﴿۵﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

''اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گر پڑے گا تو (ہم نے کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ۔'' [1]

مزہ تو یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، تبھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی محبت اور رحمت نصیب ہوتی ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ دل سے نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔'' [2]

یہودیوں کو اس کی توفیق نہیں تھی، مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات دیکھئے کہ زبردستی ان پر خیر کو لادا گیا اور انہیں بھلائی کے رستے پر چلنے کے لیے مجبور کرنے کی خاطر پہاڑ کو اپنی جگہ سے

[1] [الاعراف: ۱۷۱] [2] [آل عمران: ۱۴۸]

اکھاڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا گیا، مگر نافرمانی ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھی، چنانچہ پہاڑ کے ہٹتے ہی وہ علانیہ نافرمانی پر اتر آئے۔

﴿٦﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○	”یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔“[1]

یہودیوں کے مشہور اور طاقتور قبیلے بنونضیر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی اس ذلت اور شکست کا سبب بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور نافرمانی کی وجہ سے وہ نہ دنیا کے رہے نہ آخرت کے، نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس کی بجائے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات مان لیتے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر لیتے تو انہیں آخرت میں کامیابی اور دنیا میں حکومت و ریاست سبھی کچھ مل جاتا، مگر ان کے دل ٹیڑھے ہو چکے تھے۔ ایک آسان کام جس میں ان کے لیے فلاح ہی فلاح تھی ان کو مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا تھا۔

﴿٧﴾ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ○	”پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور (زیادہ) ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“[2]

”بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ ہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے۔“[3]

یہودیوں نے اونچے اونچے دعوے کیے، مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ان کا ہر دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اور وہ ان تمام کامیابیوں اور بھلائیوں سے محروم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی

[1] [الحشر:۴] [2] [الصف:۵] [3] [تفسیر عثمانی۔ ج:۳، ص:۶۸۳، ط: دار الاشاعت، کراچی]

پیروی کرنے سے انہیں نصیب ہوتیں۔اسی صورت حال کے مدنظر قرآن مجید نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا بار بار حکم دیا اور انہیں یہ بات باور کرائی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بغیر ان کا دعویٰ ایمان قابل قبول نہیں ہوسکتا اور نہ وہ اس کے بغیر دنیا کے امتحانات اور آخرت کی آزمائشوں میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

پھر قرآن مجید نے مسلمانوں کو یہ بھی سکھلایا کہ محبت کے بغیر اطاعت اور اطاعت کے بغیر محبت نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی مقبول۔ چنانچہ قرآن مجید کی آفاقی آیات نے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی اور اس محبت کی حفاظت اور اس محبت کی کامیابی کا طریقہ اطاعت کو قرار دیا۔آئیے! چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارا مہربان رب ہمیں کس قدر تاکید کے ساتھ اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم فرما رہا ہے۔حالانکہ وہ ہماری اطاعت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہم اس کی اطاعت کرنے کے محتاج ہیں۔

اسلامی دعوت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝

”(اے پیغمبر) آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم مانو، اگر نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔“[۱]

[۱] [آل عمران: ۳۱،۳۲]

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کرنا کفر ہے اور اس کفر کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں، بہت عجیب ہے۔ یہود و نصاریٰ نافرمانی کا کفر بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ محبوب ہونے کے دعوے بھی۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ میں ان پر رد فرمایا گیا ہے اور مسلمانوں کو محبت الٰہی کے حقیقی راستے یعنی ''اطاعت'' کی تلقین فرمائی گئی ہے، کیونکہ مسلمان تو کہتے ہی اسے ہیں جو فرمانبردار ہو، اللہ تعالیٰ کا بھی اور اس کے رسول ﷺ کا بھی۔

۲ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

''اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہونے کے لیے شرط ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی کچھ نافرمانی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت اُٹھ گئی۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرکے اس آیت میں یہ سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کی امید تبھی کی جا سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے۔

۳ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○

''یہ (تمام احکام) اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو رسواکن عذاب ہوگا۔''[2]

ان آیات سے قبل میراث، وصیت اور یتیموں کے حقوق کے بارے میں احکامات بیان فرمائے گئے، اور پھر ان آیات میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر اخروی کامیابی چاہتے ہو تو

[1] [آل عمران: ۱۳۲] [2] [النساء: ۱۳، ۱۴]

اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ احکامات پر عمل کرو۔ یعنی زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کریں۔ خواہ ان احکامات کا تعلق میراث اور وصیت سے ہو یا یتیموں کے حقوق سے یا مسلمانوں کی اجتماعی یا انفرادی زندگی کے کسی اور شعبے سے۔ اور ان تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا آگ میں جلنا ہے۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔ اور آج یہ آگ ہر طرف بھڑکتی نظر آ رہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو چکی ہے۔ خصوصاً عائلی معاملات میں تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی جاتی۔

۴ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اور اپنے حکام کی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) (کے حکم) کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو، یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔“[1]

حقیقت میں تو حکم اور اطاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی لازم ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾[2]

لیکن اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تشریح و تفصیل کا کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذمہ ہے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال و افعال بھی حقیقت میں حکم الٰہی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ پھر ان احکامات کو نافذ کرنے کا کام اسلامی حکمرانوں کے سپرد ہے، اور ان میں غیر منصوص احکامات کی قرآن و سنت کی روشنی میں تخریج علماء مجتہدین کا کام ہے۔ چنانچہ ”اولوا الامر“ یعنی حکام اور علماء مجتہدین کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا۔

[1] [النساء:۵۹] [2] [سورۃ یوسف:۴۰]

یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہی کی اطاعت ہے، لیکن اس آخری قسم یعنی ''اولوا الامر'' کی اطاعت کے لیے شرط یہ ہے کہ ان کا حکم یا ان کی تخریج اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اَلسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ حَقٌّ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَ لَا طَاعَةَ۔

''امام کی بات سننا اور ماننا ہر شخص پر ضروری ہے، جب تک کہ کسی گناہ کی بات کا حکم نہ دیا جائے، پھر اگر کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ضروری ہے نہ ماننا۔'' [1]

اس لیے فقہ کی کتابوں میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص خواہ وہ حاکم ہی کیوں نہ ہو کسی مسلمان حجام سے کہے کہ میری ڈاڑھی مونڈ دو یا اس میں غیر شرعی تراش خراش کر دو تو حجام کے لیے اس کا حکم ماننا حرام ہے۔

یہاں پر یہ بات ذہن میں ہونی چاہیئے کہ اُمت مسلمہ کے معتبر اور مقبول فقہاء اسلاف کی تخریجات کے بارے میں بلا دلیل یہ فیصلہ کر دینا کہ ان کی مرتب کردہ فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے ہرگز درست نہیں ہے، بلکہ یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ہے کہ امت کا آخری طبقہ پہلوں کو برا بھلا کہنے لگ جائے گا، جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

⑤ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ	''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔'' [2]

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۹۵۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت] [2] [النساء: ۶۴]

٦ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ○	”جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“[1]

ان دونوں آیاتِ مبارکہ کی تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمانِ گرامی سے بخوبی ہو جاتی ہے:

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى، قَالُوْا: وَ مَنْ يَّأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى۔

”میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا، پوچھا گیا کہ انکار کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا:” جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔“[2]

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ! اِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنِيْ وَ اِنِّيْ اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ، فَاَطَاعَهٗ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَاَدْلَجُوْا وَ انْطَلَقُوْا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِيْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِيْ وَ كَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ۔

”میری اور اس دین کی مثال جس کو دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس آدمی جیسی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور کہا: اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کا) لشکر دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، تم اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔ بس قوم میں سے ایک

[1] [النساء:٨٠] [2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ٧٢٨٠، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

جماعت نے اس کی بات مان لی اور اندھیرے ہی میں نکل گئی اور اپنے بچاؤ کی جگہ پہنچ گئی، جبکہ ایک جماعت نے اسے جھٹلا دیا اور وہ اپنی جگہ پر ہی رہی، بس صبح ہوتے ہی دشمن نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کو ہلاک و برباد کر دیا۔ پس یہی مثال میری اتباع کرنے والوں کی اور میرے دین کو جھٹلانے والوں کی ہے۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک زمانے سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کے لیے ہوئی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت ہی اب کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ أَحَدٌ مِنْ ھٰذِہِ الْأُمَّۃِ یَھُوْدِیٌّ، وَلَا نَصْرَانِیٌّ، ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ أُرْسِلْتُ بِہٖ إِلَّا کَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جو شخص بھی، خواہ وہ نصرانی ہو یا یہودی، جو بھی میری نبوت کی خبر پائے اور پھر میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ یقیناً جہنمی ہے۔" [2]

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿۷﴾ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۠

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے۔" [3]

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷۲۸۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۱۵۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت] [3] [النساء: ۱۱۵]

اس آیت میں اُمت مسلمہ کی کامیابی اور وحدت کے لیے ’’دو نسخے‘‘ بتائے گئے ہیں: ایک ’’اطاعت رسول‘‘ اور دوسرا ’’اجماع امت کا احترام‘‘ اور ان دونوں سے محرومی کو ابدی محرومی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

(۸) وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ؈

’’اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا یعنی انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔‘‘ [1]

اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں حضرات مفسرین نے جو سچے واقعات لکھے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی والہانہ محبت اور شیفتگی کا اظہار کرنے کے بعد اس پر اپنی تشویش ظاہر فرمائی کہ دنیا میں تو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب اور محبت نصیب ہے، لیکن آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مقامات تک ہماری رسائی نہیں ہو سکے گی اور یوں ہم وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور محبت سے محروم رہیں گے۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور قیامت تک کے اطاعت گزاروں کو یہ خوشخبری سنا دی گئی کہ انہیں جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیقین، شہداء اور صالحین کی زیارت اور ملاقات نصیب ہوگی۔ بس اس سے بڑھ کر اطاعت گزاری کا اور کیا انعام ہو سکتا ہے؟

(۹) وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ احۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ؈

’’اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو، اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔‘‘ [2]

[1] [النساء:۶۹]   [2] [مائدہ:۹۲]

اس آیت مبارکہ سے پہلے حلال وحرام کے بعض احکامات، قسم کے کفارے، اور اپنی اچھی قسموں کی حفاظت کی تاکید نیز شراب، جوئے، بت پرستی اور تیروں کے ذریعے فال نکالنے کی حرمت کا بیان ہے۔ ان تمام معاشی اور معاشرتی احکامات کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی تاکید فرمائی جارہی ہے، کیونکہ اطاعت کا جذبہ ہوگا تو ان احکامات پر عمل کرنا ممکن اور آسان ہوگا، لیکن اگر اطاعت کا جذبہ نہیں ہوگا تو انسان اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ معیشت کی بجائے کافروں کی سودی اور حرام معیشت کو اختیار کرے گا اور شراب، جوئے وغیرہ خرابیوں سے بھی نہیں بچے گا اور یوں اس کی دنیا تباہ اور آخرت ویران ہو جائے گی، اس لیے کسی بات کی حکمت یا نفع نقصان سمجھ آئے یا نہ آئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

(١٠) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

”(مجاہد حضرات) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مال ہے، بس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان والے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اطاعت کرو۔“[1]

یعنی فتح کی خوشی ہو یا شکست کا غم، غربت اور فقر و فاقے کی دھول ہو یا مال غنیمت کے ڈھیر، مؤمن کا کام بس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت ہے۔ بھلا وہ شخص کیسے مؤمن ہوسکتا ہے جو خوشی اور غم کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہی حال یہودیوں کا تھا اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جن میں یہودیت کے اثرات داخل ہوتے جارہے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا

[1] [انفال:١]

﴿۱۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (اللہ تعالیٰ کا حکم) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے۔“ [1]

”اس سے پہلے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے، جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت کے مستحق ہوں؟ سو بتلا دیا کہ ایک مؤمن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا فرمانبردار ہو۔ احوال وحوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا تو قولاً وفعلاً کسی حال میں ان سے منہ نہ پھیرے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو صرف زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں یا سمجھ کر قبول نہ کرے؟ پہلے یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا:

”سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا۔ ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں“

مشرکین کا قول آگے آتا ہے ”﴿قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ﴾ یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اسی طرح منکر رہے۔ بہرحال مؤمن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین ومنافقین کی طرح نہ ہونی چاہیے۔ اس کی شان یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، عمل سے، حاضر وغائب، احکام الٰہیہ اور فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔“ [2]

---

[1] [الانفال: ۲۰، ۲۱]   [2] [تفسیر عثمانی۔ ج: ۱، ص: ۸۰۹، ط: دارالاشاعت، کراچی]

(۱۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا جس وقت وہ بلائیں تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے روبرو جمع کیے جاؤ گے۔"[1]

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے لیے چند نصائح ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات پر عمل کرنے ہی میں بھلائی اور زندگی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت ہی میں دنیا میں عزت کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں اطاعت کی برکت سے کفر اور معصیت کو نہیں آنے دیتا، اور کافر کے دل میں نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے ایمان و طاعت کو نہیں آنے دیتا۔ بس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ فرمانبرداری بڑی نافع چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ نافرمانی بڑی مضر چیز ہے۔[2]

(۳) جب بھی کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادے کے درمیان قضاء الٰہی حائل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔[3]

(۱۳) وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○

"اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[4]

[1] [انفال:۲۴] [2] [ملخص از بیان القرآن ص:۳۷۶، ط: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان]
[3] [معارف القرآن، ج:۴، ص:۲۰۹، ط: مکتبہ معارف القرآن، کراچی] [4] [انفال:۴۶]

﴿۱۴﴾ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

''اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''[1]

پچھلی آیات میں منافقین کی عادتوں کا بیان تھا، وہ عادتیں جن کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔ اس آیت میں ایمان والوں کی صفات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ بس جن میں یہ صفات ہوں گی وہی سچے مؤمن ہوں گے اور وہی رحمت الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

﴿۱۵﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

''مؤمنوں کی تو بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کر دیں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے بس وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''[2]

یعنی سچے مؤمن کی شان ہی یہی ہے کہ جب بھی اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اپنی رائے، اپنی خواہش اور اپنا مؤقف سب کچھ چھوڑ دیتا ہے اور فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں ''فوز'' یعنی دین و دُنیا کی کامیابی کے لیے چار چیزوں کو بیان کیا گیا ہے:

۱	اللہ تعالیٰ کی اطاعت	۲	رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت
۳	خشیت	۴	تقویٰ

[1] [التوبہ:۷۱] [2] [النور:۵۱،۵۲]

روایات میں ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دھقانی آدمی بالکل آپ کے برابر آ کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا اَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا میں اللہ تعالیٰ کے لیے مسلمان ہوگیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا: ہاں بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے: تو اس رومی دھقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی عجیب وغریب تفسیر بھی اس طرح بیان کی۔ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے۔ وَرَسُوْلَهٗ سنّت نبوی کے متعلق ہے۔ وَيَخْشَ اللّٰهَ گزشتہ عمر کے متعلق ہے۔ وَيَتَّقْهِ آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان ان چاروں چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانہ ملے۔[1]

﴿۱۶﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی فرمانبرداری کرو پھر اگر منہ موڑو گے تو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمے ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پالو گے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذمے تو صاف صاف (احکام الٰہی) کو پہنچا دینا ہے۔[2]

اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کو زمین پر حکومت دینے کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کامل فرمانبردار ہیں اور انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ وہ زمین پر حکومت

[1] [قرطبی بحوالہ معارف القرآن: ص:۴۳۷، ج:۶] [2] [النور:۵۴]

پا کر اللہ تعالیٰ کے دین کی تنفیذ کریں گے اس کے بعد والی آیت میں پھر تمام انسانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔

(۱۷) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

”تو جو لوگ ان (یعنی اللہ تعالیٰ یا رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔“[۱]

فتنہ سے مراد ”کفر ونفاق“ کا فتنہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے خطرہ ہے کہ ان کے دلوں میں کفر ونفاق نہ پیدا ہو جائے۔ بعض مفسرین حضرات کے نزدیک فتنہ سے مراد ”دنیاوی آفات و آزمائشیں“ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی نافرمانی کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی دنیاوی آفت نہ آجائے یا آخرت کے تکلیف دہ عذاب میں مبتلاء نہ ہو جائیں۔ اس آیت سے یہ بات صراحت سے معلوم ہو گئی کہ کفر اور نفاق جیسی خطرناک بیماریوں کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی ہے۔

(۱۸) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○

”اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوئی امر مقدر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“[۲]

(۱۹) وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی کامیابی پالے گا۔“[۳]

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کو ”ضَلٰلًا مُّبِيْنًا“ یعنی ”صریح گمراہی“ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہی نافرمانی بے شمار روحانی امراض یہاں تک کہ کفر و شرک

---

[۱] [النور:۶۳]   [۲] [الاحزاب:۳۶]   [۳] [احزاب:۷۱]

کا سبب بن جاتی ہے۔ جب کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کو ''فوزِ عظیم'' یعنی ''عظیم کامیابی'' قرار دیا گیا۔ بے شک جو شخص اپنے نفس کو سدھار لے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی فرمانبرداری کے لیے آمادہ کر لے وہ بے شمار دنیاوی اور اخروی ہلاکتوں سے بچ جاتا ہے اور حقیقی کامیابی کے راستے کو پالیتا ہے۔

﴿۲۰﴾ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝	''بس جو چیز تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' [1]

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''حکم رسول'' بھی اگر ثابت ہو جائے تو وہ قرآن مجید کے حکم کی طرح ''واجب التعمیل'' ہے۔

اس موضوع پر آیات تو اور بھی ہیں، مگر ہم انہی آیات کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ان آیات مبارکہ کو پڑھنے والا ہر شخص یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت ہی ایمان اور کامیابی کی بنیاد ہے۔ یہودیوں نے اس بنیاد کو کھو دیا تو ایمان سمیت ساری بھلائیاں وہ کھوتے چلے گئے۔ چنانچہ قرآن مجید نے نہایت تاکید کے ساتھ اس بنیاد کو مضبوط پکڑنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔ چونکہ یہ اہم ترین اور بنیادی موضوع ہے اس لیے قرآن مجید کی کئی آیات کے علاوہ بہت ساری احادیث میں بھی اس کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ اسلام کے عظیم مفکر حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کی ترغیب دینے والی بیسیوں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ پر غور فرمایا اور قرآن وسنت کے ان خزینوں سے وہ چالیس ثمرات تلاش فرمائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کرنے والوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ آئیے! ان چالیس ثمرات وفوائد کو پڑھتے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی اور اپنے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی کامل اطاعت اور اس کے تمام ثمرات وفوائد نصیب ہو جائیں۔

[1] [الحشر: ۷]

اللہ جل جلالہ کے فرمانبرداروں کیلئے چالیس انعامات

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''پھر میں نے غور کیا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کو لازم سمجھتا ہے اور عمر بھر اسی راستے پر چلتا رہتا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ اسے عطاء فرماتے ہیں وہ چالیس کرامتیں اور خلعتیں ہیں۔ بیس تو ان میں سے دُنیا میں ہیں اور بیس آخرت میں۔

دُنیا کی بیس کرامتیں یہ ہیں

① اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں...... اور کتنا معزز ہے وہ بندہ جس کی تعریف کر کے اللہ تعالیٰ اس پر احسان کریں۔

② اللہ تعالیٰ اس کی شکر گزاری فرماتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں...... اور اگر کوئی تیرے جیسی عاجز مخلوق تیرا شکریہ اداء کرے اور تیری تعظیم کرے تو تو اس کو کافی عزت سمجھتا ہے، پھر اگر پہلوں اور پچھلوں کا معبود ایسا کرے تو اس کا اندازہ کرو۔

③ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتے ہیں...... اگر تیرے محلے کے رئیس یا شہر کے حاکم کو تجھ سے محبت ہو تو تو اس پر فخر کرے گا اور کئی مقامات پر اس سے فائدہ اٹھائے گا پھر سوچ کہ ربّ العالمین کی محبت کیسی ہوگی؟

④ اللہ تعالیٰ اس کے کارساز ہو جاتے ہیں اور اس کے امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ اس کے رزق کے کفیل ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے رزق کو اس

کی طرف لاتے رہتے ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ اس کے مددگار بن جاتے ہیں اور اس کے ہر دشمن اور ہر بدخواہ کو اس سے روکتے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ اس کے انیس ہو جاتے ہیں اور وہ کسی حال میں بھی وحشت (یا تنہائی) محسوس نہیں کرتا اور نہ تبدل و تغیر کا اسے خوف ہوتا ہے۔

(۸) نفس کی عزت اسے نصیب ہوتی ہے اور اسے دنیا اور دنیا والوں کی خدمت کی ذلت نہیں پہنچتی، بلکہ وہ اس پر بھی رضامند نہیں ہوتا کہ دنیا کے بادشاہ اور جابر لوگ اس کی خدمت کریں۔

(۹) ہمت کی بلندی اسے نصیب ہوتی ہے اور وہ دنیا اور دنیا والوں کی گندگی میں آلودگی سے بلند ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے کھیل تماشے اور خرافات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

(۱۰) اسے دل کا غنا نصیب ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے ہر غنی سے زیادہ غنی ہوتا ہے۔ ہمیشہ پاکیزہ نفس اور فراخ سینہ رہتا ہے۔ اسے کوئی حادثہ گھبراہٹ میں نہیں لاتا اور نہ کسی چیز کے گم ہونے کی اسے فکر ہوتی ہے۔

(۱۱) دل کا نور اسے نصیب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دل کے نور کے ساتھ ان علوم اور اسرار اور حکمتوں پر مطلع ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کی اطلاع بڑی مدت اور بڑی کوشش کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۱۲) اسے شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے کہ دنیا کے مصائب اور تکالیف اور لوگوں کی عیاریوں اور مکاریوں سے دل تنگ نہیں ہوتا۔

(۱۳) اس کی ہیبت اور رعب لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے کہ سب نیک و بد اس کا احترام کرتے ہیں اور ہر فرعون و جابر اس سے خوف کھاتا ہے۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ اس کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دیتے ہیں کہ تمام دل اس کی محبت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس کی تعظیم پر بے اختیار ہو جاتے ہیں۔

(۱۵) برکت عامہ اس کے کلام، نفس، افعال، کپڑوں، مکان غرض ہر چیز میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے پاؤں کے نیچے کی مٹی کو بھی متبرک سمجھتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جہاں وہ کسی دن بیٹھا ہو اور اس انسان کو بھی جس نے اسے دیکھا ہو یا اس کے ساتھ صحبت رکھی ہو۔

(۱۶) جنگلات، سمندر، غرض ساری زمین اس کے لیے مسخر کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی توفیق سے) ہوا میں اڑتا ہے، پانی پر چلتا ہے، یا ساری زمین کو ایک گھڑی میں طے کر لیتا ہے۔

(۱۷) حیوانات خواہ درندے ہوں یا وحشی یا حشرات الارض سب اس کے لیے مسخر کر دیئے جاتے ہیں، پھر وحشی جانور اس سے محبت رکھتے ہیں اور درندے اسے چاٹتے ہیں۔

(۱۸) اسے زمین کے خزانوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ایسی وجاہت اور عزت نصیب ہوتی ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی خدمت کر کے وسیلہ ڈھونڈتی ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کے جناب میں اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ وہ جو کچھ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطاء فرماتا ہے، اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول ہوتی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

یہ بیس تو دُنیا کے انعامات ہیں، جبکہ آخرت کے بیس انعامات یہ ہیں:

آخرت کے بیس انعامات

(۲۱) اللہ تعالیٰ اس پر سکرات الموت کو آسان فرما دیتے ہیں...... اور یہ وہ چیز ہے کہ جس سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دل بھی ڈرتے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے بھی سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سکرات الموت کو ان پر آسان کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں پر یہ سکرات اتنی آسان ہو جاتی ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک موت اس سے بھی زیادہ خوشگوار ہوتی

ہے جیسے پیاسے آدمی کو صاف پانی پینے کو مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ○	’’جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں۔‘‘[1]

(۲۲) ایمان اور معرفت پر ثابت قدمی...... اور یہ وہ چیز ہے جس کے زوال کا خوف اور گھبراہٹ بہت سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ○	’’اللہ تعالیٰ مؤمنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا)۔‘‘[2]

(۲۳) فرشتوں کی ملاقات، خوشبو، بشارت اور رضامندی کا حصول۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ	’’نہ خوف کرو، نہ غمگین ہو اور جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ۔‘‘[3]

نیز وہ آخرت کی آئندہ ہولناکیوں سے خوف نہیں کھاتا اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ گیا ہے اس کا اسے غم نہیں ہوتا۔

(۲۴) جنتوں میں ہمیشہ کی رہائش اور اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی۔

(۲۵) آسمان و زمین کے فرشتے اس کی روح کو عزت اور احترام سے اٹھاتے ہیں اور اس کے بدن کو ظاہر میں جنازے کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اور اس پر جنازہ کی نماز کے لیے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین میں لوگ جلدی کرتے ہیں اور اس کو بہت بڑا ثواب سمجھتے ہیں اور بہت بڑی غنیمت جانتے ہیں۔

(۲۶) اسے قبر کے سوال و جواب کے فتنہ سے امن نصیب ہو جاتا ہے۔ وہ قبر کی ہولناکی سے

[1] [النحل: ۳۲] [2] [ابراہیم: ۲۷] [3] [حم السجدہ: ۳۰]

محفوظ رہتا ہے اور اسے صحیح جواب القاء کیا جاتا ہے۔

(۲۷) اسے قبر کی فراخی اور روشنی نصیب ہوتی ہے۔ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں قیامت کے دن تک رہتا ہے۔

(۲۸) اس کی روح عزت پاتی ہے اور وہ سبز پرندوں کے جسم میں رکھ دی جاتی ہے۔ وہ اپنے نیک بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے اور جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بخشا ہے اس پر خوش رہتا ہے۔

(۲۹) اس کی میدان حشر میں حاضری عزت و کرامت کے ساتھ ہوگی، اس کو لباس فاخرہ اور تاج پہنایا جائے گا اور وہ براق پر سوار ہوگا۔

(۳۰) اس کا چہرہ منور اور روشن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○	”کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔“ [1]
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○	”کئی چہرے اس دن روشن، ہنستے ہوئے، خوش ہوں گے۔“ [2]

(۳۱) اسے قیامت کی ہولناکیوں سے امن نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ	”یا وہ شخص جو آئے گا قیامت کے دن امن کی حالت میں۔“ [3]

(۳۲) اسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جنہیں حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (مثلاً شہداء کرام یا سرحد پر پہرہ دیتے ہوئے انتقال کرنے والے مجاہدین کرام)۔

[1] [القیٰمۃ: ۲۲، ۲۳] [2] [عبس: ۳۸، ۳۹] [3] [حٰمٓ السجدہ: ۴۰]

(۳۳) حساب کی آسانی۔

(۳۴) ان کی نیکیوں کا وزن بڑھا دیا جائے گا اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو اعمال کے وزن کے لیے کھڑا نہیں کیا جائے گا (مثلاً مجاہدین اور شہداء کرام)۔

(۳۵) حوض کوثر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہونا۔ وہاں جو ایک بار پیے گا پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

(۳۶) پل صراط سے گزر جانا اور آگ سے نجات پا جانا، یہاں تک کہ بعض ان میں سے اس کی آواز تک نہیں سنیں گے اور وہ ایسی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جن کو وہ چاہیں گے اور ان کے لیے آگ بجھ جائے گی۔

(۳۷) قیامت کے میدان میں شفاعت کرنا جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کریں گے۔

(۳۸) جنت میں ہمیشہ کی بادشاہت کا نصیب ہونا۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رضامندی کا نصیب ہونا۔

(۴۰) اللہ رب العزت کی زیارت اور ملاقات کا نصیب ہونا۔" [۱]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ان چالیس انعامات کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ میں نے ان کو اپنے فہم اور اپنے مبلغ علم کے مطابق شمار کیا ہے، اگرچہ میرا علم نہایت ناقص اور قاصر ہے، اور پھر اس پر مزید یہ ہے کہ میں نے ان کو نہایت مختصر ذکر کیا ہے، اور ان کو اصولاً اور اجمالاً ذکر کیا ہے، اگر میں ان میں سے بعض کی تفصیل بیان کرتا تو یہ کتاب اس کی متحمل نہ ہو سکتی۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ میں نے ہمیشہ کی بادشاہت کو ایک ہی خلعت (ونعمت) شمار کیا ہے۔ اگر میں اس کو تفصیل سے بیان کرتا تو یہی چالیس خلعتوں سے زیادہ ہو جاتی جیسے حور کا نور اور محلات اور لباس وغیرہ کی تفصیل۔" [۲]

---

[۱] [منھاج العابدین۔ ص:۴۱۸، ط: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت]

[۲] [منھاج العابدین۔ ص:۴۲۴، ط: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت]

عطرِ کلام

یہ ہے کہ یہود نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کو اپنا شیوہ بنایا تو وہ چالیس خطرناک اور مہلک بیماریوں میں مبتلاء ہوئے اور آخرت کی ذلت اور عذاب اس کے علاوہ ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کو اپنائے گا اور اس میں کمال حاصل کرے گا، اسے وہ چالیس انعامات نصیب ہوں گے جن کا تذکرہ قرآن وسنت کی روشنی میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ یا اللہ! یا ارحم الراحمین! ہمیں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور وہ تمام انعامات عطاء فرما جس کا تو نے اور تیرے نبی نے وعدہ فرمایا ہے۔ آمین

عِبرت و مَوعظت

یہودیوں کے لیے ذلت، عبرت اور شرم کا مقام ہے کہ ان کے بڑوں نے اپنے نفس کی غلامی کی، بچھڑے کی پوجا کی، اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کی۔ قرآن مجید پڑھیے، تاریخ کا مطالعہ کیجیے، ماضی اور حال کو دیکھئے، یہودیوں نے ہر دور میں معصیت اور نافرمانی ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ہمیشہ ذلت اور ناکامی ان کا مقدر بنی رہی۔ یہودیوں میں اگر تھوڑی سی بھی شرم اور غیرت ہو تو وہ اپنی تاریخ کو پڑھنے کے بعد یہودی کہلانا بھی گوارا نہ کریں۔ مگر یہودی اور شرم وحیا، دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی جمع نہیں ہوتے اور اگر کبھی اتفاق سے جمع ہو جائیں تو پھر یہودی، یہودی نہیں رہتا بلکہ اسے اسلام کی توفیق مل جاتی ہے۔

بہر حال یہودیوں کا ماضی جتنا شرمناک ہے مسلمانوں کا ماضی اتنا ہی روشن اور تابناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کے لیے جن افراد کا انتخاب فرمایا یہ وہ عظیم لوگ تھے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے زیادہ پسند فرمایا اور پھر

اس نے ان دلوں میں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت کے جذبے کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں خود کو کھپایا، نہ ان سے پہلے اس کی مثال ملتی ہے نہ ان کے بعد۔ وہ حکم تو بڑی بات، ابرو کے اشارے پر جان قربان کرتے تھے، وہ وہی کھاتے تھے جس کا انہیں حکم ملتا تھا، وہ وہی پہنتے تھے جسے پہننے کا ان سے تقاضا کیا جاتا تھا، وہ وہی بولتے تھے اور ویسے ہی بولتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھا۔انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں نہ جان کی پروا کی نہ مال کی، نہ وطن ان کے راستے میں رکاوٹ بنا نہ ان کی سابقہ قومیت، نہ انہوں نے نفس کی پوجا کی نہ خواہشات کی، انہوں نے بیوی بچے بھی قربان کر ڈالے اور مکان و دکان بھی، انہوں نے اپنی خواہشات کو ذبح کر ڈالا اور اپنی رائے اور سوچ کو بھی، شریعت ان کی طبیعت بن چکی تھی، اسلامی احکامات ان کی زندگی کا دستور تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ان کی سب سے مرغوب غذا تھی۔آسمان سے جو حکم بھی اترتا تھا وہ فوراً ان کے دلوں میں، ان کے گھروں میں اور ان کے معاشرے میں یوں جاری ہو جاتا تھا کہ وہ اس حکم کی چلتی پھرتی مثال نظر آتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ارشاد فرماتے وہ ان سب کی آواز بن جاتی اور اللہ تعالیٰ کے نبی کا ہر فرمان ان کے دل و دماغ میں یوں رچ بس جاتا جیسے یہ خود ان کی اپنی سوچ ہو۔وہ اطاعتِ الٰہی کے راستے میں آگے بڑھے تو انہوں نے فرشتوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں آگے بڑھے تو ان چند افراد نے دنیا کے بیشتر حصے کو اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگ میں رنگ دیا۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی تو درکنار اس کا تصور بھی ان کے لیے زہر سے زیادہ کڑوا تھا۔اگر ان میں سے کسی کے مکان پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ناگواری سے پڑ جاتی تو بس اتنی سی بات پر وہ مکان زمین کے ساتھ ملا دیا جاتا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیتے تو پھر چند کھجوریں کھانے کا وقفہ بھی انہیں لمبا نظر آتا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب انہیں میدانوں میں نکلنے کا حکم

دیتے تو ٹانگوں اور آنکھوں سے معذور ہونے کے باوجود اور زخموں سے چور ہونے کے باوجود وہ دیوانہ وار نکل پڑتے۔ آسمانوں سے جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے بھی پھینک دیئے۔ اور شراب مدینہ کی نالیوں میں بہنے لگ گئی۔ انہوں نے سود کی حرمت کا سنا تو لاکھوں کروڑوں کے قرضے کھڑے کھڑے معاف کر دیئے۔ انہیں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی تو انہوں نے اپنے گھر میں سوئی رکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ جب انہیں فقر و فاقے کی فضیلت معلوم ہوئی تو پھر غذا کی بجائے پتھر ان کے پیٹ کے ساتھ بندھے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کی عورتوں کو حیا اور پردے کا حکم ملا تو انہوں نے ایسا عمل کیا کہ حورانِ بہشت کو بھی رشک آیا ہوگا۔ انہیں ایثار کا حکم ملا تو موت کی کڑواہٹ، رستے زخموں کا درد اور پیاس کی شدت بھی انہیں یہ حکم نہ بھلا سکی اور وہ یہ حکم پورا کرتے کرتے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت سمجھ میں آئی تو پھر اس کی فرمانبرداری میں انہوں نے بادشاہوں کے تاج وتخت اپنے قدموں تلے روند ڈالے اور پوری دنیا کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر لانے کے لیے انہوں نے جنگل دیکھے نہ صحرا، یہاں تک کہ سمندروں میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ بلاشبہ مسلمان اپنے ان اکابرین کی تاریخ پر فخر کر سکتے ہیں اور انہیں یہودیوں کی طرح اس بارے میں کسی شرمساری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا لیکن اگر ہم صرف اپنے بڑوں اور اپنے پہلوں کی اطاعت گزاری پر ہی فخر کرتے رہیں گے اور خود ان کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محکم اور ناطق کتاب قرآن مجید ہمیں بھی وہی کچھ کہہ دے گی جو اس نے ان یہودیوں کو کہا جو اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فخر کرتے تھے مگر ان کے راستے پر نہیں چلتے تھے۔ قرآن مجید نے ان سے صاف صاف فرما دیا:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ	”وہ کچھ لوگ تھے جو گزر چکے، انہیں ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال کا۔“[1]

[1] [البقرۃ: ۱۳۴]

نسبت اور تعلق بڑی چیز ہے، مگر یہ اس وقت کام آتا ہے جب اس نسبت کی لاج رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ اگر خالی نسبت سے کام چل جاتا تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ہمیشہ کی ناکامی و نامرادی میں مبتلاء نہ ہوتا۔ بس مسلمانوں کو بھی اس چیز کا حق ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنی نسبت اور تعلق پر خوشی منائیں اور دوسری قوموں مثلاً یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں اپنے تابناک ماضی پر اپنا سر بلند رکھیں، مگر صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ اپنا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا، اپنا عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدے جیسا، اپنا عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل جیسا، اپنی سوچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوچ جیسی، اپنا معاشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے جیسا، اور اپنی تہذیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تہذیب جیسی بنائیں۔ تب انہیں بھی وہی کچھ ملے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا، دنیا و آخرت کی بے مثال کامیابی اور حقیقی عزت۔ لیکن اگر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے کو چھوڑ کر یہودیوں کے راستے کو اختیار کیا، تو پھر انہیں بھی وہی کچھ ملے گا جو یہودیوں کو ملا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضی دنیا اور آخرت کا خسارہ اور ذلت ہی ذلت۔ آئیے! ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں، آئیے! سر اٹھا کر اپنے گرد و پیش میں مسلمانوں کے حالات دیکھیں، ہمیں عام رجحان کیا نظر آرہا ہے، فرمانبرداری کا یا نافرمانی کا؟ نیکی کا یا معصیت کا؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا یا نفس پرستی کا؟ یقیناً ہمیں ہر طرف عمومی منظر بہت دردناک نظر آرہا ہے۔

یہ کون لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قبروں پر جھکے ہوئے ہیں؟ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے یا یہودیوں کا؟ یہ کون لوگ ہیں جو حکومت کی کرسیوں پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو بھلا چکے ہیں اور کفر و نافرمانی، عیاشی اور فحاشی اور یہود و نصاریٰ کی دوستی ان کے انگ انگ میں گھسی ہوئی ہے؟ یہ کس کے راستے پر چل رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یا یہودیوں کے؟

یہ کون لوگ ہیں جو سود کھا رہے ہیں، شراب پی رہے ہیں؟ ان کے نام کے ساتھ محمد اور

اللہ تعالیٰ جیسے الفاظ لگے ہوئے ہیں، مگر وہ جوا کھیل رہے ہیں، بونڈ اور لاٹری کا کاروبار کر رہے ہیں، ناچ رہے ہیں، گانے گا رہے ہیں اور میوزک سن کر اپنے دل سیاہ کر رہے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ ماضی اور حال میں یہودیوں کا شیوہ نہیں تھا؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان گناہوں کا تصور بھی کرتے تھے؟ یہ کون لوگ ہیں جن کے گھروں میں قرآن مجید کے نسخے ہیں مگر ان کی چھتوں پر سادہ اور ڈش انٹینے اژدہوں کی طرح پھنکار رہے ہیں اور جن کے گھروں میں ٹی وی اور وی سی آر ہر برائی اور فحاشی کا زہر اگل رہے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ آخرت کی تیاری کے لیے ہے یا قبر میں یہ سب کچھ کام آئے گا؟ کیا یہودیوں کے یہ بھیجے ہوئے تحفے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے سے نہیں ہٹا رہے؟ کیا ٹی وی نے ہر طرف ''ٹی بی'' پھیلا کر ہمیں ہمارے تابناک ماضی سے کاٹ کر محض شہوت پرست جانور نہیں بنا دیا؟ کیا اسی ''ٹی بی'' کی وجہ سے آج گھروں میں پریشانی اور بے چینی کی آگ نہیں جل رہی؟

یہ کون لوگ ہیں جو مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں، ختنہ کراتے ہیں اور ترقی پسند شعراء کہلاتے ہیں؟ ان کے منہ سے شراب کی اور ان کے کلام سے کفر کی بو آتی ہے۔ وہ اپنی لفاظی کے زور پر ہمارے معاشرے کو یہودی معاشرہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ شراب کی بوتل کے عوض اپنا کلام اور اپنے جھوٹے افسانے بیچنے والے یہ لوگ مسلمانوں کو ان کے ماضی سے کاٹ رہے ہیں اور انہیں کفر کی غلامی پر ابھار رہے ہیں۔

یہ کون لوگ ہیں جو بازار میں جا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام بھول جاتے ہیں؟ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ جعلی چیزیں بنا کر لوگوں کی صحت سے کھیلتے ہیں اور سارا دن جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مقدر کی چند کوڑیاں کماتے ہیں۔ آخر یہ کن کے راستے پر چل رہے ہیں؟ یہ تجارت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تجارت ہے یا یہودیوں کی؟

یہ کون لوگ ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے؟ کیا جان بوجھ کر نماز چھوڑنا کفر نہیں ہے؟ کیا فرض عبادت میں سستی کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جو فلمیں بناتے ہیں، سینما چلاتے ہیں، جنہوں نے بڑے بڑے ڈانس کلب اور میوزک سینٹر کھول رکھے ہیں؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان کاموں سے وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں اور ہزاروں لوگوں کو نافرمانی اور معصیت میں مبتلاء کرنے کا گناہ بھی اٹھا رہے ہیں؟ کیا یہی یہودیوں کا طرزِ عمل نہیں تھا؟

یہ کون ہیں؟ غازے اور میک اَپ میں لپٹی ہوئی، عریاں کپڑے پہنی ہوئی مخلوق، جسے عورت کہنا لفظ عورت کی توہین ہے۔ یہ ستم زدہ عورتیں جو کل تک باپردہ تھیں مگر حرص، ہوس، لالچ اور شیطان پرستی نے انہیں بے آبرو کر دیا۔ وہ ایک ایک کو خوش کرتی ہیں مگر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ وہ یورپ کی تباہی زدہ عورتوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر ہانپ چکی ہیں اور اپنی آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی ویران کر چکی ہیں۔ کیا یہ اماں خدیجہ اور اماں عائشہ اور اماں فاطمہ رضی اللہ عنہن کی بیٹیاں ہیں؟ نہیں نہیں! ان عورتوں کا ایسے پاک ناموں سے کیا واسطہ؟ ممکن ہے کل تک یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیٹیاں ہوں، مگر آج تو یہودیت کا زہر ان کی رگوں میں اُتر رہا ہے۔

یہ کون ہیں جنہیں وہ شکل گوارا نہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے محسن اور حسن کے پیکر نبی نے اپنائی؟ جنہیں وہ لباس پسند نہیں جو شریفانہ کہلاتا ہو۔ جنہیں وہ تعلیم پسند نہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کے راستے معلوم ہوتے ہوں۔ جنہیں وہ قوانین پسند نہیں جو قرآن مجید نے بیان فرمائے۔ جنہیں وہ معیشت پسند نہیں جو اسلام نے مسلمانوں کو سکھائی۔ جنہیں وہ تہذیب پسند نہیں جو مدینہ منورہ میں اپنی عظمت کا ڈنکا بجا چکی ہے؟ یہ سب کون ہیں؟ ان کی سوچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والی ہے یا خدانخواستہ یہ بھی یہودیوں کے راستے پر چل پڑے ہیں؟

یہ کون لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، صرف قومیت اور علاقہ پرستی کے نعروں پر مر رہے ہیں؟ جو لسانی تعصبات پھیلا کر اسلام کے آفاقی نظام کو بھلا چکے ہیں۔ جو صرف علاقائی یا لسانی تفریق پر مسلمانوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے لیے

جان نہیں دیتے، مگر علاقہ پرستی اور لسانیت کے تعصب میں شمشیر بکف ہیں۔کیا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چل رہے ہیں؟

یہ کون لوگ ہیں جو لوگوں کو لوٹ رہے ہیں؟ چوریاں اور ڈاکے ڈال رہے ہیں، غیر شرعی تجارت کے ذریعے لوگوں کی جیبیں کاٹ رہے ہیں، غلط لیبل چپکا کر دھوکہ بازی کو عام کر رہے ہیں، چرس اور ہیروئن کی تجارت کر کے انسانیت کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔کاش! یہ سوچیں کہ انہوں نے کس کا راستہ اختیار کر لیا ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جو دین کے نام پر اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے نام پر چندے کرتے ہیں؟ مال جمع کرتے ہیں، مگر پھر ان اجتماعی اموال سے اپنے ذاتی مکانات اور کوٹھیاں بنواتے ہیں، گاڑیاں خریدتے ہیں اور لوگوں کو دین کے نام پر دھوکا دیتے ہیں۔کیا یہ یہودیوں کا طریقہ نہیں تھا؟

یہ کون لوگ ہیں جنہیں ''جہاد'' کا نام سنتے ہی بخار ہو جاتا ہے؟ جو نعوذ باللہ جہاد کو فساد کہتے ہیں۔جو کافر اور ملحد حکمرانوں سے امن کے ایوارڈ لینے کے لیے جہاد کی آیات میں تحریف کرتے ہیں، اور جہاد جیسے حکم الٰہی سے خود بھی منہ موڑتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ یہودیوں کی طرح بزدلی اور مصلحت پسندی نے ان کو اندھا کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے جان دینے کا جذبہ ان کے دلوں سے نکل چکا ہے۔کاش! یہ غور کریں کہ اسلام میں اس طرح کی یہودیت کی کہاں گنجائش ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جن کے ہاتھوں میں حکومت اور قانون کی باگ دوڑ ہے، مگر وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نافذ کرنے کی بجائے کافروں کے طریقے اور قوانین کو نافذ کر رہے ہیں؟

یہ شیطانی ساز اور باجے بجانے والے، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی ناپاک موسیقی سے توہین کرنے والے، ناچنے گانے اور قوالیاں کرنے والے کون ہیں؟

یہ کون لوگ ہیں جو رشوت لیتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کی مجالس سجاتے

ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، گناہوں کی دلالی کرتے ہیں، خیانت اور عہد شکنی میں ملوث ہیں؟

یہ کون ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں، مگر ان کے ہاتھ مسلمانوں کے خون ناحق سے رنگین ہیں، حرام خوری اور حرام کاری ان کا شیوہ بن چکی ہے؟

یہ کون لوگ ہیں جو اپنے مسلمان ممالک کی دولت کے انبار اٹھا کر امریکہ اور یورپ جاتے ہیں اور پھر مسلمانوں کا قیمتی سرمایہ نیلی آنکھوں اور گورے رخساروں پر لٹا دیتے ہیں، اور اپنا منہ اور دل کالا کر کے اپنے وطن لوٹتے ہیں؟

یہ نائٹ کلب، یہ مجرا خانے، یہ کوٹھے، یہ سینما، یہ سودی بینک، یہ تعلیم کے نام پر فحاشی کے اڈے، یہ سب کہاں ہیں؟

اللہ کی قسم سوچ کر بھی دل پھٹتا ہے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کے ملکوں اور علاقوں میں موجود ہے اور ہمارے حکمران اور جدید پڑھے لکھے ابھی یہ رونا رو رہے ہیں کہ ہم ان چیزوں میں یورپ سے پیچھے کیوں ہیں؟ لڑکیاں گھروں سے بھاگ رہی ہیں اور فلموں میں کام کی لالچ میں بے آبرو ہو رہی ہیں مگر یہودیوں کے ادارے یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ تو ترقی کا لازمی عنصر ہے۔ بعض لوگ اپنی ماں بیٹی کے ساتھ منہ کالا کر رہے ہیں مگر ترقی پسند کہہ رہے ہیں کہ دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔ بے لگام مصنّفین کے قلم قرآن وسنت کا مذاق اڑا رہے ہیں مگر جدیدیئے یہی درس دے رہے ہیں کہ آزادئ خیال کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔ خاندانی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں مگر جدت پسند یہی رونا رو رہے ہیں کہ ابھی تک ہم امریکہ اور یورپ کے کلچر کو اچھی طرح نہیں اپنا سکے۔

ہائے افسوس! کوئی ایسا گناہ نہیں جو مسلمانوں کے سروں پر ترقی کے نام سے نہ تھوپا جا رہا ہو اور کوئی ایسی برائی نہیں جسے سرکاری تعاون سے عام نہ کیا جا رہا ہو۔ کس کس معصیت کا تذکرہ کیا جائے؟ اب تو ذہن اور دماغ ہی بدل چکے ہیں ؎

تن ہمہ داغ داغ شد   پنبہ کجا کجا نہم

اب تو یہ دوڑ ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں آگے بڑھے۔نئی نئی برائیاں درآمد کی جارہی ہیں۔اگر ان سب کا تذکرہ کیا جائے تو ہزاروں صفحات کالے ہو جائیں گے۔کیا ان حالات میں بھی صرف اتنا فخر کر لینا کافی ہے کہ ہماری نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے؟ ایک زمانہ تھا جب گناہ خال خال ہوتے تھے، اب خالص نیکی ملنا مشکل ہے۔نفس پرست لوگ خود کو تو بدلتے نہیں، دین اور قرآن کو بدلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔اسلام کے جس حکم پر عمل مشکل نظر آتا ہے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے اور جو حکم سمجھ نہیں آتا اسے بدل دیا جاتا ہے۔کل تک یہودی معصیت کی جس آگ میں جل رہے تھے آج مسلمان اس آگ کو اپنے اندر پھیلاتے چلے جارہے ہیں۔شادی ہو یا غم، یہ آگ ہر گھر میں جل رہی ہے۔چند اللہ تعالیٰ کے بندے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: آؤ اللہ تعالیٰ کی طرف، آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف، آؤ کامیابی اور فلاح کے راستے کی طرف۔اور وہ دن رات یہی درس دے رہے ہیں کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت چھوڑ دو، یہی تمہاری پریشانیوں کا حل ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ، یہی ہر کامیابی اور سعادت کی کنجی ہے۔مگر اس دردمندانہ پکار کو سننے والے بہت تھوڑے ہیں۔اسی وجہ سے ذلت عام ہے، مسکنت عام ہے، ہر جگہ ہمیں مارا جارہا ہے، کاٹا جارہا ہے، لاکھوں مسلمان کافروں کے ملکوں میں ذلت کے ساتھ روزی کمانے پر مجبور ہیں۔امریکہ اور یورپ کے سفارتخانوں کے باہر ویزے کی بھیک مانگنے والوں کی لائنیں لگی ہیں۔ان میں دیندار بھی ہیں اور بے دین بھی۔سب ہی دنیا کے شیطانی تقاضوں کو پورا کرنے یا ان کے الفاظ میں اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے ویزے کی بھیک مانگ رہے ہیں۔اگر یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے کو مضبوطی سے پکڑ لیتے تو کافر ان کے دروازوں پر کھڑے ہوتے۔مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ تو جہد اور جہاد کا تھا، آج کا مسلمان تو دنیاوی عیش و عشرت اور بزدلی کا خوگر بن چکا ہے۔ اسے جہد سے کیا غرض؟ اسے جہاد سے کیا غرض؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے غرض نہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں تنہا چھوڑ دیا۔مگر اللہ تعالیٰ کی رسی اب بھی لٹک رہی ہے۔اطاعت گزاری اور جہاد کی شاہراہ اب

بھی کھلی ہے۔ اگر مسلمان کامیابی چاہتا ہے تو اسے شیطان کے گندے راستے کو چھوڑ کر اس شاہراہ پر چلنا ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ○	''اگر تم ایمان والے رہے تو پھر تم ہی غالب رہو گے۔'' [1]

بس اتنی سی بات ہر مسلمان ہمیشہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کو شیوہ بنالینا یہودیوں کا کام ہے، مسلمانوں کا ہرگز نہیں۔ مسلمان سے تو اگر کبھی نافرمانی ہو بھی جائے تو وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اس نافرمانی کو چھوڑ دیتا ہے۔



[1] [آل عمران:۱۳۹]

یہودیوں کی دوسری بیماری

بغیر ایمان اور عمل کے صرف نسب پر فخر

جب سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور رسولوں کو بھیجنے کا سلسلہ شروع فرمایا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ کا یہ نظام چلا آتا ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور ان باتوں سے بچتے ہیں جو ایمان کے لیے نقصان دہ ہیں، تو ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی کی بشارت دی جاتی ہے، اور ہر زمانے میں اور مختلف آسمانی کتابوں میں ان ماننے والوں یعنی ایمان والوں کے لیے کوئی نہ کوئی نام تجویز کیا گیا ہے۔ مثلاً تورات میں ان ایمان والوں کو ''یہودی'' یا ''عبری'' کا نام دیا گیا، انجیل میں انہیں ''نصرانی'' کے لقب سے نوازا گیا اور قرآن مجید میں حقیقی ایمان والوں کے لیے ''مسلمان'' کا نام چنا گیا ہے۔ لیکن کامیابی کا مدار اللہ تعالیٰ پر ایمان اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر ہے نہ کہ کسی خاص نام پر۔ تورات میں اگر یہ کہا گیا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں یا یہودی جنت میں جائیں گے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شخص اپنے اوپر یہودی کا لیبل چسپاں کرلے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب یا جنت کا مستحق بن جائے گا، خواہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے، نیک اعمال کرے یا نہ کرے، رسولِ زمانہ کی پیروی کرے یا نہ کرے۔ مگر یہودیوں نے یہ ستم کیا کہ وہ یہودیت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی اسے ''شیطانی یہودیت'' میں بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے دین کو اپنی

خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیا، تورات میں تحریف کر ڈالی، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شہید کیا، اور تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور پھر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی انکار کر دیا۔ اور پھر ان سب کفریات اور مظالم کے باوجود وہ اسی بات پر فخر کرتے رہے اور آج تک کر رہے ہیں کہ وہ "یہودی" ہیں اور تورات میں یہودیوں کو کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا محبوب کہا گیا ہے۔

قرآن مجید نے یہودیوں کی اس خطرناک بیماری کو کھول کھول کر بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ صرف یہودی کہلوانے ہی کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، حالانکہ یہودی کہلوانا کافی نہیں۔ کیونکہ کامیابی تو اس یہودی کے لیے تھی جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار، شریعت کا پابند اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار ہو۔ جبکہ یہ یہودی شیطان اور نفس کے فرمانبردار، شریعت کے دشمن اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قاتل اور منکر ہیں۔ آئیے! پہلے قرآن مجید کی وہ چند آیات پڑھتے ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ بیماری واقعی یہودیوں میں عام ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہم اسلامی دعوت کے عنوان سے قرآن مجید کی وہ آیات پڑھیں گے جن میں یہودیوں کے اس مغالطے کا ازالہ فرمایا گیا ہے اور کامیابی کا وہ "قانونِ عام" بیان کیا گیا ہے جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کے لیے یکساں ہے اور اس قانون سے کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے:

① وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○	"اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی اور عیسائیوں کے علاوہ کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان کے باطل خیالات ہیں (اے پیغمبر! آپ) کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔"[1]

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لفظ یہودی اور لفظ نصرانی ہی کو کامیابی کی ضمانت سمجھ لیا تھا، اس لیے اتنا بڑا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ یہ لوگ نہ ایمان پر تھے نہ شریعت پر،

[1] [البقرہ:۱۱۱]

اورنہ ان کے پاس وہ یہودیت اورنصرانیت موجود تھی جو آسمانوں سے اُتری تھی، بلکہ انہوں نے اپنے من گھڑت شیطانی عقائد اوراعمال کو یہودیت اور نصرانیت قرار دے رکھا تھا۔

(۲) وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْاؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًاؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ○

''اور (عیسائی اور یہودی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھی راہ پا جاؤ گے (اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم دین ابراہیم پر ہیں جو ایک اللہ تعالیٰ کے ہو رہے تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''[1]

یہودیوں اور نصرانیوں کی یہ دعوت تھی کہ ہماری من گھڑت یہودیت اور نصرانیت اختیار کرلو کہ یہی ہدایت کا راستہ ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ اصلی یہودیت اور نصرانیت تو رہی نہیں، کیونکہ اگر وہ خود تم میں موجود ہوتی تو تم سب سے پہلے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مان لیتے، جن کا تذکرہ تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ حالانکہ تم تو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے پہلے منکر اور انسانیت کے بدترین دشمن ہو۔ ہاں! حنیفیت سچا دین ہے اور ہم اسی پر ہیں اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اسی پر تھے۔

(۳) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰىؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ○

''(اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اسماعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اسحٰق (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور یعقوب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ۔''[2]

یہودیوں اور نصرانیوں کو بس اسی بات کا ٹھرک پڑ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کے لیے اپنے اوپر ''یہودی'' یا ''نصرانی'' کا لیبل لگانا ضروری ہے، چنانچہ یہ فضول اور بے دلیل دعویٰ کرتے ہوئے ان کا دماغ بھی ساتھ نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ وہ ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بھی یہودی اور نصرانی ہونے کا دعویٰ کر دیتے تھے جو تورات کے نازل ہونے سے پہلے گزر چکے تھے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت

[1] [البقرہ:۱۳۵] [2] [البقرہ:۱۴۰]

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہم۔قرآن مجید نے یہودیوں کے اس طرح کے فضول دعوؤں کا منہ توڑ جواب دیا ہے اور یہودیوں کو قیامت تک کے لیے بے دلیل کر دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور عمل سے ہٹ کر جب بھی کچھ لوگ کسی طرح کے گروہی،نسلی اور لسانی تعصب میں مبتلاء ہوتے ہیں تو پھر ان کے دل اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں،اور وہ ایسے حقائق کا بھی انکار کر جاتے ہیں جو سورج کی طرح عیاں ہوتے ہیں۔چند دہائیاں قبل امریکہ میں اسلام کے نام پر ایک باطل فرقہ ''نیشن آف اسلام'' وجود میں آیا۔یہ لوگ سیاہ فام قومیت کے علمبردار تھے اور ان کے ہاں کامیابی کی پہلی شرط سیاہ فام ہونا تھی، چنانچہ جس طرح یہودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کے یہودی ہونے کا دعویٰ کر ڈالا اسی طرح اس باطل فرقے کے سربراہ عالی جاہ محمد نے بھی باربار یہ اعلان کیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سیاہ فام تھے۔اگرچہ سیاہ فام ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے،لیکن تاریخی اور واقعاتی تناظر میں عالی جاہ محمد کا دعویٰ بھی یہودیوں کے دعوے کی طرح ہے۔تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (اگلے پچھلے گمراہوں کے دل ایک جیسے ہیں)۔

﴿۴﴾ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ	''اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں،کہو کہ پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟نہیں،بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں (دوسروں کی طرح) انسان ہو،وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔''[1]

یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے یہودی اور نصرانی لیبل کی وجہ سے یہ زعم تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے،اس کی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے،جبکہ تم تو اپنے برے عقائد اور بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا و آخرت میں سخت سزا کے مستحق بن چکے ہو۔یہودیوں کی اس بیماری کی تفصیل میں

[1] [المائدہ:۱۸]

اور بھی کئی آیات پیش کی جا سکتی ہیں، مگر ہم انہی چار آیات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اگر آپ اس یہودی بیماری کی مزید تشریح چاہتے ہیں تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کے باب اول کی پہلی فصل کا مطالعہ فرمائیں۔

اسلامی دعوت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

① اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○

''جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا صابئین (یعنی کوئی شخص کسی بھی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا، اور ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''[1]

یہی مضمون اور ''قانونِ عام'' سورہ مائدہ آیت ۶۹ میں بھی تقریباً اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ ویسے دوسرے اور مختلف پیرایوں میں یہ قانون قرآن مجید میں بار بار بیان ہوا ہے۔ قانون کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی کے لیے کوئی امتیازی معاملہ نہیں ہے، بلکہ جو شخص بھی عقیدے اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کرے گا وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور کامیاب ہوگا۔ یعنی اصل چیز ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' ہے، نہ کہ کوئی مخصوص نام یا لیبل۔ البتہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کا کامل فرمانبردار وہی ہوگا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا۔ چنانچہ اس کامل اطاعت کے صلے میں اسے ''مسلمان'' کا خوبصورت لقب ملے گا، جو اوّلین و آخرین کا پسندیدہ لقب اور نام ہے۔ اسی قانون سے

[1] [البقرہ: ۶۲]

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر مسلمان کا لیبل تو چپکا لے مگر ایمان اور عمل صالح کو اختیار نہ کرے تو صرف مسلمان کہلوا لینا اس کی نجات اور کامیابی کا باعث نہیں ہوسکتا، کیونکہ کامیابی دنیا کی ہو یا آخرت کی اس کی اولین شرط ایمان اور عمل صالح ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۲ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو دنیا میں پاک (اچھی اور آرام دہ) زندگی دیں گے، اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا اچھا صلہ دیں گے۔'' [1]

اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ دنیا میں ''حیات طیبہ'' یعنی ''پُر لطف مزے کی زندگی'' ایمان اور عمل صالح کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ بے شک! جو لوگ ایمان کی حقیقت کو پا چکے ہیں اور اعمال صالحہ کو اپنا چکے ہیں وہی جانتے ہیں کہ ان کی دنیاوی زندگی کا کیا مزہ اور ٹھاٹھ ہے؟ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں حلال روزی، قناعت، غنائے قلبی، سکون و طمانینت، ذکر اللہ کی لذّت، حب الٰہی کا مزہ، فرائض و عبادات کی ادائیگی کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور اور تعلق مع اللہ کی حلاوت عطاء فرماتا ہے، اور یہ وہ میدان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو مکمل مساوات عطاء فرمائی ہے کہ جو بھی اس میدان میں جتنا چاہے آگے بڑھ جائے۔ اس آیت میں آخرت کی کامیابی کا بھی تذکرہ ہے، جبکہ دوسری جگہ نہایت صراحت کے ساتھ آخرت میں بھی کامیابی کے قانون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

۳ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○

''اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور اس کے لیے اتنی کوشش کرے جتنی اس کے لائق ہے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔'' [2]

سعی سے مراد اعمال صالحہ ہیں، مگر ان کی قبولیت کی شرط ایمان ہے، اور ایمان نام ہے

---

[1] [النحل: ۹۷] [2] [بنی اسرائیل: ۱۹]

ان تمام چیزوں کی دل سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صراحتاً لے کر آئے ہیں، اور اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اخلاص کے ساتھ کیے جائیں اور شریعت کے مطابق ہوں۔ بس جس میں ایمان نہیں وہ کافر ہے اور ناکام ہے، خواہ وہ اپنا نام یہودی رکھے یا مسلمان، اور جو ایمان تو رکھتا ہے مگر اعمال صالحہ کا تارک ہے وہ فاسق و نافرمان ہے۔ قرآن مجید نے اس قانون کو بار بار بیان فرمایا ہے، تاکہ یہودیوں کی اس بیماری کی اصلاح ہو، اور وہ صرف یہودی کہلانے پر فخر کرنے اور مطمئن ہونے کی بجائے ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کریں، اور اس میں مسلمانوں کے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ صرف مسلمان کہلوانے ہی کو کامیابی کی ضمانت نہ سمجھ لیں، بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ حقیقی مسلمان بن کر دکھائیں۔

ایک بہت ہی اہم نکتہ

یہودیوں کے لیے آسمان سے شریعت اتری۔ ان پر لازم تھا کہ اسے مضبوطی سے پکڑیں اور اس پر عمل کریں، اور صرف اسی شخص کو یہودی کہیں یا یہودی کہلوانے کا حق دیں جو اس شریعت کے مطابق عقائد اور اعمال رکھتا ہو۔ اگر یہودی اس پر عمل کرتے تو یہودیت محفوظ رہتی اور شیطانی عقائد و افکار کا نام نہ بنتی۔ مگر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ جس شخص نے بھی خود کو یہودی کہا انہوں نے اسے قبول کرلیا اور یہودی کے لیبل کو کافی سمجھا اور اسی لیبل کی اشاعت اور تشہیر میں مگن رہے۔ یہی حال عیسائیوں کا بھی ہے۔ حالانکہ یہودیوں کے علماء پر لازم تھا کہ آسمان سے اترے ہوئے دین کی حفاظت کرتے اور اس میں باطل نظریات اور غلط عقائد اور فاسد اعمال کو شامل نہ ہونے دیتے اور نہ ہر کسی کو یہ حق دیتے کہ وہ دین میں جو چاہے کمی یا زیادتی کرے۔ مگر یہودیوں کے علماء تو خود ہی بگڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے خود ہی باطل عقائد اور نظریات کو اپنے

مذہب کا حصہ بنایا اور یہودی کا لیبل چپکانے والے ہر شخص کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ جو چاہے دین میں کمی یا زیادتی کرے، البتہ خود کو یہودی کہلواتا رہے۔ بس اس طرح سے یہودیت تباہ و برباد ہوگئی اور یہودی مسلسل راہ حق سے ہٹتے رہے، یہاں تک کہ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو یہودیوں نے ان کا بھی انکار کر دیا اور دنیا کی علمی قیادت اور آخرت کی کامیابی کا سنہری موقع ضائع کر دیا۔ لیکن الحمدللہ مسلمانوں نے اس بارے میں کافی حد تک بیداری کا ثبوت دیا اور انہوں نے ہر کسی کو اپنے اوپر مسلمان کا لیبل چپکانے کی کھلم کھلا اجازت نہیں دی، بلکہ جس شخص نے دین کی بنیادی باتوں کا انکار کیا اور وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہوا یا جس شخص نے بھی اسلام کا نام لے کر کوئی کفریہ عقیدہ اختیار کرنے یا پھیلانے کی کوشش کی تو علماء اسلام نے فوراً اس کی پیش بندی کی اور اسے اسلام اور مسلمانوں کا نام استعمال کرنے سے روکا۔ علماء اسلام کی اسی کوشش اور قربانی کا نتیجہ ہے کہ الحمدللہ آج بھی اسلام اپنی اسی اصل شکل وصورت کے ساتھ محفوظ ہے جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے امت کو دے کر گئے تھے، اور اس میں ایک شوشے کی بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی۔ آج کے دور میں مسلمانوں پر یہ دباؤ بڑھایا جا رہا ہے کہ وہ ہر کسی کو مسلمان کہلوانے کی اجازت دیں اور اس دباؤ کا مقصد اسلام کو بھی یہودیت کی طرح تباہ و برباد کرنا ہے۔ لیکن جب تک سورج مشرق سے نکل رہا ہے اہل حق ہر طرح کی ملامت کی پروا کیے بغیر اسلام کی حفاظت کرتے رہیں گے اور کسی غلط عقیدے یا فاسد عمل کو اسلام کا حصہ نہیں بننے دیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

عبرت و موعظت

یہود و نصاریٰ کی پیروی کرنے کی بابت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی صداقت کھلی آنکھوں سے ہمارے سامنے ہے۔ یہودیوں نے اس عقیدے اور ان اعمال کو چھوڑ دیا جو سات

آسمانوں کے اوپر سے ان کی فلاح کے لیے نازل ہوئے تھے، مگر انہوں نے لفظ یہودی کو تھام لیا اور اسی کو کامیابی کی ضمانت سمجھنے لگے۔ یہودیوں کی یہ بیماری بعض بدقسمت مسلمانوں میں بھی سرایت کرگئی ہے۔ ان بدقسمت لوگوں نے ختم نبوت جیسے اسلامی عقیدے کا انکار کر دیا اور مشرقی پنجاب کے ایک مخبوط الحواس، مجسم شر شخص کو اللہ تعالیٰ کا نبی مان لیا، مگر پھر بھی انہیں اصرار ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں مسلمان کہلوانے کا حق ہے اور بس وہی جنتی ہیں اور باقی سب مسلمان نعوذ باللہ جہنمی ہیں۔ یہودیوں کی طرز پر چلنے والے ان بدقسمت انسانوں کو اپنے عقائد، اپنے قائدین کے عقائد اور اپنے اور اپنے پیشواؤں کے اعمال کا بغور جائزہ لینا چاہیے اور پھر قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ایمان کے مفہوم کو سمجھنا چاہیے، تب انہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ تو یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور ایمان اور اعمال صالحہ سے کورا ہونے کے باوجود خود کو کامیاب اور ناجی سمجھ رہے ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے یَکْفِیْنَا کِتَابُ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے) کا نعرہ لگا کر حضور اکرم ﷺ کی احادیث کا انکار کر دیا اور اس نعرے کی آڑ میں خود کو دین کے بہت سارے عقائد اور احکامات سے آزاد کر لیا، یہ لوگ بھی قرآن مجید کے حقیقی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں تو انہیں اپنے منہ پر یہودیت کی کالک صاف نظر آئے گی۔ ان کے لیے بھی موقع ہے کہ وہ یہودیت کے ذلت ناک راستے کو چھوڑ کر خالص اسلام کے باعزت اور پاک راستے کو اختیار کریں اور اپنی عصری تعلیم کے زور پر اسلام کو بدلنے کی مکروہ کوشش سے باز رہیں۔ اسی میں ان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اگر وہ نہیں مانیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے اس اُمت میں سب سے زیادہ یہودیت کا اثر قبول کیا اور نعوذ باللہ قرآن مجید کا انکار کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اصل قرآن تو بارہویں امام کے پاس ہے اور بارہواں امام غار میں ہے، ان لوگوں نے اسلام کے کلمے اور اذان تک کو بدل دیا، رسالت اور

امامت کو خلط ملط کر دیا، قرآن وسنت کے عینی گواہوں پر جرح کی اور نعوذ باللہ ان کے کفر تک کے فتوے جاری کر دئیے اور طرح طرح کی شرکیہ رسوم کو اسلام بنا کر پیش کیا۔ اسلام میں یہودیت کے یہ علمبردار ہمیشہ سے مسلمانوں کے گلے کاٹتے اور دل دکھاتے آرہے ہیں۔ کاش! یہ بھی عقل و دانش سے کام لیں اور یہودیت کا راستہ چھوڑ کر اسلام کے پاک راستے کو اپنائیں۔ ورنہ ان کے موجودہ عقائد اور اعمال اور پھر اسلام کا دعویٰ یہودیوں کے دعوے ﴿نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰہِ وَ اَحِبَّآءُہٗ﴾ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ گھوڑوں اور آستانوں پر سر جھکانے والے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب وشتم کا نشانہ بنانے والے یہ لوگ اس قرآنی قانون کو پڑھیں اور اس میں غور کریں:

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○	”ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے، اور ایسے لوگوں کو قیامت کے دن نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“[1]

تحریف قرآن اور ”بدا“ جیسا کفریہ عقیدہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر سب و شتم اور متعہ جیسا عمل رکھتے ہوئے اسلام کا دعویٰ دنیا میں تو شاید کچھ لوگ قبول کر لیں، مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہونے والا نہیں ہے۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتاری جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

اسی طرح وہ مسلمان جن کے ماں باپ نے ان کے اسلامی نام رکھے ہیں چنانچہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں، مگر وہ یورپ اور امریکہ میں جا کر اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال کو بھول چکے ہیں، یا اپنے ہی ملکوں میں سخت قسم کے کبیرہ گناہوں میں پڑ کر اب اسلامی عقائد تک سے غافل ہوتے جا رہے ہیں، یا روزی کی بھول بھلیوں میں پڑ کر انہیں یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ ان کا عقیدہ اور عمل کیا ہونا

[1] [البقرہ:۱۱۲]

چاہیے، انہیں اپنے ایمان کی سخت فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ شرابوں اور گناہوں میں پڑ کر اگر خدانخواستہ ایمان ہی چھن گیا تو نہ مسلمان کہلانا کام دے گا نہ اسلامی نام، نہ نماز جنازہ اداء کرنے سے بخشش ہوگی نہ زم زم میں دھلے کفن میں لپٹنے سے، نہ بعد کی فاتحہ خوانی کام آئے گی نہ ورثاء کی طرف سے کیا جانے والا صدقہ خیرات۔ اس لیے ہم سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ یہودیوں کی مذکورہ بالا بیماری کا تذکرہ پڑھنے اور نجات کے لیے قرآن مجید کا عمومی قانون معلوم ہو جانے کے بعد فوراً اپنے ایمان، اپنے عقائد ونظریات، اپنی فکر و سوچ اور اپنے اعمال کا از سر نو جائزہ لیں، اور موروثی مسلمان بننے کی بجائے شعوری مسلمان بنیں، اور اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں اور جہاں بھی کسی طرح کی شیطانی ملاوٹ نظر آئے فوری طور پر اس کا ازالہ کریں۔ خود ہمارا رب ہم مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیتا ہے۔

خالی اسلام کا لیبل چسپاں کرنا جب کافی نہیں ہے تو کسی تنظیم یا پارٹی یا گروہ کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ صرف اس کا لیبل اپنے اوپر لگا دینا نجات کی علامت ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ص وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ پھر اگر تم روشن احکام پہنچنے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان لو اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“[1]

آج ایمان کے ڈاکو اور شیطان کے کارندے گلی گلی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ الحاد اور بدعات کی بادِ سموم شجر ایمان کو جلانے کے لیے بے تاب ہے۔ حق اور روشنی کی کرن وہ اللہ والے علماء کرام ہیں جو یہود و نصاریٰ کے اثرات اور دنیا پرستی سے محفوظ ہیں اور قرآن و سنت کا باقاعدہ اور مستند علم

[1] [البقرہ:۲۰۸،۲۰۹]

اور اپنے اکابر کی نسبت سے سرفراز ہیں۔ بس انہی کی رہنمائی میں اپنے ایمان اور اپنے اعمال کی حفاظت ہمارے لیے مذکورہ بالا یہودی بیماری سے بچنے کا بہترین راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اسلامی عقیدہ کیا ہے؟ اسلامی اعمال کیا ہیں؟ یہ سمجھیے اور سیکھیے اور اپنے بچوں کو ایسی درسگاہوں میں بھیجیے جہاں انہیں اسلامی عقائد اور اعمال کا علم حاصل ہو۔ اگر آپ نے انہیں ڈاکٹر اور انجینئر بنانے کی ٹھان رکھی ہے تب بھی پہلے انہیں شعوری مسلمان بنائیے، اور جب تک وہ مضبوط اور شعوری مسلمان نہ بن جائیں اس وقت تک انہیں ان درسگاہوں میں نہ بھیجیے جہاں پر یہود ونصاریٰ کو آئیڈیل بنا کر تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ آپ نے قرآنی آیات کی روشنی میں پڑھ لیا ہے کہ صرف نام کا اسلام یا نام کا مسلمان ہونا بالکل کافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو حقیقی اور شعوری مسلمان بنائے۔ آمین ثم آمین۔



یہودیوں کی تیسری بیماری

تفریق فی الایمان.... بعض کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا

دین میں کمی ہو یا زیادتی، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بدترین جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ایک شریعت عطاء کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ان کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ کسی بھی قوم کی کامیابی اسی بات میں ہوتی ہے کہ وہ ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہو اور شریعت کے تمام احکام کو بھی دل و جان سے قبول کرے۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک یہی سلسلہ چلتا رہا اور بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک ایسا کامل دین اور ایسی کامل شریعت دے دی گئی جو تمام جہان کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ یہودیوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا یہی قانون تھا اور انہیں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ دین اور شریعت کے احکام سمجھائے گئے، اور ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان سب کو مانیں اور ان سب پر ایمان لائیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

① وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ○

”اور ہم نے تورات کی تختیوں پر ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور (ضروری احکام کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل لکھ دی (پھر ارشاد فرمایا:) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (لکھی ہوئی ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھلا دوں گا۔“[1]

[1] [الاعراف:۱۴۵]

یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام مل گئے تھے اور یہی احکام بہترین تھے، مگر نافرمانی تو یہودیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور انہیں بس اپنے یہودی کہلوانے پر فخر تھا، اس لیے انہوں نے بعض احکامات کو مان لیا جو ان کے نفس کو اچھے لگے اور بعض احکامات کا انکار کر دیا۔ قرآن مجید ان کی اس بیماری کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

۲ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

”(یہ) کیا (بات) ہے کہ تم کتاب اللہ کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو، تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔“ [۱]

یہ یہودیوں کی بہت بڑی بیماری اور کمزوری تھی کہ وہ اپنے دل و دماغ کو احکام الٰہی کا تابع نہ کر سکے۔ بالفاظ دیگر ان کی فطرت ہی بگڑ چکی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں، اور جن کی فطرت ٹھیک ہو انہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم خوب سمجھ آتا ہے، اور وہ حکم الٰہی کے انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مگر یہودی بدفطرت تھے، اور ان کے لیے احکام الٰہی کا انکار کرنا، بعض احکام کو بدل دینا اور طرح طرح کی تاویلوں کے ذریعے سے احکام الٰہی کو چھپا دینا کچھ مشکل نہیں تھا، اور ان کی یہ بیماری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ ان چیزوں میں بھی تفریق کرنے لگے تھے جن کے ماننے کو ہر شریعت میں لازم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ ان میں سے بھی بعض چیزوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[۱] [البقرہ:۸۵]

(۳) اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ۝

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔
وہ بلاشبہ کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[1]

یعنی ایمان ایسی چیز نہیں ہے جس میں تفریق اور تجزی ہو سکے کہ جس کی مرضی جسے چاہے مان لے اور جس کا چاہے انکار کر دے۔ بلکہ جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ماننا سب کو نہ ماننے جیسا ہے اور قرآن مجید نے اسے اعلیٰ درجہ کا کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو تو مانتا ہوں مگر وقت کے نبی کو نہیں مانتا تو اس کا اللہ تعالیٰ کو ماننا بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ ایمان لانا ایک فرض ہے، کسی پر احسان نہیں۔ اس لیے جن جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، جو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے گا تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا ہی انکار کر دیا۔ یہودی چونکہ شہرت پسند تھے اور انہیں اپنی کم ہمتی اور پست ذہنی کی وجہ سے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ وہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ افراد کو خوش رکھیں تاکہ انہیں تحفظ ملا رہے اور وہ خوب دنیا لوٹتے رہیں، اس لیے وہ کفر اور ایمان کے درمیان ایسی راہیں ڈھونڈتے تھے جن پر وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کر سکیں اور ایمان بیچ کر زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل کر سکیں۔ لوگوں کے ڈر اور مقبولیت حاصل کرنے کے اس شوق میں وہ ایمان میں تفریق جیسی کفریہ حرکتیں کرتے تھے اور چونکہ اس طرح کی کفریہ حرکتوں کی تاثیر ہی ذلت ہے، اس لیے نہ انہیں ایمان نصیب ہوتا تھا اور نہ لوگوں کے درمیان مقبولیت۔ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃَ:

[1] [النساء: ۱۵۰، ۱۵۱]

اسلامی دعوت

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مذکورہ بالا یہودی بیماری سے بچانے کے لیے بھرپور طریقے سے ایمان کامل اور مکمل فرمانبرداری کی بار بار تاکید فرمائی ہے، اور بنیادی طور پر ان امور ششگانہ (چھ چیزوں) پر بلا تفریق مکمل ایمان لانے کی دعوت دی ہے:

١ اللہ تعالیٰ پر ایمان

٢ ملائکۃ اللہ پر ایمان

٣ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان

٤ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان

٥ آخرت کے دن پر ایمان

٦ تقدیر پر ایمان

ان چھ امور پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے تصدیق کرنا ایک ایسا لازمی امر ہے جس کے بغیر ایمان کا دعویٰ سچا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے نہایت صراحت کے ساتھ ان امور پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

١ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ

”رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، (یہ) سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، (اور کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے۔“[1]

[1] [البقرہ:۲۸۵]

۲ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝

’’اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور قیامت کے دن سے انکار کرے تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔‘‘[1]

ان دو آیات میں چھ میں سے پانچ امور کا تذکرہ آگیا، جبکہ تقدیر کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے:

۳ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۝

’’(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں رہو موت تو تمہیں آکر رہے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں میں رہو، اور ان (منافق) لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی گزند پہنچتی ہے تو (اے محمد! آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہے، آپ کہہ دیجیے کہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات ہی نہیں سمجھتے؟‘‘[2]

’’كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ‘‘ کے مختصر جملے کے ذریعے سے تقدیر کے مہتم بالشان مسئلے کو سمجھا دیا گیا۔

ان چھ چیزوں پر ایمان لانا تو بنیاد ہے، جبکہ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ ’’كُلُّ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ وَ عُلِمَ مَجِيْئُهٗ بِالضَّرُوْرَةِ‘‘ پر ایمان لائے، یعنی تمام ’’ضروریات دین‘‘ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ’’ضروریات دین‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ جن امور اور احکام کا دین اور شریعت میں سے ہونا بالکل یقینی اور واضح ہے ان کو ماننا ضروری ہے، اور جو بھی ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے گا وہ ہرگز مؤمن نہیں ہوگا، بلکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح ’’تفریق فی الایمان‘‘ جیسے عظیم جرم کا مرتکب اور بلاشبہ کافر ہوگا۔ چنانچہ یہ بھی جائز نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تفریق کی جائے اور

[1] [النساء:۱۳۶] [2] [النساء:۷۸]

بعض کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے، بلکہ سب کو ماننا ضروری ہے، اور نہ یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کے بعض احکامات کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

④ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

"کہو! ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطاء ہوئیں اور جو اور نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (ایمان لائے)، ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔"[1]

"یعنی ہم سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور سب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانے میں سب (کو) واجب الاتباع (گردانتے) ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، جس وقت جو نبی ہوگا اس کے ذریعے سے جو احکامِ الٰہی پہنچیں گے ان کا اتباع ضروری ہے۔ بخلاف اہل کتاب کے کہ اپنے دین کے سوا سب کی تکذیب کرتے ہیں، چاہے ان کا دین منسوخ ہی ہو چکا ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کو جھٹلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔"[2]

حقیقت میں "ملت ابراہیمی" نام ہی ایمان کامل اور اتباع کامل کا ہے کیونکہ ملت ابراہیمی دو چیزوں کا مرکب ہے:

① "حنیفیت"...... یعنی سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو جانا

② "اسلام"...... یعنی اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری

[1] [البقرہ:۱۳۶] [2] [تفسیر عثمانی۔ج:۱، ص:۱۲۱، ط: دارالاشاعت، کراچی]

چنانچہ اس اُمت کا نام بھی ”مسلمان“ رکھا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو دل وجان سے ماننے والی اُمت۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۵ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا۔

”(اور تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)، اس نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے)۔“[1]

چنانچہ ”حقیقی مسلمان“ صرف وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو اسی طرح مانے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ماننے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح ملائکہ، انبیاء، آخرت، آسمانی کتابوں اور تقدیر کے بارے میں وہی عقیدہ رکھے جیسا عقیدہ رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جن امور کو فرض کیا ہے انہیں فرض مانے، جنہیں حرام کیا ہے انہیں حرام مانے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہم تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے پہنچے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قیامت تک کی انسانیت کے لیے آخری نبی ہیں، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی آسمانی کتاب ”قرآن مجید“ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کامل شریعت ماننا ہی ایمان ہے، اور اس سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

۶ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

”اے نبی! اعلان فرما دیجیے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔“[2]

”یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امیین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ”شہنشاہ مطلق“ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ”رسول مطلق“ ہیں۔ اب ہدایت اور کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس

[1] [الحج:۷۸] [2] [الاعراف:۱۵۸]

جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لے کر آئے ہیں۔ یہی (وہ) پیغمبر ہیں جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔"[1]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو دین دیا گیا ہے وہ دین کامل ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اب نہ اس میں کسی کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ دنیا بیسویں صدی میں رہے یا اکیسویں میں داخل ہو جائے، لوگ گھوڑوں کی سواری کریں یا راکٹوں پر اڑنے لگیں، کامیابی اور ہدایت اسی دین میں ہے۔ اور دنیا کی کسی بھی تبدیلی یا تقاضے کی وجہ سے اس دین کو نہیں بدلا جائے گا، البتہ دُنیا کو اور تقاضوں کو اس دین کے مطابق ڈھالنا ہوگا، تبھی کامیابی ملے گی۔ قرآن مجید اس دین کے کامل و مکمل ہونے کا واشگاف اعلان ان الفاظ سے فرماتا ہے:

(۷) اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔	"آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔"[2]

یہ وہ آیت کریمہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال سے اکیاسی (۸۱) روز پہلے نازل ہوئی، اور اس میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہونا چاہتے ہو تو اس پورے اور مکمل دین کو مکمل طور پر مان لو اور اختیار کرلو۔ اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اب اسلام میں کسی طرح کے اضافے یا ترمیم کی، یا کسی کے صاد یا تصحیح کی، نہ ہی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ چنانچہ جن لوگوں کے سینوں میں انسان کا دل ہوتا ہے اور جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس پسندیدہ دین کی ہر بات کو مانتے ہیں اور دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱، ص:۳۷۷، ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [المائدہ:۳]

﴿۸﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

''پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کردے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔''[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی ایسی روشنی ڈال دیتے ہیں جس سے اس کا دل دینِ حق کی ہر بات کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے کھل جاتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''کیا کوئی ایسی علامت بھی ہے جس سے یہ شخص پہچانا جائے؟''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' ہاں! (ایسے شخص کی علامت یہ ہے کہ) اس شخص کی رغبت ہمیشہ کے گھر ''آخرت'' کی طرف ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کے دھوکے والے گھر سے منہ موڑ لیتا ہے اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔''[2]

واقعی آخرت کی فکر رکھنے والے اور دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے اور موت کی تیاری میں لگے رہنے والے افراد ہی دین کو سمجھتے ہیں اور انہیں دین کا ہر حکم بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بے شک! ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نور پیدا کر دیا جاتا ہے کہ دنیا والوں کی ہزار مخالفتوں اور اعتراضات کے باوجود ان کا ذہن دین کے کسی حکم سے نہیں پھرتا اور دنیا کی تبدیلیاں اور تقاضے انہیں دین کے احکامات کا انکار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

---

[1] [الانعام:۱۲۵] [2] [مصنف ابن ابی شیبہ۔ رقم الحدیث: ۳۴۳۱۵، ط: مکتبۃ الرشد، الریاض]

عبرت و موعظت

قرآن مجید کی روشنی میں یہودیوں کی بیماری ہمارے سامنے آگئی اور اسلام کا موقف اور اسلامی دعوت کو بھی ہم نے پڑھ لیا۔ آج کل کے حالات کا جائزہ لینے سے پہلے ہم ماضی پر ایک نظر دوڑاتے ہیں اور یہودیوں کے اکابر اور اپنے اکابر کے کردار پر ایک مختصر سی نظر ڈالتے ہیں۔ یہودیوں کا حال تو قرآن مجید میں اور خود ان کی تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے بڑوں کی اکثریت کے دلوں میں دین نہیں اترا تھا، کیونکہ ان کے دل اندھے تھے اور ان کے دلوں پر نفسانی اغراض اور خواہشات کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آسمان سے اترنے والی شریعت میں خود ہی اپنے نفسانی تقاضوں کے تحت ترمیم شروع کی اور دین کے احکامات میں اس طرح کتر بیونت سے کام لیا کہ کچھ ہی عرصے میں اصلی دین کا حلیہ بگڑ گیا۔ ان کی ہر نسل دین کے کچھ نہ کچھ حصے کو کاٹ کر پھینکتی رہی اور ان کے ہر حکمران اور ہر مذہبی رہنما نے اپنی استطاعت کے مطابق دین کے احکامات کا انکار کیا، اور دین کو اس مردہ لاش کی طرح سمجھ لیا جو گدھوں کے تصرف میں آجائے اور لاش کا کوئی ولی وارث بھی نہ ہو۔ یہودیوں کو چاہیئے تھا کہ اپنے نفس اور اپنی عقل کو دین کے مطابق ڈھالتے، مگر انہوں نے دین کے ہر حکم کو اپنے نفس اور اپنی عقل کی عدالت میں لا کھڑا کیا۔ چنانچہ جس حکم کو ان کے نفس یا عقل نے مان لیا اسے انہوں نے لے لیا اور جس حکم کو ان کے نفس نے قبول نہ کیا یا جس حکم کو سمجھنے سے ان کی عقل ناکام رہی، اس حکم کا انہوں نے بے دھڑک انکار کر دیا۔ پھر چونکہ ہر فرد کی عقل دوسرے سے الگ ہوتی ہے، اس لیے کسی کی عقل نے کسی حکم کو جھٹلایا تو کسی کی عقل نے کسی حکم کو، اور یوں پورا دین اور پوری شریعت بے لگام عقل اور ظالم نفس کی بھینٹ چڑھ گئی اور

سوائے نام کے اور کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ دین میں چھانٹی کا یہ مرض یہودیوں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوا اور وہ چھانٹی کرتے کرتے کامیابی کے راستے سے مکمل طور پر ہٹ گئے اور کفر و ذلت کی تاریک گھاٹیوں میں جا گرے۔ مگر اس کے برعکس ہمارے اکابر خصوصاً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے آسمان سے نازل ہونے والے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہونے والے ایک ایک حکم کو مکمل طور پر سمجھا اور قبول کیا، اور جس طرح زرخیز زمین آسمان کی طرف سے آنے والی بارش کو مکمل طور پر قبول کر لیتی ہے اور پھر اس سے پھلوں اور پھولوں کی فصلیں پھوٹ پڑتی ہیں، اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر آسمانی حکم کو قبول کیا اور پھر اس حکم کی حکمتیں پوری دنیا پر عیاں کر دیں، اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو قبول کرنے کے بہترین نتائج خوبصورت فصلوں کی طرح ان پر لہلہاتے ہوئے نظر آئے اور پوری دُنیا ان فصلوں سے فیض یاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کا انکار کرنا تو درکنار، انہیں کسی حکم میں شبہ تک نہیں ہوا۔ انہیں جب کہا گیا کہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مانو تو وہ یہودیوں کی طرح کسی طرح کے قومی تعصب میں مبتلاء نہ ہوئے، بلکہ انہوں نے اپنے دل تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عقیدت اور محبت کے لیے کھول دیئے۔ انہیں جب کہا گیا کہ تمام کتابوں کی تصدیق کرو تو وہ کسی طرح کے مذہبی تعصب میں مبتلاء نہ ہوئے۔ انہیں جب ملائکہ پر ایمان لانے کو کہا گیا تو انہوں نے یہودیوں کی طرح فرشتوں میں چھانٹی نہیں کی کہ فلاں ہمیں اچھا لگتا ہے اور فلاں نہیں، بلکہ انہوں نے ملائکہ کو اپنے دل میں وہی مقام دیا جس مقام کا ان سے تقاضا کیا گیا تھا۔ جب انہیں کہا گیا کہ آخرت کو مانو تو پھر انہوں نے دُنیا کو ایک گزرگاہ ہی سمجھا اور اسے یکسر فراموش کر دیا اور دنیا کو اس طرح سے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا جس کا یہودی تصور بھی نہیں کر سکتے، اور جب ان سے کہا گیا کہ تقدیر پر ایمان لاؤ تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ زخم کھا کر بھی مسکراتے تھے، بھوکے رہ کر بھی خوش ہوتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے

والی ہر حالت کا اس طرح سے استقبال کرتے تھے جیسے کہ وہ اسی کے انتظار میں ہوں۔ان کی عورتیں اپنے شیر خوار بچوں کے انتقال پر واویلا کرنے کی بجائے اپنے خاوندوں کو سمجھاتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی۔انہیں جب کہا گیا کہ پورے کے پورے دین کو قبول کرو تو انہوں نے اپنی عقل اور اپنی سوچ تک کو دین کا تابع کر لیا اور اپنے نفس کو ایسا مسلمان بنایا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے انکار کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔یہودی تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے رہے، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حفاظت کو اپنا مشن بنا لیا اور فرائض تو فرائض دین کے آداب اور اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اداؤں تک کو محفوظ کر لیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال کے بعد جب ایک قبیلے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقرر فرمودہ طریقے کے مطابق زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کا ارادہ فرمایا، اور جب دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ قبائل کے یہ لوگ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اس لیے زکوٰۃ کی بابت ان پر سختی نہ کی جائے، بلکہ ان سے نماز ہی کو کافی سمجھ لیا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیا کرتے تھے اور پھر دنیا کے سارے درخت، پتھر، انسان اور جن بھی ان کے ساتھ مل کر آ جائیں گے تب بھی میں ان سے ضرور جہاد کروں گا، یہاں تک کہ میری روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جائے۔اللہ تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ میں تفریق نہیں فرمائی، بلکہ ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔"[1]

مؤرخین نے اس موقع پر حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وہ تاریخی الفاظ محفوظ کر لیے

[1] [تاریخ بغداد۔رقم الحدیث: ۳۶۷۸۔دار الغرب الاسلامی، بیروت]

ہیں جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جبکہ یہودیوں سمیت تمام باطل فرقے اپنی تاریخ میں ایسے الفاظ نہیں دکھا سکتے، بلکہ ان الفاظ نے ان کی گردنوں کو شرم سے جھکا دیا ہے، کیونکہ وہ لوگ خود اپنے ہاتھوں سے دین کے احکامات کو کاٹتے رہے اور ان کا انکار کرتے رہے۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

تَمَّ الدِّيْنُ أَيَنْقُصُ وَ أَنَا حَيٌّ

''دین مکمل ہو چکا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور دین میں کمی کی جائے، کتر بیونت کی جائے؟'' [1]

سبحان اللہ! کیا جذبات انگیز، وجد آفرین الفاظ ہیں۔ واقعی! ایک مؤمن صادق اپنی زندگی میں دین کے کسی حکم کا انکار کرنا تو درکنار کسی اور کو بھی دین میں کمی کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، بلکہ وہ اس طرح کی ہر مذموم کوشش کے مقابلے میں جان ہتھیلی پر رکھ کر سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس موقع پر خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک الفاظ بھی نقل کر دیئے جائیں، تاکہ انہیں پڑھ کر مسلمانوں کو اسلام کے ایک ایک حکم پر ڈٹے رہنے کی توفیق ملے اور یہودیوں کا سر شرم سے جھک جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّةَ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهٖ أَذَلَّنَا اللهُ۔

''ہم ایک ذلیل وخوار قوم تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام کی برکت سے عزت بخشی، جب بھی ہم کسی ایسے طریقے سے عزت حاصل کرنا چاہیں گے جو اسلام کے خلاف ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔'' [2]

[1] [مشكاة المصابيح۔ رقم الحديث ۶۰۳۴، ط: المكتب الاسلامي، بيروت]

[2] [المستدرك على الصحيحين۔ رقم الحديث: ۲۰۷، ط: دار الكتب العلميه، بيروت]

ان الفاظ سے دین میں کمی اور زیادتی دونوں کی نفی ہوگئی۔ یہ الفاظ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذباتی دعوے نہیں تھے، بلکہ حقیقت میں ان کا سینہ پورے دین کے لیے کھل چکا تھا اور وہ اسلام کے کسی ادنیٰ سے حکم کو بھی مٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم اس تقابلی جائزے کا اختتام مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ پر کرتے ہیں:

''قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے لیے پہلے سے مانوس نہ تھے، نفس و مال، اولاد و خاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے، جن کی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی۔ شرک و کفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ان کے ایمان کے لیے کوشش فرمائی، پھر ہر امر و نہی اور ہر نئے حکم کے لیے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے۔ ان پر جب حق واضح ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی۔ آپ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آئی۔''[1]

ایک نظر گریبان پر

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہودیوں کی طرح ایمان میں کسی طرح کی تفریق نہیں فرمائی، نہ عقائد میں نہ احکام میں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے ایمان کی جگہ جگہ تعریف فرمائی اور انہی کے کامل ایمان کو قیامت تک کی انسانیت کے لیے معیار قرار دیا۔

[1] [انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ۹۹، ۱۰۰، ط: مجلس نشریات اسلام، کراچی]

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

"تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو پھر وہی ہیں ضد پر"۔[1]

اس آیت میں "اٰمَنْتُمْ" کے مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے ایمان کو مثالی نمونہ قرار دے کر تمام انسانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان لائیں اور اس سے ذرہ برابر انحراف نہ کریں۔

اب ہمارے سامنے دو بالکل واضح مثالیں موجود ہیں، ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کامل کی اور دوسری یہودیوں کی، جنہوں نے الحاد سے کام لیا اور ایمان میں تفریق کی۔ اب ہمیں اپنے ماضی اور حال کا جائزہ انہی دو مثالوں کو سامنے رکھ کر لینا چاہیے۔ چنانچہ ماضی میں بھی اور حال میں بھی ہمیں اپنے اندر یعنی مسلمان کہلانے والوں کے اندر دونوں مثالوں کی اتباع کرنے والے افراد نظر آتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے کہ ماضی اور حال دونوں میں ہمیں اپنے اندر اکثریت ان افراد کی نظر آتی ہے جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ایمان کامل کو تھاما اور دین میں کمی، کتربیونت اور الحاد کی یہودی بیماری سے محفوظ رہے۔ لیکن ہمیں اس چیز کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ماضی اور حال دونوں میں ہمارے اندر ایسے بدقسمت افراد کی بھی کمی نہیں رہی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق یہودیت کی اس بیماری کا شکار ہو کر الحاد جیسے بدترین جرم میں مبتلاء ہوئے، اور انہوں نے دین کی بہت سی بنیادی اور اہم باتوں کا انکار کر دیا یا بہت سی اہم باتوں کو غیر اہم قرار دے دیا۔ ملحدین کے اس ٹولے کے بعض افراد نے اسلام کی بنیاد پر وار کرنے کی کوشش کی تو بعض نے اس کے تنے اور شاخوں پر الحاد کی آری چلانے

[1] [البقرۃ:۱۳۷]

کی جسارت کی۔ مگر چونکہ دین اسلام کے محافظ ہر دور میں موجود رہے اور ان شاء اللہ تاقیامت موجود رہیں گے، اس لیے ملحدین کا یہ ٹولہ اصل اسلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا، البتہ انہوں نے اپنے اور اپنے بدقسمت متبعین کے دین کو تباہ کر ڈالا، اور وہ اپنے پیچھے ''سیئات جاریہ'' کا بھڑکتا الاؤ چھوڑ گئے۔ قرآن مجید ان ملحدین کے انجام کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

۲ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○

''جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، بھلا جو شخص جہنم میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے آئے؟ جو چاہو سو کرلو، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔'' [۱]

الحاد بھی کفر ہی کی ایک قسم ہے اور چونکہ اس اُمت کے جن بدقسمت افراد نے ''تفریق فی الایمان'' کے جرم کو ماضی یا حال میں اپنایا ہے انہوں نے کھلم کھلا انکار کرنے کی بجائے الحاد ہی کے راستے کو اختیار کیا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الحاد کے معنیٰ بھی بیان کر دیئے جائیں:

اِلْحَاد: لغت میں ''الحاد'' کہتے ہیں ''کسی جانب مائل ہونے اور منحرف ہونے کو۔''

لَحَدَ عَنْ کَذَا: ہٹنا، منحرف ہونا۔ [۲]

لَحَدَ السَّهْمُ عَنِ الْهَدَفِ: تیر کا نشانے سے خطا ہونا۔ [۳]

اسی لفظ کی مناسبت سے ''بغلی قبر'' کو بھی ''لحد'' کہتے ہیں، کیونکہ وہ بھی ایک جانب مائل ہوتی ہے۔ تفسیر روح المعانی میں الحاد کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

---

[۱] [حٰمٓ السجدہ: ۴۰] [۲] [القاموس الجدید: ص: ۶۳۲، ط: ادارہ اسلامیات، لاہور]

[۳] [مصباح اللغات: ص: ۷۲۳، ط: خزینہ علم وادب، لاہور]

اَلْاِنْحِرَافُ عَنِ الْحَقِّ اِلَى الْبَاطِلِ۔
”الحاد کہتے ہیں حق سے باطل کی طرف منحرف ہونے کو۔“[1]

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما الحاد کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

اِلْحَاد: هُوَ وَضْعُ الْكَلَامِ عَلٰى غَيْرِ مَوْضِعِهٖ۔
کلام کی غلط تشریح وتفسیر کو الحاد کہتے ہیں۔[2]

الحاد کی مذکورہ بالا تشریحات سے معلوم ہوا کہ الحاد کفر کی ایک قسم ہے، جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو ظاہری طور پر تو ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن وہ قرآن مجید کی اور دیگر احکام اسلامیہ کی ایسی تشریح کرتے ہیں جو قرآن مجید کے اصل الفاظ اور مقصد سے میل نہیں کھاتی۔ یعنی یہ لوگ احکام الٰہی کا کھلم کھلا انکار کرنے کی بجائے فاسد تاویلات کا سہارا لیتے ہیں، اور ”چونکہ چنانچہ“ کی کھچڑی پکا کر اسلام کے واضح احکامات کا انکار کرتے ہیں، اور قرآن وسنت کی ایسی تشریحات کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے بنیادی اصولوں اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔ ملحدین کا یہ ٹولہ ماضی بعید میں بھی موجود تھا، مگر ہم اس کا ذکر نہیں کریں گے، کیونکہ ہمارا مقصد دور حاضر کا جائزہ لینا ہے، اور اگر ہم نے تفصیل کے ساتھ ماضی کے ان بھیانک الحادی فتنوں کا تذکرہ شروع کر دیا تو بات بہت دور چلی جائے گی اور بہت لمبی ہو جائے گی۔ اس لیے آئیے! ماضی قریب کو لیتے ہیں، کیونکہ ماضی قریب میں الحاد کے فتنے نے خوب ترقی کی ہے۔ دراصل جب سے مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہوئی ہے اور دنیا پر انگریزوں اور دوسری باطل قوتوں کی حکومت قائم ہوئی ہے اس وقت سے الحادی فتنوں کا ایک سیلاب عرب وعجم اور مشرق ومغرب میں امڈ آیا ہے، اور چونکہ ان الحادی فتنوں کی پیٹھ پر کافر حکمرانوں کا ہاتھ تھا اس لیے خباثت کے یہ خاردار درخت خوب پھلے پھولے اور ان کے پھیلائے ہوئے جراثیم سے بہت سے مسلمان متاثر ہوئے اور آج

[1] [تفسیر روح المعانی۔ ج:۵، ص:۱۱۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [تفسیر ابن کثیر۔ ج:۷، ص:۱۸۳۔ ط: دار طیبہ، مصر]

تک ہو رہے ہیں، اور اب تو نعوذ باللہ حالت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ الحاد ایک فیشن بن چکا ہے اور نفس پرست لوگ اسلام کے بعض احکامات کا انکار صرف اس لیے کرتے ہیں تا کہ انہیں دنیا میں شہرت ملے اور امن و اعتدال کے ایوارڈ ان کے گلے میں ڈالے جائیں اور دنیا کے چند حقیر ٹکے انہیں نصیب ہو جائیں۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ ؂

کچھ غم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگدست ◄ تہذیب نو کے سامنے سر اپنا خم کریں

رَدِّ جہاد میں تو بہت کچھ لکھا گیا ◄ تردید حج میں کوئی رسالہ رقم کریں[1]

ماضی قریب میں ہمیں کفر کے سرپرستی یافتہ جو ملحدین نظر آتے ہیں ان میں خاص طور پر مرزا غلام احمد قادیانی، عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، طٰہٰ حسین، ضیاء گوک الپ، سرسید احمد خان، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر احمد الدین، حکیم نورالدین وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ ان سب نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے بہت سے بنیادی امور کا انکار کیا اور انگریز کی سرپرستی میں ایسی کتابیں لکھیں جو آج تک بہت سے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، اور وہ اسلام کے بہت سے احکامات کے بارے میں ایسے وساوس اور شبہات چھوڑ گئے ہیں جن میں آج تک بہت سے مسلمان غوطے کھا رہے ہیں۔ ان ظالموں نے ختم نبوت، نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حجیت، معجزات، جہاد فی سبیل اللہ جیسے محکم اور قطعی امور دین کا انکار کیا۔ ان سب کا الحاد الگ الگ رنگ کا ہے، لیکن چونکہ ان سب کی بنیاد اور غرض محض اسلام دشمنی تھی، اس لیے اگر آپ ان کی تحریریں پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ یہ سب ایک ہی مکتب کے تربیت یافتہ اور ایک دوسرے کے استاد و شاگرد ہیں۔ ان سب نے اسلام پر وار کرنے کے لیے شیطانی مشورے کے مطابق علماء کرام کو اپنا پہلا ہدف بنایا اور اس بات پر زور دیا کہ دین کو سب سے زیادہ نقصان مولویوں نے پہنچایا ہے اور مولوی ہی مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں

[1] [کلیات اقبال۔ص: ۲۸۴،ط: شمع بک ایجنسی، لاہور]

سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور مولویوں نے دین کو نہیں سمجھا اور مولوی ہی لوگوں کی گمراہی اور پسماندگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ بالفاظ دیگر انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن وسنت کا براہ راست علم حاصل کرنے والے علماء کرام تو دین کے دشمن ہیں، جبکہ انگریز کی گود میں پلے اور انگریزی علوم میں رنگے ہوئے یہ منشی مسلمانوں کے خیر خواہ اور دین کی سمجھ رکھنے والے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان ایمان فروشوں نے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے سے پہلے مسلمانوں کے دفاعی نظام کو توڑنا ضروری سمجھا۔ یہ لوگ چونکہ مسلمانوں سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ عام مسلمان دین کے بارے میں صرف سطحی علم رکھتا ہے اور علماء سے پوچھ کر دین پر عمل کرتا ہے، اب اگر یہ لوگ مسلمان عوام کو علماء سے توڑے بغیر ان میں وساوس پھیلاتے تو ان کا یہ حربہ کامیاب نہ ہوتا، کیونکہ مسلمان عوام علماء کرام کے پاس جا کر ان وساوس اور شبہات کا جواب معلوم کر لیتے اور ان وساوس پھیلانے والوں کے بھی دشمن بن جاتے۔ چنانچہ انہوں نے پہلا وار علماء کرام پر کیا اور ان کے خلاف اتنا کچھ لکھا اور اتنا کچھ کہا کہ بعض لوگ اس سے متاثر ہو کر علماء کرام سے کٹ گئے۔ چنانچہ اگلے مرحلے میں ان پر طرح طرح کے شبہات اور وساوس کا حملہ کر دیا گیا۔ یہ لوگ خود علم نہیں رکھتے تھے اور علماء کرام سے بھی کٹ چکے تھے، چنانچہ وہ ان زہریلے تیروں کا شکار ہو کر ملحدین کے ٹولوں میں شامل ہو گئے اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بقول اقبال مرحوم رحمۃ اللہ علیہ: ابلیس نے اپنے فرزندوں کو یہ گر سکھایا تھا کہ مسلمانوں میں سے غیرت ایمانی ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں علماء سے کاٹ دو ؎

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج ◄ ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو[1]

ویسے تو ہمارے زمانے کے اور ماضی قریب کے ملحدین کی کئی ظاہری نشانیاں ہیں، جن سے یہ فوراً پہچانے جاتے ہیں، مگر تین نشانیاں ان سب میں بالکل واضح طور پر نظر آتی ہیں:

[1] [کلیات اقبال۔ص:۶۰۸، ط: شمع بک ایجنسی، لاہور]

(۱) اسلاف یعنی امت کے پہلے طبقوں پر یہ تہمت لگانا کہ انہوں نے دین کو اچھی طرح سے نہیں سمجھا، بلکہ دین کے بہت سے حقائق ان پر مخفی رہے اور وہ لوگ قرآن وسنت کے سمجھنے میں غلطیاں کرتے رہے۔

(۲) کافروں کی نام نہاد مادی ترقی سے مرعوب ہونا اور اس کو ان کی بہت بڑی کامیابی سمجھ کر انہیں کامیاب انسان اور ان کی تہذیب کو کامیاب تہذیب سمجھنا، اور مسلمانوں کو بھی جدت پسندی کی اور کافروں کے پیچھے پیچھے دوڑ لگانے کی کھلم کھلا یا مخفی دعوت دینا۔

(۳) علماء کرام کی مخالفت کو لازم سمجھنا اور ان پر تنقید اور ان کی تعییب کا کوئی موقع ضائع نہ کرنا، اور مسلمانوں کی تمام تر پستی، کسمپرسی اور بقول ان کے پچھڑے پن کا ذمہ دار علماء کرام کو قرار دینا۔

بظاہر یہ تین امور صرف نشانی یا علامت کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہی تین امور کسی شخص کو ملحد بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ دین میں کمی اور کتر بیونت کا جرم وہ شخص کرتا ہے جسے اسلاف امت پر اعتماد نہیں ہوتا، یا وہ شخص کرتا ہے جو کافروں سے یا جمہور یعنی اکثریت سے مرعوب ہوتا ہے، یا وہ شخص کرتا ہے جو کم علمی اور جہالت کے باوجود اسلام کا علمی دفاع کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے، لیکن جب منجھے ہوئے اسلام دشمن اسکالر اس پر تابڑ توڑ سوالات کرتے ہیں اور وہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے انہیں جواب نہیں دے سکتا تو وہ خود الحاد کا شکار ہو جاتا ہے، یا وہ شخص کرتا ہے جو دنیا کی غلاظت اور مال و دولت کا طلب گار اور بزدل ہوتا ہے، چنانچہ لوگوں کے خوف سے اور اپنے نفس کی لالچ سے مجبور ہو کر وہ دین کے بعض امور کا انکار کر دیتا ہے، اور اس بات کی اُمید رکھتا ہے کہ اب کافر مجھے طرح طرح کے انعامات سے نوازیں گے اور میری جان اور میرے بچوں کا دنیاوی مستقبل محفوظ رہے گا، یا وہ شخص یہ جرم کرتا ہے جس کی فہم کمزور اور علم ناقص ہوتا ہے مگر خاندانی وجاہت یا کسی وجہ سے

لوگ اسے اپنا بڑا اور اپنا سردار بنا لیتے ہیں، تب وہ دین سیکھنے یا مسئلہ پوچھنے کے لیے کسی کے پاس جانے کو عیب سمجھتا ہے اور خود اس میں اتنی سمجھ ہوتی نہیں کہ وہ امور دین کو مکمل طور پر سمجھ سکے، چنانچہ وہ اپنی مرضی سے دین میں اضافے کرتا ہے اور اپنی مرضی سے دین کے بعض امور کا انکار کر دیتا ہے، اور جاہل لوگوں کی اتباع اور واہ واہ اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے، یا وہ شخص یہ جرم کرتا ہے جس کا اسلام اور مسلمانوں سے کچھ لین دین نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسلام دشمن طاقتوں کا باقاعدہ ایجنٹ اور انہی کا پروردہ ہوتا ہے اور اسے باقاعدہ سازش کے تحت مسلمانوں میں گھسایا جاتا ہے اور اسے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور دین کے بنیادی امور سے ہٹانے کا مشن سونپا جاتا ہے، چنانچہ وہ شخص مذہب، سیاست، یا قوم پرستی کے کسی نعرے کے ساتھ اٹھتا ہے اور کافروں کے عطاء کردہ سرمائے کی بدولت کچھ مفاد پرستوں کو ساتھ ملا لیتا ہے اور پھر موقع ملتے ہی اسلام میں کمی، زیادتی اور کتر بیونت کا کام شروع کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی باقاعدہ تربیت کی جاتی ہے اور غیر ملکی یونیورسٹیوں میں انہیں دین میں تحریف کرنے کے گر اور طریقے سکھائے جاتے ہیں اور انہیں وساوس اور شبہات پھیلانے والا ایسا خناس بنا دیا جاتا ہے جو جہاں بھی بیٹھتا ہے مسلمانوں کے ایمان کو چوہے کی طرح کترنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ملحدین کی یہ تمام اقسام آج ہمارے گرد و پیش میں اور عرب و عجم میں پھیلی پڑی ہیں۔ یہ لوگ ہر دن کوئی نیا انکشاف کرتے ہیں اور تحقیق جدید کے نام پر تضلیل کی نئی نئی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نماز کا انکار کر چکا ہے تو کوئی حج کا، کسی نے جہاد کے خلاف مہم چلائی ہوئی ہے تو کوئی شرعی پردے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے، ان میں سے کوئی حدیث شریف کا منکر ہو رہا ہے تو کوئی اجماع امت اور اجتہاد کا، ان میں سے کسی نے اسلام کے معاشی نظام کا انکار کر دیا ہے تو کسی کو اسلام کے عدالتی نظام سے خوف محسوس ہو رہا ہے، ان میں سے کوئی ختم نبوت جیسے بنیادی اسلامی عقیدے کے انکار پر تلا ہوا ہے تو کوئی امامت کو نبوت بنا کر زندقہ پھیلا رہا ہے۔

الغرض الحاد اور اس کے داعی اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں سے کس کس کا تذکرہ کیا جائے؟ مسلمان چونکہ جہاد و خلافت کے سبق کو عمومی طور پر بھلا چکے ہیں اور دنیا پر عملی طور پر کفر کی حکومت قائم ہے، اس لیے اسلام کو مٹانے کی ہر تحریک پورے زور و شور کے ساتھ اٹھتی ہے اور وہ جدت اور دنیاوی اسباب کا ایسا مسحور کن جادو جگاتی ہے کہ عام لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ گویا کہ دنیا میں ایک طرح کی دجالیت قائم ہوتی جارہی ہے، یعنی کھوٹے کو کھرا بنا کر اور جعلی کو اصلی بنا کر دکھایا جارہا ہے۔ زنگ آلود لوہے پر سونے کا پانی اس طرح سے چڑھا دیا جاتا ہے کہ لوگ اسے اصلی سونے سے افضل سمجھنے لگتے ہیں۔ دراصل حکمران طبقے کا عوام پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور آج حکومت عمومی طور پر کافروں اور منافقوں کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ حالت یہ ہو چکی ہے کہ پینٹ جیسا تکلیف دہ اور غیر فطری لباس لوگوں کو اچھا لگتا ہے، جبکہ آرام دہ اور ساتر تہبند اور شلوار کو پسماندگی سمجھا جاتا ہے، اور تو اور کھڑے ہو کر کھانے اور پیشاب کرنے جیسے حیوانی افعال تک فیشن بنتے جارہے ہیں۔ تو جب عقلوں کا یہ حال ہے تو پھر یہ عقلیں جو غیر فطری امور کو پسند کرنے لگی ہیں فطری دین کو کس طرح قبول کر سکتی ہیں۔ چنانچہ اس ماحول میں الحاد خوب پھل پھول رہا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کا انکار کیا۔ آج اس کی تائید کرنے والے افراد لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکے ہیں، اور ان سب کا مقصد صرف اور صرف دنیا حاصل کرنا اور فساد پھیلانا ہے۔ مرزا قادیانی نے جہاد کا انکار کیا اور جہاد جیسے محکم فریضے کے بارے میں ایسے وساوس پھیلا دیئے کہ آج لاکھوں لوگ مرزا کی چھوڑی ہوئی بانسری بجا کر اس فریضے کا مذاق اڑاتے ہیں جو قرآن مجید کی ۵۵۸ سے زائد آیات میں بیان فرمایا گیا ہے، اور جس فریضے کی جڑوں میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے خون کی مقدس دھاریں اب تک نظر آرہی ہیں۔ دہلی کا ایک بزدل ملحد ہر دوسرے دن اخبارات میں مضمون شائع کر کے جہاد کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے اور اس کے ہر مضمون میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ ”صلح،“

اصل اسلامی قانون ہے جبکہ ''قتال فی سبیل اللہ'' صرف مجبوری کا نام ہے، کیونکہ قرآن مجید میں یہ تو کہا گیا ہے کہ ''اَلصُّلْحُ خَیْرٌ''، لیکن پورے قرآن میں کہیں بھی ''اَلْحَرْبُ خَیْرٌ یا اَلْقِتَالُ خَیْرٌ'' کا لفظ نہیں ملتا۔ یہ ملحد جسے کچھ عرصہ قبل انڈیا کے وزیراعظم نرسمہا راؤ نے ہندو مسلم ایکتا کے لیے محنت کے عوض میں ایک لاکھ روپے اور تعریفی ایوارڈ سے نوازا، اپنی اس دلیل کو بار بار پیش کر کے قرآن اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا قرآن اس ملحد کا تابع ہے کہ وہ جو الفاظ کہے قرآن ان الفاظ میں نازل ہو؟ کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک اسلامی فریضے کو ماننے کے لیے مخصوص الفاظ میں نازل ہونے والی آیت کا مطالبہ کرے؟ کل کوئی شخص اس لچر دلیل کو آڑ بنا کر کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ'' چنانچہ میں نماز نہیں پڑھتا، اور قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے ''اَلصِّیَامُ خَیْرٌ'' اس لیے میں روزہ بھی نہیں رکھتا۔ بے شک یہ سچ ہے کہ ملحد کی عقل ٹیڑھی اور فطرت مسخ ہوتی ہے، اسی لیے اس ملحد نے یہ نہیں سوچا کہ وہ الفاظ جسے وہ دلیل سمجھ کر اپنے ہر مضمون میں دُہراتا ہے، الحاد کے بے شمار دروازے کھولنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ پھر اس کی یہ بات بھی غلط ہے کہ قرآن مجید نے صلح کو خیر کہا ہے مگر قتال کو خیر نہیں کہا، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ واضح فرمان موجود ہے:

(۳) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۠

''(مسلمانو!) تم پر (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا، مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے لیے خیر والی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''[۱]

اس آیت میں واضح طور پر قتال کو ایک فریضہ اور خیر قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس ملحد کو ''رسالہ'' نامی الحادی ماہنامہ نکالنے، مجاہدین کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے، بابری مسجد کو مندر بنانے کی

[۱] [البقرۃ:۲۱۶]

وکالت کرنے، انٹرنیٹ اور دوسری نئی ایجادات کی تعریف کرنے اور دارالکفر انڈیا کے دارالاسلام افغانستان سے بہتر ہونے پر لیکچر دینے، اپنی تصویر کھنچوانے اور دین فروشی کے عوض کمائے ہوئے نوٹوں کو گننے سے فرصت ہو تو وہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں غور کرے اور اپنے اس غلط بیان سے توبہ کرے کہ نعوذ باللہ قتال فی سبیل اللہ خیر نہیں ہے اور وہ یہ سوچے کہ اگر قتال خیر نہیں ہے تو قرآن مجید میں اس کی ترغیب کے لیے سینکڑوں آیات کیوں اتاری گئیں؟ اللہ تعالیٰ نے خود کو مجاہدین کا محبت کرنے والا اور ان کی جانوں کا خریدار کیوں قرار دیا؟ لیکن ستیاناس ہو یہودیت کے مرض ”تفریق فی الایمان“ اور ”الحاد“ کا کہ جس شخص پر حملہ آور ہوتا ہے اس کی عقل کو سلب کر لیتا ہے۔ چنانچہ دور حاضر کے اسی ملحد نے انڈین اخبارات میں ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ اجتہاد کا دروازہ چارسو سال سے بند تھا بالآخر گاندھی جی نے آکر اجتہاد کیا اور اس بند دروازے کو کھولا۔ یقیناً اگر ماتم جائز ہوتا تو اس طرح کے بیانات دینے والوں کی عقل پر ہی کیا جاتا۔ گزشتہ کئی سال سے اس ملحد کے ایسے مضامین اخبارات میں چھپ رہے ہیں، جن میں اس نے کئی ضروریات دین، کئی قرآنی آیات اور کئی احادیث مبارکہ کا انکار کیا ہے اور فاسد تاویلات کے ذریعے دین میں تحریف عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ ان شاء اللہ اگر وہ سارے مضامین ہمارے ہاتھ لگ گئے اور اللہ تعالیٰ نے موقع عطاء فرمایا تو عصر حاضر کے اس ملحد کے وساوس اور شبہات کا تحقیقی جواب لکھیں گے، ان شاء اللہ۔ اللہ کرے اہل اسلام کو قوت نصیب ہو، تا کہ مضبوط بنیادوں پر ان الحادی فتنوں کا مقابلہ کیا جا سکے اور ان ملحدوں کو بتایا جا سکے کہ اللہ تعالیٰ کا دین لاوارث نہیں ہے کہ تم مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لیے اس میں کمی اور کتر بیونت کرتے رہو۔ مگر آج تو یہ حالت ہے کہ وہ لوگ جو صرف مسلمان کہلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو بھی پورا نہیں کرتے اور انہوں نے اپنی زندگیوں اور اپنے اعمال میں سے دین کو بالکل نکال کر پھینک دیا ہے، وہ بھی دین میں تبدیلی کا راگ الاپ رہے ہیں، اور بار بار یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اکیسویں صدی آچکی

ہے مگر ہم وہیں کھڑے ہیں، اس لیے ہمیں بھی آگے بڑھنے کے لیے اسلام میں تبدیلیاں کرنی چاہئیں اور اسے موجودہ دور میں قابل عمل بنانا چاہیے۔گزشتہ دنوں پاکستان کے ایک سابق کرکٹر اور موجودہ سیاستدان نے بھی ''بی بی سی'' پر انٹرویو دیتے ہوئے یہی بات دُہرائی کہ اسلام کو موجودہ دور میں قابل عمل بنانے کے لیے اجتہاد کرنا چاہیے۔دوسرے الفاظ میں یہ تمام لوگ صرف اور صرف اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ اسلام کو محض ایک مذہب بنالیا جائے اور اسے عالمگیر دین نہ رہنے دیا جائے، اور اس میں سے وہ باتیں نکال دی جائیں جو دنیا کے کافر حکمرانوں کو بری لگتی ہیں، اور مستشرقین کا ٹولہ اسلام کے جس حکم پر اعتراض کرے اس حکم کو اسلام سے نکال دینا چاہیے۔یہ مطالبہ کرنے والے بعض لوگ بظاہر اسلام کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے گمان میں وہ اسے بدنامی سے بچانا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہی خیر خواہی اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔اسلام دشمن مستشرقین کا شروع سے طریقہ ہی یہی رہا ہے کہ اسلام کے بنیادی احکامات پر اس قدر شدت سے اعتراضات کیے جائیں کہ عام مسلمان گھبرا جائیں اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان شرم سے سر جھکا کر ندامت سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کرنے لگ جائیں۔ان کی مثال ان افراد جیسی ہے جن کے اپنے ناک کٹے ہوئے ہوں اور پھر جب کوئی ناک والا شخص ان کے درمیان چلا جائے تو وہ اس کی ناک کا اس قدر مذاق اُڑائیں کہ بالآخر وہ بھی ناک کٹوانے پر تیار ہو جائے۔چنانچہ کافروں کے بڑے بڑے عہدیدار ہمارے مسلمانوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کہتے ہیں: یار! ہمیں اسلام بہت پسند ہے لیکن اس میں جو جہاد کا مسئلہ ہے وہ اگر نہ ہوتا تو اچھا تھا۔چاہیے تو یہ کہ جس مسلمان کے سامنے اس طرح کی بات کی جائے وہ شرمانے، گھبرانے یا ندامت ظاہر کرنے کی بجائے صاف کہہ دے کہ اسلام تو بغیر جہاد کے اسی طرح نامکمل ہے جس طرح امریکہ اپنی فوجوں اور عسکری طاقت کے بغیر، اور وہ دین ہی کیا جس میں اپنے دفاع کی طاقت نہ ہو اور جس میں اپنے صالح مشن کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو اکھاڑ پھینکنے کی صلاحیت نہ ہو۔لیکن عام

طور پر ایسا نہیں ہوتا، بلکہ جس مسلمان کے سامنے اس طرح کی بات کی جاتی ہے اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خالی ہوتا ہے، جبکہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے گورے رنگ کے کافر اور اس کے عہدے اور مال کی عظمت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، چنانچہ وہ شرما جاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے اور یوں معذرت کرتا ہے گویا کہ جہاد ایک جرم تھا جو قرآن میں لکھا گیا، جہاد ایک غلطی تھی جو نعوذ باللہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوئی، اور اس بیچارے مسلمان کو اب اس جرم اور غلطی کی وجہ سے ایک انگریز کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کاش!

مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قرآن کا علم اور سنت کا نور جگمگائے، تب انہیں معلوم ہوگا کہ اعتراض کرنے والا یہ انگریز کوئی عقل مند شخص نہیں، بلکہ پرلے درجے کا کم عقل بے وقوف ہے۔ خود قرآن مجید اس کی بے وقوفی کا اعلان ان الفاظ میں فرماتا ہے:

④ وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ	”ملت ابراہیمی (یعنی اسلام) سے صرف وہی روگردانی کرسکتا ہے جو نہایت بے وقوف ہو“[1]

ان یہود و نصاریٰ کو ملت ابراہیمی کی دعوت دی گئی، مگر ان دنیا پرست ظالموں نے دنیا کی حقیر زندگی اور یہاں کے فانی عیش کے بدلے اپنی آخرت کو برباد کر دیا اور ایمان کی بجائے کفر کو اختیار کیا۔ کیا آج کا مسلمان ان بے وقوفوں سے مرعوب ہوتا ہے؟ کیا یہ عقلمندی ہے کہ ہم کسی گورے کافر کے جہاد پر اعتراض کرنے سے گھبرا کر اپنے عسکری اور دفاعی نظام سے محروم ہو جائیں؟ کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم کسی کافر کی زبان سے اسلام کے لیے دو تعریفی کلمات سننے کے لیے پردے کے منکر بن جائیں اور اپنی ماؤں اور بہنوں کو بے پردہ کرکے سڑک پر لا کھڑا کریں؟

[1] [البقرہ:۱۳۰]

کاش!

مسلمان اس بات کو سمجھیں کہ ہمارے دین کے سچا ہونے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دے دی ہے، وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ خود منتخب فرمایا ہے اور اسے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہمیں اسلام کے اچھا ہونے کے لیے نہ تو نرسمہاراؤ جیسے مشرک کی تصدیق کی ضرورت ہے اور نہ بل کلنٹن جیسے گندے قاتل و کافر کی۔ بلکہ سچا اسلام تو وہی ہے جو ان اسلام دشمن کافروں کو برا لگتا ہے اور انہیں کھٹکتا ہے۔ قرآن کریم کی درجنوں آیات اس پر گواہ ہیں۔ چنانچہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ہمیں اسلام سے دور کر دیں یا کم از کم اسلام کے کسی حکم سے دور کر دیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

⑤ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔	”بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں۔“[1]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⑥ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ	”اور ان (یہود و نصاریٰ کافروں) سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں۔“[2]

مگر افسوس! آج انہی کافروں کی مادی ترقی کا تذکرہ کر کے اسلام کے کئی احکامات اور امور کے انکار کی ترغیب اور دعوت دی جاتی ہے، اور بار بار یہ جملہ دُہرایا جاتا ہے کہ دنیا چاند تک جا پہنچی ہے جبکہ ہمارے علماء ابھی تک چودہ سو سال پرانی باتیں کر رہے ہیں۔ اور یہ فضول جملہ اس قدر طمطراق کے ساتھ دُہرایا جاتا ہے کہ اچھے خاصے لوگ اسے سن کر شرمندہ ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی داڑھی اور اپنا اسلام برا لگنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ دُنیا تو ابھی صرف چاند ہی پر پہنچی ہے جبکہ شیطان

[1] [البقرہ:۱۰۹] [2] [المائدہ:۴۹]

تو بہت پہلے آسمانوں کے اوپر جا چکا ہے اور اب بھی اس کے چیلے آسمانوں تک جانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ شیطان آسمانوں تک پہنچ چکا ہے چنانچہ تم بھی شیطان بن جاؤ اور شیطانی سوچ اور شیطانی حلیہ اختیار کرلو۔ اسی طرح آج تک کسی نے یہ دعوت نہیں دی کہ دیکھو مکھی تو ہوا میں اڑ رہی ہے جبکہ ہم ابھی تک نہیں اڑ سکتے، اس لیے مکھی کی طرح گندگی پر بیٹھنا شروع کرو، تاکہ تم بھی اڑ سکو۔ بالکل اسی طرح آج کے کافروں کی مادی ترقی کا سبب بھی نہ تو ان کا کفر ہے، اور نہ ان کی گندی تہذیب، جسے اختیار کرنے کے لیے ہمیں اپنے دین کا انکار کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ کیا دین سے داڑھی کو نکال دینے یا سود کو حلال کرنے یا اسلام کے عدالتی نظام کو ختم کرنے سے ہم چاند تک پہنچ جائیں گے؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ بے شک! اسلام کے احکامات یا ضروریات دین کا انکار کر کے نہ تو ہم ترقی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ معاشی خوشحالی۔ البتہ اگر ہم پورے مسلمان بن جائیں اور اسلام کے ایک ایک حکم کو زندہ کریں اور اسلامی طریقے پر متحد ہو کر ایک امیر کی قیادت میں جہاد کریں تو پھر ہم ہی اس زمین کے مالک ہوں گے۔ پھر ہماری مرضی ہوگی کہ ہم چاند پر جانے جیسے فضول کام کریں یا نہ کریں۔ آج ہماری پستی اور ذلت کا سبب اسلام سے دوری ہے اور اُلٹا یہ ملحدین ہمیں کہہ رہے ہیں کہ اسلام کے فلاں فلاں حکم کی وجہ سے ہماری ترقی رکی ہوئی ہے، اس لیے ہمیں اپنے دین میں مزید تبدیلیاں کرنی چاہئیں ؎

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب ◄ اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مادہ پرستی کے اس دور میں الحاد کی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب بھی کچھ مسلمان اسلام کے ان احکامات کو زندہ کرتے ہیں، جو اسلام کا حصہ ہیں مگر کافروں کو ناپسند ہیں تو مسلمانوں کا الحاد زدہ طبقہ فوراً یہ واویلا شروع کر دیتا ہے کہ اسلام بدنام ہوگیا، اسلام بدنام ہوگیا۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اسلام کن کے ہاں بدنام ہوگیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ عالمی رائے عامہ، اقوام متحدہ اور امریکہ وغیرہ کے حکمرانوں اور عوام کی نظروں میں اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ یعنی گویا کہ

اسلام پہلے تو امریکہ اور اقوام متحدہ کے حکام کے ہاں بہت مقبول اور پسندیدہ تھا اور وہ دھڑا دھڑ اسلام قبول کر رہے تھے اور نمازیں پڑھ رہے تھے، بلکہ تہجد گزار بنے ہوئے تھے، لیکن جب کچھ مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کیا یا پردے کا حکم نافذ کیا تو امریکی صدر نے نماز اور تہجد چھوڑ دی اور اسلام چھوڑ کر دوبارہ عیسائیت اختیار کرلی۔ اسلام کی بدنامی کا رونا رونے والے احساسِ کمتری کا شکار یہ الحاد زدہ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر اسلام امریکی صدر یا وہاں کے اکثر عوام کے ہاں مقبول ہوتا تو اسے ضرور قبول کر لیتے، لیکن وہ لوگ تو فطرت کے دشمن ہیں، وہ اسلام کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں؟ اسی طرح یہ الحاد زدہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ خود انہوں نے کافروں کو راضی کرنے کے لیے جس تحریف شدہ اسلام کو پیش کیا ہے اسے کتنے کافروں نے اب تک قبول کرلیا ہے؟ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ دہلی کے ملحد کی تحریروں کو اور ان کی اسلام کے بارے میں تشریح کو وزیراعظم ہند نرسمہا راؤ نے پسند کیا ہے اور اسے خوب سراہا ہے اور اس کے عوض میں کچھ انعام بھی دیا ہے، لیکن ہم نے آج تک یہ نہیں سنا کہ نرسمہا راؤ نے اس نئی اور بظاہر امن پسندانہ اسلامی تشریح کو پڑھ کر اسلام قبول کرلیا ہے۔ واضح بات ہے کہ نرسمہا راؤ نے اسلام کو پسند نہیں کیا اس لیے وہ ابھی تک اپنے کفر و شرک پر ڈٹا ہوا ہے، البتہ اسے یہ بات اچھی لگی ہے کہ مسلمان کہلانے والا ایک شخص اسلام کو بدل رہا ہے اور مسلمانوں کو غلامی اور شرک کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور انہیں جہاد کے اس فریضے سے روک رہا ہے جس کی بدولت ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے ہند پر حکومت کی۔

موجودہ دور میں الحاد کے پھیلنے کی ایک عام وجہ مسلمانوں کی دین سے دوری اور جہالت ہے چنانچہ جو شخص بھی اسلاف کو گالیاں دے کر کوئی نیا دین لے کر کھڑا ہوتا ہے چند لوگ فوراً اس کی حمایت میں دستیاب ہو جاتے ہیں اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے وہ اسلاف جنہوں نے دین کی خاطر بے حد قربانیاں دیں اور دنیا پر اسلام کے سکے کو جاری کیا اور جنہوں نے نہایت محنت سے

قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کی، جب وہ دین کو نہیں سمجھے تو غلامی کے اس دور میں انگریز کی تعلیم گاہوں سے فارغ ہونے والے ان ڈاکٹروں اور پروفیسروں نے کہاں سے دین کو سمجھ لیا؟

اسی طرح لوگوں کو یہ دعوت دینا کہ وہ جاہل ہونے کے باوجود قرآن وسنت کے ماہر مجتہدین کرام کی تقلید نہ کریں، الحاد کی پہلی سیڑھی ہے، کیونکہ جاہل آدمی خود تو پورے دین کی تحقیق کر نہیں سکتا اور جب وہ ان ائمہ کرام کی تقلید بھی نہیں کرے گا جنہوں نے قرآن وسنت کو خوب اچھی طرح سمجھا اور صدیوں سے امت ان کی تقلید کرتی چلی آرہی ہے تو لازماً ایسا شخص گمراہی کی طرف بڑھے گا اور جہاں تک شیطان اسے گھسیٹے گا وہاں تک جا پہنچے گا۔

اسی طرح ان فروعی مسائل کو جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا، بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور انہی کو حق و باطل کا معیار قرار دینا اور کسی ایک مؤقف کی تائید میں چیلنج بازی اور اشتہار بازی کرنا، یہ بھی گمراہی کی ایک قسم ہے، اور آج اُمت کا ایک طبقہ اس گمراہی میں مبتلاء ہو کر چھوٹے چھوٹے نفس پرست دھڑوں میں بٹتا جا رہا ہے۔

اسی طرح دین کے احکامات کے متعلق عملی طور پر اپنی طرف سے یہ تفریق کرنا کہ پہلے فلاں حکم ہے اور پھر فلاں حکم، چنانچہ جب تک فلاں حکم پورا نہیں کریں گے اس وقت تک دوسرے نمبر والے حکم کی طرف توجہ نہیں دیں گے، یہ بھی ایک الحاد اور دین میں نقصان کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کا مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم، دین کے ہر واجب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر سنت پر عمل کرنا اس کے ایمان کا امتحان ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دنیا میں اسلام نافذ کرنے کو تو اہم سمجھے اور اس کی خاطر کچھ نہ کچھ محنت کرے، لیکن خود کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کو ایک ثانوی چیز سمجھ کر اس سے غفلت کرتا ہے تو یہ شخص دین کے سمجھنے میں بھی غلطی کر رہا ہے اور خود اپنا بھی بہت بڑا نقصان کر رہا ہے۔

اسی طرح یہ نعرہ لگانا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کافی ہے اور ہمیں حدیث شریف کی

ضرورت نہیں، یہ بھی بدترین الحاد اور یہودیوں کی بیماری ''تفریق فی الایمان'' کا واضح اثر ہے۔

اسی طرح حدیث شریف کی بعض کتابوں مثلاً بخاری شریف اور مسلم شریف کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ قرآن سے بھی بڑھ کر ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے قرآن کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، یہ بھی الحاد کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ پورا دین بخاری اور مسلم میں ہے اور ان احادیث کو اہمیت نہ دینا جو ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہیں، یہ بھی گمراہی اور الحاد کی قسم ہے۔ مؤمن کے لیے تو ہر وہ بات بھرپور اہمیت رکھتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو خواہ وہ کسی کتاب میں ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح اجماع امت کا انکار کرنا اور ان مسائل میں الگ رائے رکھنا جن مسائل پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے، یہ بھی گمراہی ہے اور اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگ بعض اوقات اپنی گمراہی میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ پھر نسلی کافر بھی ان سے شرماتے ہیں۔

آخری گزارش

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں دین اسلام کی صورت میں ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا ہے اور اس دین میں ہمارے لیے سب کچھ ہے۔ دنیا جہاں بھی پہنچ جائے، جہاں بھی چڑھ جائے، جہاں بھی گر جائے، اسلام کسی حال میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں چھوڑتا، بلکہ ہر وقت اور ہر موقع پر ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ البتہ بدقسمت مسلمان کئی مقامات پر اسلام کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام ایک عظیم الشان نعمت ہے اور اس میں ہمارے لیے خیر ہی خیر ہے، اور اسلام کے دامن کو چھوڑنے میں ہمارے لیے تباہی ہی تباہی ہے۔ ہم سے پہلے یہودیوں نے اپنے دین میں تفریق کی، کچھ مانا کچھ نہ مانا، کچھ کھایا کچھ تھوکا، چنانچہ وہ برباد ہو گئے۔ مگر آج یہ بیماری ہماری طرف منتقل ہو رہی ہے۔ ہم میں سے بہت ساروں نے دین کے بنیادی اور اہم امور کا انکار کرنا

شروع کر دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس بیماری سے نجات حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے پورے دین کو اسی طرح مانیں جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔ اور اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اسلام کے کسی حکم پر عمل نہ کرسکیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اس حکم کو نہ ماننے یا اس میں تاویلیں کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ استغفار کریں کہ یا اللہ! فلاں حکم بے شک تیرے دین کا حکم ہے لیکن میں اپنی کمزوری، کم ہمتی، بزدلی یا نفس پرستی کی وجہ سے تیرے اس حکم کو پورا نہیں کر پا رہا، اے ارحم الراحمین! مجھے معاف فرما دے۔

اُمید ہے کہ اگر ہم توبہ، استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم پر نظر کرم فرمائے گا اور ہمیں کامل اتباع کی توفیق مل جائے گی، لیکن اگر ہم لوگوں کی اکثریت کو گمراہی پر دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور ہم نے دین کے حکم کا انکار کر دیا تو ہم تباہی اور گمراہی کے گڑھوں میں جا گریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○

’’اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا راستہ بھلا دیں گے، یہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔‘‘[1]

کاش!

جمہوری معاشرے کی مجبوری کا بہانہ بنا کر دین کے احکامات کا انکار کرنے والے قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھیں اور اس میں غور کریں۔

اسی طرح اے مسلمان بھائیو! بے شک آج اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر طرف اڑتے پھر رہے ہیں، لیکن ان کا یہ اقتدار عارضی ہے، جس دن دنیا کے اکثر مسلمان حقیقی مسلمان بن

[1] [انعام:۱۱۶]

گئے، وہ دن کافروں کے اقتدار کا آخری دن ہوگا۔ کیونکہ ایسے مسلمانوں کے لیے میدان جہاد میں آسمان سے فرشتے اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی باقی مخلوقات بھی ان کا تعاون کرتی ہیں۔ چنانچہ آج کافروں کا اڑتے پھرنا ہم پر ایسا رعب نہ ڈال دے کہ نعوذ باللہ ہم اسلام کے کسی حکم کو حقیر سمجھنے لگیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

⑧ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۝	”کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکا نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔“[1]

آج مسلمان ان کافروں کی گوری چمڑی اور ظاہری فیشن سے گھبرا کر اپنا دین چھوڑنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ کافر جہنمی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ خنزیر اور نالی کے چوہے سے بھی بدتر ہیں۔ کیا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان کے رعب میں آ کر یا ان کے خوف میں مبتلاء ہو کر یا دنیا کی تھوڑی سی راحت کی خاطر اسلام کے احکامات کا انکار کریں اور دین کو بدلیں؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ مسلمانوں کو تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح دین کے ایک ایک حکم کا محافظ بن جانا چاہیے، اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی طرح یہ اعلان کرنا چاہیے:

إِنِّيْ لَمْ أَكُنْ لِأَدَعَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِهٰذِهِ الْأَعَاجِمِ

”میں ان عجمیوں کی خاطر اس چیز کو نہیں چھوڑ سکتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی“[2]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے زمین پر گرنے والا لقمہ اٹھانا چاہا تو بعض خیر خواہوں نے روکا کہ اس سے مسلمانوں کی بدنامی ہوگی۔ تب انہوں نے مذکورہ بالا تاریخی کلمات ارشاد فرمائے۔ بے شک! ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کا عاشق اور آخرت کا

[1] [آل عمران: ۱۹۶، ۱۹۷]

[2] [سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۳۲۷۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

طلب گار ہو اس کے نزدیک تو دنیا کی ترقی اور اس کے اسباب غلاظت کے ڈھیر کی طرح ہیں، تو وہ کسی کے پاس زیادہ غلاظت دیکھ کر کس طرح متاثر ہوسکتا ہے؟ جبکہ اس کے مالک نے اسے کافروں کے مال و دولت کی حقیقت بتلادی ہے۔

خلاصہ اس پوری گفتگو کا یہ ہے کہ ہم سب مسلمان پورے دین کو مانیں اور پورے دین پر عمل کریں، اور اگر دین کے کسی حکم پر عمل نہ کرسکیں تو خوب ندامت کے ساتھ توبہ کریں، استغفار کریں، لیکن دین کے کسی حکم کا ہرگز ہرگز انکار نہ کریں۔



یہودیوں کی چوتھی بیماری

خواہشاتِ نفس کو معبود بنانا

''مخلوق میں جو فتنے، جو خرابیاں، جو گمراہیاں اور جو گناہ واقع ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، ان کی بنیاد نفس اور نفس کی خواہش ہوتی ہے۔ ''نفس امارہ'' نہایت نقصان دہ دشمن ہے اور اس کی آفات نہایت سخت ہیں۔ اس کا علاج بہت مشکل اور اس کی بیماری نہایت خطرناک ہے اور اس کی دوا سب دواؤں سے دشوار ہے۔ یہ وہ دشمن ہے جو انسان کے دونوں پہلوؤں میں چھپا بیٹھا ہے''۔ [1]

پس جس نے بھی اپنے آپ کو نفس کے حوالے کر دیا وہ تباہ و برباد ہو گیا، کیونکہ نفس امارہ انسان کا دشمن ہے اور اس کی خواہشات بے انتہاء ہیں اور وہ ان چیزوں کی دعوت دیتا ہے جن میں انسان کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ یہودیوں کی بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معبود اور پیغمبروں کو مطاع بنانے کی بجائے اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔ حالانکہ ان کے لیے آسمان سے کتاب اتر چکی تھی اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ ان کے لیے بہترین موقع تھا کہ وہ کتاب اللہ کے نور اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ صحبت کے ذریعے اپنے نفوس کا تزکیہ کرواتے، اور دلوں کی اصلاح کرواتے اور نفس امارہ کی حیوانیت سے نجات پاتے۔ لیکن یہودی بدقسمت تھے، انہوں نے کتاب اللہ اور انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنے نفوس کو تو رذائل اور بیماریوں سے پاک نہ کیا، البتہ اللہ تعالیٰ

[1] [منہاج العابدین۔ ص: ۱۴۴، ط: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت]

کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنے نفس کی گندگیوں سے آلودہ کر دیا، اور اپنے نفس کی حیوانی خواہشات کے تحت کتاب اللہ تک کو بدل ڈالا۔ ان میں سے جنہوں نے علم دین پڑھا وہ بھی اپنے دل کی گندگی اور نفس کی رکاوٹوں کی وجہ سے اس علم کو اپنے دل تک نہ پہنچا سکے، بلکہ وہ ان گدھوں کی طرح رہے جن پر چند کتابیں لاد دی گئی ہوں، کَمَا فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی :

(۱) مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ

''جن لوگوں پر تورات لادی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اُٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔''[۱]

کیا خوبصورت مثال قرآن مجید نے پیش فرمائی ہے کہ گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں تب بھی گدھا گدھا ہی رہتا ہے۔ علم کی کتابیں لادنے سے عالم، حکمت کی کتابیں لادنے سے حکیم اور ڈاکٹری کی کتابیں لادنے سے وہ ڈاکٹر نہیں بن جاتا، اور نہ ہی گدھا اپنے اوپر لادی ہوئی کتابوں کے مضامین کا کوئی اثر قبول کرتا ہے۔ گدھے پر اگر فرمانبرداری کے فضائل کی کتابیں لاد دی جائیں تب بھی وہ ضد اور ہٹ دھرمی نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح قناعت اور شرافت کے موضوع پر اثر انگیز مضامین لکھ کر گدھے کی پیٹھ پر رکھ دیئے جائیں تب بھی اس کی نگاہیں بھوکی اور دوسری خواہشات کے پورا کرنے کی جستجو میں لگی رہیں گی۔ بالکل یہی حالت یہود کے علماء کی تھی اور قیامت تک کے نفس پرست علماء کی رہے گی کہ علم و حکمت کے رٹے رٹائے الفاظ اور نفس پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرنے کے مضامین تو انہیں یاد ہوتے ہیں، مگر خود ان پر ان الفاظ اور مضامین کا اثر نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا نفس امارہ انہیں صرف برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے اور علم کو ان کے دل میں نہیں اترنے دیتا، بلکہ اس طرح کے نفس پرست عالموں کا علم ان کے گندے نفس سے مل کر خود گندہ ہو جاتا ہے، اور ان کے لیے اور ان کے متبعین کے لیے زہر بن جاتا ہے۔ ہر چہ گیرد علتے علت شود۔

---

[۱] [الجمعہ:۵]

عارف رومی فرماتے ہیں؎

علم چوں بر تن زنی مارے بود
علم چوں بر دل زنی یارے بود

''یعنی علم کو اگر جسم پالنے کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ سانپ بن جاتا ہے اور اگر علم کو دل میں اتارا جائے تو وہ بہترین یار بن جاتا ہے۔''

یہودیوں کا علم ان کے لیے یار نہیں مار (سانپ) بن گیا۔ انہوں نے اس علم اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی بدولت اپنے نفس کو تکبر، حسد، لالچ، حرص، انانیت، عجب اور ریا کاری سے پاک نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے غصے اور جنسی میلانات میں اعتدال پیدا نہیں کیا، بلکہ ان کے نفس نے انہیں ہلاکت کے جس گڑھے کی طرف ہانکا وہ اسی کی طرف لپک پڑے۔ بس پھر کیا تھا؟ نفس امارہ نے انہیں کہیں کا نہ رکھا اور انہیں ایسا کر دیا کہ جانور بھی دیکھیں تو شرما جائیں۔ نہ قوتِ غضبیہ میں اعتدال، نہ قوت شہویہ میں۔ نفس نے غصے میں ڈالا تو ان بدبختوں کی تلواریں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خون سے رنگین ہوگئیں، اور جب نفس نے شہوت کو اُبھارا تو پھر انہوں نے وہ کچھ کیا کہ سؤروں اور کتوں کو بھی شرم آنے لگی، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حرص نے انہیں پاگل کر دیا اور حسد کی آگ نے ہمیشہ ان کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کیے رکھا۔ یہودی نفس کے ہاتھوں بار بار ذلیل ہوئے، مگر افسوس! پھر بھی انہوں نے اس ظالم دشمن کو نہیں پہچانا، وہ بار بار نفس کی وجہ سے ہلاکتوں کا شکار ہوئے پھر بھی انہیں اس نفس کے تزکیہ اور اصلاح کا خیال نہ آیا، بلکہ وہ تو آسمان سے نازل ہونے والے احکامات اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم تک کو اپنے گندے نفس کی عدالت میں کھڑا کرتے رہے۔ قرآن مجید یہودیوں کی اس خطرناک بیماری کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

۲ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝

''جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا نفس (جی) نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور کچھ انبیاء کو جھٹلاتے رہے اور کچھ کو قتل کرتے رہے۔''[1]

یعنی نفسانی خواہشات اس قدر غالب تھیں کہ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی ایسی بات کا حکم فرماتے جو نفس کے خلاف ہوتی تو اپنے نفس کی مخالفت کر کے اسے پاک کرنے اور سنوارنے کی بجائے وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرنے لگتے اور ان خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھ کر شہید کر ڈالتے۔ بے شک! نفس کی پیروی انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دیتی ہے اور اندھا کر دیتی ہے، ورنہ قتل انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) جیسے عظیم جرم کا تو کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جس طرح نفس کا اندھا پن حلال اور حرام میں فرق نہیں کرنے دیتا بلکہ آدمی کو پیشاب اور شراب تک پلا دیتا ہے اور سود اور رشوت تک کھلا دیتا ہے، اسی طرح نفس کا اندھا پن بعض اوقات بیوی اور بیٹی میں تفریق نہیں کرتا اور زمین پر وہ گناہ ہو جاتا ہے جس سے آسمان بھی لرزتا ہے۔ اسی طرح نفس کا اندھا پن دوست اور دشمن کی حقیقی پہچان ختم کر دیتا ہے، چنانچہ وہ ہستیاں جن کے سامنے آواز بلند کرنا بھی گناہ ہے، اُن لوگوں کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپا دی جاتی ہیں جن لوگوں کو ناکامی سے بچانے کے لیے وہ ہستیاں تشریف لاتی ہیں۔

اسی مفہوم کو دوسری جگہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

۳ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ۝

''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے، (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔''[2]

---

[1] [البقرہ:۸۷] [2] [المائدہ:۷۰]

''غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گزرے اور اپنی رائے اور خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنا دے، ورنہ صرف ان چیزوں کو مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں یہ کونسا کمال ہے؟'' [1]

یہود کی نفس پرستی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اتنے بڑے بڑے گناہ کرنے کے باوجود بھی وہ یہی چاہتے تھے کہ بس ہر طرف ان کی تعریف کے ڈنکے بجائے جائیں اور لوگ ان کے ادب و احترام میں جھکے رہیں اور ان کے علم کا بھی خوب احترام کریں اور ان کاموں پر بھی ان کی تعریف کریں جو انہوں نے نہیں کیے ہوتے تھے۔ قرآن مجید ان کی نفس پرستی کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

(۴) لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

''جو لوگ اپنے (ناپسندیدہ) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں ان کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے، ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے، اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔'' [2]

''یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں کے کچھ علماء کو بلوایا اور ان سے کوئی ایسی بات پوچھی جو تورات میں مذکور تھی، مگر انہوں نے دن کی روشنی میں اس بات کو چھپایا اور جھوٹ بول دیا اور پھر اپنے اس کارنامے پر خوش خوش واپس لوٹے اور اپنے چیلے چانٹوں سے اپنے لیے اس حرکت پر تعریف کے بھی طلب گار ہوئے''۔ [3]

اس واقعے پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، جس میں عمومی طور پر یہودیوں کے ''نفس امارہ'' کی موٹائی کو ناپا گیا ہے اور یہ اعلان فرما دیا گیا ہے کہ ایسے ظالم نفس کو پالنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے جہنم کا ایندھن ہی بن سکتے ہیں۔ اور ''هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ'' کی حریص جہنم ہی ان کی

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۵۵۵،ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [آل عمران:۱۸۸]
[3] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث:۴۵۶۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

عزت، شہرت اور مال کے حریص نفس کا مسکن بن سکتی ہے۔ یہودیوں کی نفس پرستی کو قرآن مجید نے جگہ جگہ مختلف اسلوبوں سے بیان فرمایا ہے، یہاں تک کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے اس مذہب کو جس کی طرف وہ دوسروں کو دعوت دیتے تھے، خواہشات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کے الفاظ:

۵ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

''اور تم سے نہ یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کو اختیار کرلو۔ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے، اور (اے پیغمبر!) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی) کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔'' [۱]

ایسی آیات جن میں یہودیوں کے مذہب اور ان کے افکار و عقائد کو ''اھواءِ نفسانی'' قرار دیا گیا ہے بہت ساری ہیں (مثلاً: سورۂ بقرہ، آیت: ۱۴۵، سورۂ مائدہ، آیت: ۴۸، سورۂ رعد، آیت: ۳۷) ان تمام آیات میں عموماً اور مذکورہ بالا آیت میں خصوصاً اگر آپ غور کریں تو یہود کی حد سے بڑھی ہوئی نفس پرستی کے کئی بھیانک پہلو سامنے آئیں گے، مثلاً آیت کی ابتداء میں یہ کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت یعنی ان کے مذہب کو اختیار نہیں کریں گے۔ جب کہ آیت کے دوسرے حصے میں فرمایا گیا کہ اگر آپ نے ان کی ''اھواء'' یعنی ''نفسانی خواہش'' کی پیروی کی تو آپ کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں نے تو اپنے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت دی تھی نہ کہ اپنی خواہشات نفس کے اتباع کی؟ جواب بالکل واضح ہے کہ یہودی جس چیز کو اپنی ملت اور مذہب سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں آسمان سے نازل ہونے والا مذہب نہیں ہے بلکہ وہ تو ان کے نفس کی خواہشات کا

[۱] [البقرہ: ۱۲۰]

مجموعہ ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے نفس امارہ کے ناجائز اور حرام تقاضوں پر مذہب وملت کو اس قدر قربان کیا کہ اصل مذہب اور دین پورا کا پورا تباہ و برباد ہوگیا۔ انہوں نے اس کے بعض حصے کو بدل دیا، بعض کی غلط تاویل وتفسیر کر کے اس کی اصلیت کو ختم کر دیا اور بعض کو اپنی حالت پر رکھ کر صرف غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ چنانچہ اس طرح کے مذہب اور ملت کو ''اھواء'' یعنی ''خواہشات نفسانی'' کا مجموعہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو بھی اس بات کی ترغیب ہے کہ چونکہ یہود ونصاریٰ کے پاس اب کوئی اصل دین باقی نہیں رہا، اس لیے اگر وہ دین اور مذہب کے نام پر یا کتابوں کے حوالے دکھا کر تمہیں گمراہ کرنا چاہیں تو تم ان کی باتوں میں نہ آؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذہب کو اھواء نفسانی قرار دے کر غیر معتبر فرما دیا ہے۔ ہاں! مذہب کا کچھ حصہ ان کے پاس اصلی حالت پر باقی ہے، لیکن اسے بھی وہ غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے وہ بھی معتبر نہیں رہا، البتہ اہل حق علماء کرام نے یہود ونصاریٰ کی کتابوں میں سے اس حصے کو چھانٹ کر یہود ونصاریٰ کے خلاف حجتیں قائم فرمائی ہیں اور میدان مناظرہ میں انہیں لاجواب کرنے کا انتظام فرما دیا ہے۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

اسی طرح اس آیت مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا گیا ہے کہ اگر وحی کے آجانے کے بعد آپ ان یہود ونصاریٰ کی اھواء کی پیروی کریں گے تو آپ کا کوئی یار ومددگار نہیں ہوگا۔ یہ خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے ساری امت مسلمہ کو ہے اور اس میں وحی اور یہود ونصاریٰ کی اھواء کو ایک دوسرے کے مقابلے پر ذکر فرمایا گیا ہے، جس میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے نفس کی پیروی کرنے کی وجہ سے وحی کی برکات سے محروم ہو چکے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس آسمانی وحی کو جو کامیابی کی ضمانت تھی اپنے گندے نفس کی غلیظ خواہشات کی وجہ سے قبول نہ کیا، بلکہ اسے ٹھکرا دیا، حالانکہ بلند آسمانوں کے اوپر سے آنے والی وحی ہی انسان کی عظمت اور بلندی کی ضامن ہے۔ یہی وحی انسان کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے اور انسان کو جنت کے قابل

بناتی ہے۔ یہی وحی انسان کو مضبوطی، قوت اور سلطنت عطاء کرتی ہے اور انسان کو تمام مخلوقات سے اشرف بناتی ہے۔ جبکہ نفس ہمیشہ انسان کو نیچے کھینچتا ہے اور مٹی سے بنی ہوئی چیزوں اور شخصیتوں کا حریص اور عاشق بنا کر تباہ و برباد کرتا ہے۔ پس جو وحی کی بلندی کو پالیتا ہے وہ نفس کی آلائشوں اور گندگیوں سے چھٹکارہ پالیتا ہے اور زمین پر رہتے ہوئے بھی آسمانی مخلوق سے افضل ہو جاتا ہے، لیکن جو شخص نفس کی غلاظت اور خارش کا شکار ہو جاتا ہے اور وحی کے نور کے ذریعے سے نفس کے اندھیروں اور ظلمتوں کو دور نہیں کرتا، وہ وحی کی برکات سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ پس آسمانی وحی پر عمل کرنا اور وحی پر عمل کرنے والوں کے ساتھ رہنا بھی نفس سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ وحی کے ہوتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ لوگ تو وحی کی برکات سے محروم ہیں اور اب جو بھی ان کی اتباع کرے گا وہ بھی اس عظیم الشان پاکیزہ نعمت سے محروم ہو جائے گا، اور یہودی یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ وحی کی برکات سے محروم ہو گئے ہیں اسی طرح مسلمان بھی محروم ہو جائیں، کیونکہ یہودی نفس پرست ہیں اور ہر نفس پرست اعلیٰ درجے کا حاسد اور حریص ہوتا ہے، اور وہ کتے کی طرح یہی چاہتا ہے کہ ہر چیز اسے ملے کسی اور کو نہ ملے، خواہ وہ خود اس چیز کو کھا سکے یا نہ کھا سکے۔ نفس پرست یہودی علماء بھی یہی چاہتے تھے کہ لوگوں کی واہ واہ اور نذرانے انہی کو ملتے رہیں اور وہ اس حرام کو کھاتے رہیں، اسی وجہ سے انہوں نے اسلام بھی قبول نہ کیا کیونکہ اسلامی احکامات ان کے نفس کے خلاف تھے اور انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے گرد جمے ہوئے معتقدین کے حلقے ٹوٹ جائیں گے اور حرام آمدن کا ذریعہ بند ہو جائے گا۔ ان کی نفس پرستی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وحی نازل ہو، یعنی خود تو وحی الٰہی کے منکر اور اللہ تعالیٰ کے گستاخ تھے مگر ان کا نفس پھر بھی یہی چاہتا تھا کہ دنیا میں بس وہی اکیلے اہل کتاب کہلوائیں اور ان کے علاوہ کسی پر وحی نازل نہ ہو اور نہ کسی

کو آسمانی کتاب ملے۔نفس پرستوں کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے اور تاقیامت رہے گا کہ وہ خود کسی منصب، یا گدی، یا مقام کا بھلے حق ادا ءنہ کرتے ہوں لیکن ان کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ منصب، گدی اور مقام بس انہیں کو ملا رہے اور کسی کو نہ ملے، یعنی یہ لوگ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے نفس کا پابند کرنا چاہتے ہیں ۔یہودیوں کی اس خصلت کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

۞٦۞ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

''جس چیز کے بدلے انہوں نے خود کو بیچ ڈالا وہ بہت بری ہے یعنی اس جلن سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے، تو وہ (اس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلاء ہو گئے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔'' [1]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۞٧۞ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○

''یا حسد کرتے ہیں اس پر جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے، تو ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عطاء فرمائی تھی اور عظیم سلطنت بھی بخشی تھی۔'' [2]

''یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے، اور ہمی کو لائق ہے۔اس لیے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر کو حکومت اور بادشاہت ہمی کو پہنچ کر رہے گی۔کیا یہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے تھے، سو یہ تو بالکل ان کی بیہودگی ہے۔'' [3]

[1] [البقرہ:۹۰] [2] [النساء:۵۴] [3] [تفسیر عثمانی۔ج:۱،ص:۴۱۱،ط:دارالاشاعت، کراچی]

قرآن مجید یہود کی نفس پرستی کے بڑے بڑے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ان میں سے بعض واقعات کا تذکرہ تو مستقل بیماریوں کی صورت میں ان شاء اللہ آگے آئے گا، جبکہ عمومی اندازے کے لیے مذکورہ بالا چند آیات کا تذکرہ ان شاء اللہ کافی ہے۔

اسلامی دعوت

نفس کا جب تک تزکیہ اور اصلاح نہ ہو وہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔یہودی اس دشمن کے ہاتھوں مار کھا گئے اور کھاتے رہیں گے۔جبکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے تزکیۂ نفوس اور تہذیبِ اخلاق کا بہت اعلیٰ انتظام فرما دیا اور اسے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت (تشریف آوری) کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد قرار دیا ہے۔خود تصور کیجئے! وہ نبی برحق جو مقصودِ تخلیق کائنات ہیں، انہیں جن کاموں کے لیے بھیجا جا رہا ہے اور جن کاموں کو ان کا مقصدِ نبوت قرار دیا جا رہا ہے وہ کام کس قدر اہم ہوں گے؟ آیئے! پہلے وہ آیات پڑھیں جن میں تزکیہ سمیت تمام فرائض نبوت کا تذکرہ ہے:

(۱) كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ○

”جس طرح ہم نے تم میں تمہی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں پاک بناتے ہیں اور کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔“[۱]

(۲) لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ

”اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ہے ایمان والوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو

[۱] [البقرہ:۱۵۱]

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور کتاب (اللہ) اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔'' ۱؎
③ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔'' ۲؎

مذکورہ بالا تینوں آیات میں اور سورۂ بقرہ آیت: ۱۲۹ (دعائے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں:

① تلاوت کلام اللہ......یعنی امت کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان میں بھی صحیح تلاوت کا ذوق پیدا فرمائیں۔

② تزکیہ......یعنی انہیں ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک فرمائیں۔یعنی ان کے نفوس کو ایسا مہذب کر دیں کہ وہ کفر و شرکت، عقائد باطلہ، عادات فاسدہ، غیر اللہ پر اعتماد اور روح کی تمام بیماریوں مثلاً تکبر، حسد، حرص، حب جاہ، حب مال وغیرہ سے پاک اور صاف ہو کر کامل انسان اور مکمل مسلمان بن جائیں۔

③ کتاب اللہ کی تعلیم......یعنی قرآن مجید کے معانی انہیں سکھلائیں، کیونکہ عربی جاننے کے باوجود یہ لوگ قرآن فہمی کے لیے تعلیم رسول کے محتاج ہیں۔

④ تعلیم حکمت......یعنی انہیں اپنی سنت کی تعلیم دیں۔عام طور پر حضرات مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے حکمت کے معنیٰ سنت، شریعت اور تفقہ فی الدین کے فرمائے ہیں۔ ۳؎

۱؎ [آل عمران: ۱۶۴] ۲؎ [الجمعہ: ۲] ۳؎ [حاشیہ جلالین۔ص: ۲۹، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک ''تعلیم کتاب'' سے مراد قرآن مجید کے وہ واضح معانی ہیں جو اس کی عبارت سے سمجھ آتے ہیں اور ''حکمت'' سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔[1]

ان آیات میں غور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ تلاوت کلام پاک اور کتاب وسنت کی تعلیم خود تزکیۂ نفس یعنی اصلاح کے بہترین ذرائع ہیں، لیکن پھر بھی تزکیہ کو مستقل طور پر ذکر کیا گیا ہے، اور مذکورہ بالا تینوں آیات میں تزکیہ کو تعلیم کتاب وسنت سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے چند امور نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئے:

(۱) ''تزکیہ'' یعنی اصلاح نفس ایک مستقل اور نہایت اہم فریضہ ہے، جو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم جیسے عظیم الشان نبی کے فرائض نبوت میں سے ہے۔

(۲) ''تزکیہ'' کے لیے تلاوت وتعلیم ہی کافی نہیں کہ صرف علم حاصل کر لینے یا صرف تلاوت کر لینے سے نفس کی مکمل اصلاح ہو جائے، بلکہ اس کے لیے مستقل تربیت اور نگرانی کی ضرورت ہے۔ چونکہ نفس ہر لمحے نئے پینترے بدل کر حملے کرتا ہے اور شیطان بھی اس نفس کو برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے، اس لیے نفس کی مکمل اصلاح لازمی ہے اور یہ اصلاح اپنی ہمت اور کسی کی نگرانی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اصلاحِ نفس کے لیے ایسے افراد کی صحبت ضروری ہے، جن کے نفوس کی اصلاح ہو چکی ہو اور وہ شریعت کے احکامات کی نفس کی مخالفت کے باوجود سختی سے پابندی کرتے ہوں۔

(۳) اگر صرف کتابیں پڑھ لینے سے یا اصلاح کے موضوع پر کوئی مقالہ پڑھ لینے سے نفس کی مکمل اصلاح ممکن ہوتی تو آسمان سے الہامی کتابیں پارسل کر دی جاتیں اور ہر شخص کو اس کی مادری زبان میں کتاب بھجوا دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ کتاب بھی نازل ہوئی اور کتاب کو سمجھانے کے لیے اور اس پر عمل کر کے دکھانے کے لیے نبی کو بھی بھیجا

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۱۱۹،ط: دارالاشاعت، کراچی]

گیا۔جس طرح زمین کو جب تک زائد جڑی بوٹیوں اور مضر جھاڑ کانٹوں سے صاف نہ کیا جائے اور پھر ہل چلا کر اسے نرم نہ کیا جائے، اس وقت تک اس میں بیج ڈالنا مفید نہیں ہوتا، خواہ وہ بیج کتنا ہی قیمتی اور اچھے معیار کا کیوں نہ ہو، اسی طرح نبی کو بھی یہ کام سونپا گیا کہ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کریں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ چنانچہ علم مفید وہی ہوتا ہے جو پاک دل و دماغ میں ہو، ورنہ علم تو یہودیوں کے علماء کے پاس بھی تھا، لیکن چونکہ انہوں نے اصلاح نفس کی طرف توجہ نہیں کی اس لیے ان کا علم ان کے لیے بالکل نفع مند نہ ہوا، بلکہ الٹا وبال جان بن گیا۔

 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تشریف لائے تو اس وقت پوری دنیا میں فرد بھی بگڑا ہوا تھا اور معاشرہ بھی۔لوگوں کے انفرادی حالات بھی بے حد خراب تھے اور اجتماعی معاملات بھی۔گھر کے اندر کا ماحول بھی تباہ ہو چکا تھا اور حکومتوں کا نظام بھی۔ان حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھیجا گیا، تاکہ ان سارے بگاڑوں کی اصلاح ہو سکے، اور چونکہ پوری دنیا میں عمومی طور پر غفلت، جہالت اور نفس پرستی کا دور دورہ تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو نصاب عطاء فرمایا گیا اس میں تلاوت کلام پاک کے ذریعہ غفلت کا، تعلیم کتاب وسنت کے ذریعے سے جہالت کا اور تزکیہ کے ذریعے نفس پرستی کا علاج تھا، اور یہ علاج خود اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا جو کہ بندوں کا خالق اور ان کے دلوں کا مالک ہے۔اور اس نصابِ شفاء کو جاری کرنے کی ذمہ داری مخلوق میں سب سے افضل فرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک کاندھوں پر ڈالی گئی، اور تاریخ گواہ ہے کہ یہ علاج کارگر رہا اور یہ نصاب ثمر آور رہا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرد کی ایسی اصلاح فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تربیت یافتہ افراد کی مثال نہ تو پہلوں میں ملتی ہے نہ پچھلوں میں، اور معاشرہ ایسا سدھرا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کا ''فخر انسانیت معاشرہ''

قیامت تک کے لیے ایک روشن مثال بن گیا۔ ''تلاوت'' ایسی ہوئی کہ غفلت کے پردے چاک ہو گئے اور اس تلاوت نے عقل کو روشن اور دل کو زندہ کر دیا اور اس روشنی میں روح کی پوشیدہ بیماریاں صاف نظر آنے لگیں۔ ''تزکیہ'' ایسا ہوا کہ لوگوں کے دل اور دماغ تک مسلمان ہو گئے اور نفوس امارہ ''نفوس مطمئنہ'' بن گئے اور انسانوں سے حیوانیت نکل گئی، اور ان کے اخلاق ایسے بلند ہوئے کہ فرشتوں کو رشک آنے لگا، اور نفس پرستی کی جگہ تقویٰ نے لے لی جو دنیاوی اور اخروی کامیابیوں کی مفتاح ہے۔ اور ''تعلیم کتاب وحکمت'' ایسی ہوئی کہ ہر طرف علم ہی علم اور فقہ ہی فقہ نظر آنے لگی، اور اس امت نے علم وفقہ کے میدان میں وہ ترقی کی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

۵ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو نصاب دیا گیا تھا، یعنی تلاوت کتاب اللہ، تزکیۂ نفوس اور تعلیم کتب وسنت، یہ نصاب قیامت تک کی انسانیت کے لیے ہے، اور یہی نصاب انسانوں کو انسان بناتا ہے، اور اس نصاب کے تینوں اجزاء انسانیت کے لیے لازمی عنصر ہیں، اور یہ تینوں اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، اور ان میں سے کسی ایک میں بھی خلل واقع ہوگا تو انسانیت خسارہ اٹھائے گی۔

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ نفس پرستی ایک بہت بڑی بیماری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کے خاتمے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھیجا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسانوں کو نفس پرستی کے ہلاکت خیز راستے سے بچائیں، اور ان کے نفوس کی اصلاح فرما کر انہیں تقویٰ کے روشن اور نجات دہندہ راستے پر چلائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفس کی حقیقت اور اس کی اچھی بری حالتوں کا بھی بیان فرمایا ہے، اور نفس کی اصلاح کی اہمیت، تقوے کے فضائل اور نفس کی پیروی کرنے کی خرابیوں کو بھی کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ نفس کی سب سے بدترین حالت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

﴿٤﴾ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

''اور میں اپنے جی کو پاک نہیں کہتا، کیونکہ نفس (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے، بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔''[1]

یہ نفس کی پہلی اور ذاتی حالت کا بیان ہے کہ نفس ذاتی طور پر ''امارہ بالسوء''، یعنی گناہوں اور برائیوں کی طرف بہت زیادہ بلانے والا ہوتا ہے۔ ایسا نفس ہمیشہ خواہشات، شہوات اور تقاضوں کی کثرت سے بے چین اور مضطرب رہتا ہے۔ اس کی مثال اس خارش زدہ کتے جیسی ہوتی ہے جسے کھجلی ستاتی ہے، مگر کھجانے سے یہ کھجلی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بس یہی حال اُس نفس کا ہے جس کی اصلاح نہ ہوئی ہو کہ وہ ہمیشہ گناہوں، شہوتوں اور برے تقاضوں پر انسان کو مجبور کرتا رہتا ہے، لیکن پھر بھی کبھی سیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا حکم پورا کر بھی دیا جائے تب بھی اس کی آگ نہیں بجھتی اور بالآخر یہ نفس جہنم کی آگ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ فرشتے اس طرح کے نفس کو موت کے وقت ان الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں:

اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَۃُ! اُخْرُجِیْ اِلٰی جَهَنَّمَ وَعَذَابٍ اَلِیْمٍ وَرَبٍّ عَلَیْكِ سَاخِطٍ۔

''اے خبیث نفس! چل جہنم اور دردناک عذاب کی طرف اس حالت میں کہ تیرا ربّ تجھ پر غضبناک ہے۔''[2]

ایسے ہی نفس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ أَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ۔

''تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔''[3]

[1] [یوسف:۵۳] [2] [الزهد لهناد بن السری، رقم الحدیث:۳۳۹ ط:دار الخلفاء الکتاب الاسلامی، الکویت]
[3] [کتاب الزهد الکبیر للبیهقی، رقم الحدیث:۳۴۳ ط:مؤسسة الکتب الشافیه، بیروت]

کسی شاعر کا قول ہے ؎

نَفْسِي اِلٰى مَا ضَرَّنِيْ دَاعِيْ ◂ يُكْثِرُ اَسْقَامِيْ وَ اَوْجَاعِيْ

كَيْفَ احْتِرَاسِيْ مِنْ عَدُوِّيْ اِذَا ◂ كَانَ عَدُوِّيْ بَيْنَ اَضْلَاعِيْ

''میرا نفس مجھے ان چیزوں کی طرف بلاتا ہے جن میں میرے لیے ضرر اور نقصان ہے، اور میرا نفس ہی میری بیماری اور درد کو بڑھاتا ہے۔ میں اپنے اس دشمن سے کیسے بچوں جو میرے پہلو کے درمیان چھپا بیٹھا ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم سے سوال فرمایا:

''ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اس کا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلا اور مصیبت میں ڈال دے اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا ننگا رکھو تو وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے؟''

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم نے عرض کیا:

یارسول اللہ! اس سے زیادہ برا تو دنیا میں کوئی ساتھی ہو ہی نہیں سکتا۔''

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے۔''[1]

ایک حدیث میں ہے کہ ''تمہارا سب سے بڑا دشمن خود تمہارا نفس ہے، جو تمہیں برے کاموں میں مبتلاء کر کے ذلیل و خوار بھی کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں بھی گرفتار کر دیتا ہے۔''[2]

ان تمام حالات کے پیش نظر قرآن مجید نے ''اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ'' کا جامع لفظ اختیار فرمایا ہے۔

[1] [تفسیر قرطبی۔ج:۹، ص:۲۱۰، ط:دار الکتب المصریۃ، القاھرۃ]

[2] [معارف القرآن۔ج:۵، ص:۸۶، ط: مکتبہ معارف القرآن، کراچی]

''اَمَّارَۃ'' مبالغہ ہے ''اٰمِرَۃٌ'' کا یعنی بہت حکم کرنے والا، بار بار حکم کرنے والا اور خوب اُبھارنے والا...... ''بِالسُّوْءِ'' برائی پر...... ''اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو انسان اس ظالم اور گھر کے بھیدی دشمن سے بچ سکتا ہے ورنہ نفس کی آگ بجھائے نہیں بجھتی۔

یہ تو تھا نفس کی پہلی حالت کا بیان۔

جبکہ دوسری حالت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

⑤ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ○

''(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم کو روز قیامت کی قسم اور نفس لوامہ کی قسم! (یعنی اس نفس کی قسم جو برائی پر ملامت کرتا ہے)''۔[1]

یعنی جب انسان اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے نفس کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھتا ہے، اور نفس میں موجود بیماریوں کا پتہ لگا کر ان کے علاج کی کوشش کرتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ فطرت سلیمہ پر آجاتا ہے۔ تب اس کا نفس اسے ماضی اور حال کی برائیوں پر خوب ملامت کرتا ہے، اور اس میں احساس ندامت پیدا کر کے اسے توبہ کی بلندی پر لے جاتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ اس حالت کے اعتبار سے ایسے نفس کو ''لَوَّامَۃ'' یعنی ''بہت زیادہ ملامت کرنے والا'' کہتے ہیں۔

''نفس لوامہ'' کی چند علامات یہ ہیں:

① اپنی غلطی کا احساس ہونا۔

② اپنی غلطی کو واقعی غلطی سمجھنا۔

③ اپنے گناہوں اور غفلتوں پر نادم ہونا۔

④ اپنی نیکیوں کو مالک کا فضل سمجھنا اور انہیں ذاتی خوبی سمجھ کر ان پر نہ اترانا۔

⑤ باوجود بھلائیوں، نیکیوں اور خوبیوں کے اپنے نفس کو پاک نہ سمجھنا، بلکہ ہر وقت

[1] [القیٰمۃ:۱،۲]

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔

⑥ نفس کے دوبارہ سرکش ہو جانے کے خوف میں ہر وقت اس کے تزکیہ اور اصلاح کی فکر کرتے رہنا۔

⑦ نفس لوّامہ کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ جب بھی انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کا نفس لوّامہ کہتا ہے کہ تو نے اور زیادہ کیوں نہیں کیا اور جب انسان سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو وہ اسے خوب پھٹکارتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "مؤمن کا نفس اسے ہر بات پر ملامت کرتا رہتا ہے جبکہ فاسق کا نفس اسے کسی غلطی پر ملامت نہیں کرتا۔" [1]

نفس کی تیسری حالت کا بیان ان آیات مبارکہ میں ہے:

⑥ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○	"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔" [2]

"مُطْمَىٕنَّة" کا ترجمہ صاحب جلالین نے "اٰمِنَة" سے کیا ہے، یعنی "وہ نفس جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہے۔" [3]

جبکہ بعض دوسرے مفسرین حضرات نے "مطمئنہ" کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ "وہ نفس جسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہو۔" [4]

یہ نفس کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ حالت کا بیان ہے۔ یعنی جب انسان کا نفس نور یقین سے روشن اور شان اطاعت میں کامل ہو جائے اور اس میں سے تمام بری عادات، فاسد بیماریاں اور گندے

---

[1] [تفسیر القرطبی ج:١٩، ص:٩٣، ط: دار الکتب المصریہ، القاہرہ] [2] [الفجر:٢٧تا٣٠]

[3] [تفسیر جلالین ص:٥٧٦، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور] [4] [حاشیہ جلالین ص:٥٧٦، ط: مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور]

اخلاق دور ہو چکے ہوں اور وہ خود نیکیوں پر اُبھارنے لگے اور شریعت کی ہر بات اسے اچھی لگنے لگے اور وہ دنیا اور جسم کے تقاضوں کو شریعت کے مطابق نبھانے پر راضی ہو اور آخرت کی طرف مکمل مائل ہو چکا ہو اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہو تو ایسا نفس ”نفس مطمئنہ“ کہلاتا ہے، اور موت کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اسے اسی لقب سے پکاریں گے، جیسا کہ آیت شریفہ میں مذکور ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ موت کے وقت فرشتے اسے اس طرح پکاریں گے:

اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ! اُخْرُجِیْ اِلٰی رَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ وَ رَبٍّ عَلَیْكِ غَیْرِ غَضْبَانِ۔

”اے اطمینان پانے والی روح! چل خوشبوؤں اور باغات کی طرف اس حالت میں کہ تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔“ [1]

یہ پکار سن کر مؤمن کی پاک روح یعنی ”نفس مطمئنہ“ مشک کی اعلیٰ ترین خوشبو کی طرح جسم سے نکلے گی اور یہ خوشبو اس قدر مہکتی ہوگی کہ آسمان کے کناروں پر موجود فرشتے بھی پکار اٹھیں گے کہ زمین سے پاکیزہ خوشبو اور پاک روح آرہی ہے۔ یہ روح آسمان کے جس دروازے پر پہنچے گی وہ کھول دیا جائے گا پھر اس روح کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے گا جہاں وہ سجدہ کرے گی۔ [2]

یعنی جس نے نفس کے غلط تقاضے پورے کیے اس کی روح نجس، گندی اور ناپاک ہو جاتی ہے، اور جس نے نفس کے تقاضوں کو چھوڑا اور دین اور شریعت پر عمل کیا، اس کی روح پاکیزہ، مطمئن اور خوشبودار ہو جاتی ہے۔ دنیا میں دونوں راستے کھلے ہیں، جو چاہے اپنے نفس کو امارہ بنائے رکھے اور تباہ ہوتا رہے اور جو چاہے اس کا تزکیہ کرکے اس میں سے فاسد مادے کو نکال پھینکے اور

---

۱ [مصنّف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۶۷۵۳، ط: المجلس العلمی، الھند]

۲ [حاشیہ جلالین ص: ۵۷۶، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

دُنیا و آخرت میں پاکی اور پاکیزگی کے انمول مزے حاصل کرے۔ آئیے! اب نفس کی مذکورہ بالا تین حالتوں کے بیان کا بہترین خلاصہ حضرت شیخ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اثر انگیز الفاظ میں پڑھتے ہیں:

''محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے، لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا، (تو) اس نفس کو ''مطمئنہ'' کہتے ہیں۔

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ [1]

اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات اور خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا (تو) اس کو ''نفس امارہ'' کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ [2]

اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلاء ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے تو اس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے، ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا، ایسے جی کو ''اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ'' کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا، نیک و بد سمجھا تو باز آیا، کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا، پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا، ایسا نفس (جی) ''لَوَّامَة'' کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی پر ہو گئی، بے ہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے بھی تکلیف پہنچنے لگی، وہ ''نفس مطمئنہ'' ہو گیا۔

[1] [الفجر: ۲۷،۲۸] [2] [یوسف: ۵۳]

یہاں "نفس لوامہ" کی قسم کھا کر اشارہ فرمادیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے۔ یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ اور اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔" [1]

پھر قرآن مجید نے نفس پرستی کو ایک طرح کا شرک قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی نفس پرستی میں مبتلاء ہوتا ہے وہ نفس ہی کو اپنا معبود بنا لیتا ہے، اور نعوذ باللہ نفس کی اس طرح سے اطاعت کرتا ہے جس طرح اسے اپنے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے تھی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⑦ اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا ۙ	"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے، تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو؟" [2]

حدیث شریف میں ہے:

مَا عُبِدَ اِلٰهٌ اَبۡغَضُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الۡهَوٰى۔

"جتنے بھی (باطل) معبود پوجے جاتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ معبود "خواہش نفس" ہے۔" [3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رَگ رَگ میں اس طرح نفسانی خواہش گھس جائے گی جس طرح کتے کا کاٹا ہوا انسان ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔" [4]

---

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۸۰۷، ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [الفرقان:۴۳]

[3] [تفسیر القرطبی ج:۱۶، ص:۱۶۷، ط: دار الکتب المصریه، القاهره]

[4] [سنن ابی دائود رقم الحدیث: ۴۵۹۷، دار الکتب العلمیه، بیروت]

﴿۸﴾ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

’’بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے، اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ تعالیٰ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اب اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے، تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟‘‘ [1]

ان دونوں آیات میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو نفس پرستی کا بھیانک انجام آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ان دونوں آیات میں ان بدقسمت افراد کی حالت کا بیان ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں، حالانکہ دنیا میں کوئی بھی دعویٰ نہیں کرتا کہ اس کا معبود ’’خواہش نفس‘‘ ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو نفس ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پروا نہیں کرتے، نفس کا پجاری یعنی مشرک اور کافر کہا ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حرام و حلال کی پروا نہیں کرتا، بلکہ اس کا نفس اسے جدھر لے جائے ادھر ہی دوڑ پڑتا ہے، وہ شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا عابد تو نہ ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ شخص نفس پرستی کی کھائیوں میں گرتے گرتے اس قدر پستی میں چلا جاتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں تھام سکتی۔ اپنے نفس کے کہنے پر ہیروئن کے نشے میں مبتلاء ہونے والے افراد کی حالت پر غور کیجئے یا ان افراد کی حالت دیکھیے جو بے حیائی، سود خوری، رشوت بازی یا فحاشی میں بہت دور جا چکے ہیں، پھر کس کی نصیحت یا دنیا کی کون سی دوائی ہے جو انہیں واپس لا سکے؟ ہاں! اللہ تعالیٰ کا فضل انہیں واپس لا سکتا ہے اور بچا سکتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ حق اور ناحق کو جانچنے کا معیار بھی اپنے نفس کو بنا چکے ہیں اور ان کے نفس نے انہیں طرح طرح کے الحاد، بدعات اور رسومات میں مبتلاء کر دیا ہے اور ان میں اپنے غلط معتقدات پر تکبر بھی پیدا کر دیا ہے، وہ بھی اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔ چنانچہ عارفین نے لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے کہ جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی

[1] [جاثیہ:۲۳]

رضا کے لیے نہ ہو وہ محض نفس پرستی ہے خواہ بظاہر وہ دین کا کام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ایمان کی قبولیت کے لیے نفس کو شریعت کا تابع بنانا شرط لازم ہے، لیکن اگر دین اور شریعت کو نفس کا تابع بنا دیا جائے تو وہ ہرگز مقبول نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبِعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ۔

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔''[1]

اسی لیے وہ لوگ جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں اور کھلم کھلا نفس پرستی میں مبتلاء ہیں، وہ ہرگز ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے یا ان کی اتباع اور پیروی کی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⑨ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَ اتَّبَعَ ھَوٰىہُ وَ کَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا○	''اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے، اس کا کہنا نہ ماننا۔''[2]

چونکہ نفس پرست آدمی کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ حق کو نہیں پہچانتا، اسی طرح اس کے کانوں میں نصیحت سننے کی صلاحیت اور آنکھوں میں بصیرت کی روشنی نہیں رہتی، یقینی بات ہے کہ ایسا شخص کبھی بھی خیر اور بھلائی کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتا، کیونکہ اس سے عقل مندی اور اصابت رائے چھن چکی ہوتی ہے۔ اس کی ہر رائے اور اس کا ہر مشورہ نفس پرستی کے زہر سے آلودہ ہوتا ہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا کہ کسی بھی نفس پرست کو اپنا بڑا نہ بناؤ، نہ ہی اس کی اطاعت کرو۔ نہ ہی کسی نفس پرست کو اپنا رہنما، اپنا نمائندہ اور اپنا مشیر بناؤ اور نہ ہی کسی نفس پرست کی علمی تحقیقات کا اعتبار کرو۔ قرآن مجید کا جامع لفظ ''لَا تُطِعْ'' ان تمام معانی کو شامل ہے۔ غور کیجئے کہ نفس پرستی اس قدر مہلک بیماری ہے جو انسان کو مشرک اور بالکل بے اعتبار بنا دیتی ہے، اور جو شخص نفس پرستی میں

[1] [السنة لابن ابی عاصم۔ رقم الحدیث: ۱۵، ط: المکتبة الاسلامي، بیروت] [2] [الکهف: ۲۸]

جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی بے اعتبار اور بے قدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آج دنیا میں اس کی لاکھوں مثالیں ہمارے گرد و پیش میں بکھری پڑی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قدر ہو جانا اس سے بہت زیادہ سخت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ نفس پرستی سے توبہ کر لی جائے اور من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزاری جائے اور نفس کے تزکیہ اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ۔

”دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور عاجز شخص وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھتا رہے۔“ [1]

حدیث شریف میں اپنے نفس کو جھکانے والے اور اسے قابو میں رکھنے والے شخص کو ”عقلمند“ کے لقب سے نوازا گیا ہے، اور اس آدمی کو جو اپنے نفس کی پیروی کرے عاجز، فاجر اور درماندہ اور مجبور قرار دیا گیا ہے، اور قرآن مجید نے اس شخص کو جو آسمانی ہدایت کو چھوڑ کر نفس پرستی اختیار کرتا ہے سب سے بڑا گمراہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿۱۰﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○

”اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ [2]

یعنی اللہ تعالیٰ کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ انہی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ اور جذبہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش نفس کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھتے ہوں لیکن جو لوگ اس کے برعکس ہوں وہ عام طور پر ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ یہی مطلب ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۴۵۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]   [2] [قصص: ۵۰]

کا۔ چنانچہ قرآن مجید کی بہت ساری آیات میں نفس پرستی کو کافروں کے کفر اور ظالموں کے ظلم کی وجہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام آیات کو اگر لکھا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی، بطورِ مثال صرف دو آیات کا تذکرہ کافی ہے:

﴿۱۱﴾ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ ؕ	’’پھر اگر یہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔‘‘[۱]
﴿۱۲﴾ وَ کَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ○	’’اور انہوں نے (دین کو) جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔‘‘[۲]

مذکورہ بالا دونوں آیات اور اس موضوع کی دیگر کئی آیات میں صراحت کے ساتھ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ کفر، تکذیبِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی جیسے عظیم گناہوں کے پیچھے نفس پرستی ہی کارفرما ہوتی ہے۔ پس جو مرض اس قدر موذی امراض کا پیش خیمہ ہو، اسے جڑ پکڑتے ہی اکھاڑ دینا چاہئے، اور نفس پرستی کے مرض کو جڑ سے اُکھاڑنے کا نام ہی ’’تزکیہ‘‘ ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کے لیے ’’فلاح‘‘، یعنی ’’خصوصی کامیابی‘‘ کا اعلان فرمایا ہے، اور جو لوگ نفس کا تزکیہ یعنی اصلاح نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، ان کے لیے ’’خَیۡبَۃ‘‘، یعنی ’’خصوصی ناکامی‘‘ کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿۱۳﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا ○ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ○	’’جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک کیا وہ مراد کو پہنچا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔‘‘[۳]

’’نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے، تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں، (جبکہ) خاک میں ملا کر چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت و غضب کے ہاتھ میں دے دے، عقل و شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے،

[۱] [قصص: ۵۰] [۲] [القمر: ۳] [۳] [الشمس: ۹، ۱۰]

خواہش وہوا کا بندہ بن جائے۔ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے۔“[1]

حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دعاء منقول ہے اور اس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم {فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا} کی تلاوت کے وقت رُک جاتے تھے اور یہ دُعاء پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَ زَکِّھَا أَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا، أَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلَاھَا۔

”اے میرے پروردگار! تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری عطاء فرمادے اور اس کو تمام (رذالتوں سے) پاک فرمادے، تو ہی اس کا سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اس کا کارساز اور اس کا مولیٰ ہے۔“[2]

اس دعاء کو معمول بنانا چاہیے اور بحالت سجدہ یہ دُعاء توجہ سے مانگنی چاہیے، کیونکہ اگر یہ دعاء دل سے نکلی اور قبول ہوگئی اور نفس پر قابو نصیب ہوگیا تو پھر ان شاء اللہ جنت یقینی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىؕ	”اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا، تو یقیناً اس کا ٹھکانا جنت ہے۔“[3]

یعنی جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی سے خوفزدہ ہوکر اپنے ”نفس امارہ“ کے تقاضوں کے خلاف دین اور شریعت پر عمل کرتا رہا تو یقیناً اس کا نفس پاک ہوجائے گا اور ایسا نفس بلاشبہ جنت کا مستحق ہوگا۔جس طرح سے تلاوت سیکھنے کے لیے قاری اور علم سیکھنے کے لیے معلم کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح تزکیہ کے لیے کسی مصلح اور مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔اور جب کوئی شخص اپنا تزکیہ کرانے کے لیے کسی کے پاس چل کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت اس قدر بڑھ جاتی ہے

---

[1] [تفسیر عثمانی۔ج:۳،ص:۸۸۳،ط:دارالاشاعت، کراچی]

[2] [صحیح مسلم۔رقم الحدیث:۲۷۲۲،ط،دار الکتب العلمیہ، بیروت] [3] [النازعات:۴۰،۴۱]

کہ اس کی طرف سے تھوڑی سی بے توجہی کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿۱۵﴾ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ○ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ○ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ○ وَهُوَ يَخْشٰى ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ○	”(محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے، کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا، اور تم کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا، یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا، جو پروا نہیں کرتا اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ الزام نہیں، اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا، اور وہ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے، اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔“ [1]

مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ۔

”خوش آمدید! اس شخص کے لیے جس کے بارے میں میرے رَبّ نے مجھے تنبیہ فرمائی۔“ [2]

مذکورہ بالا واقعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنے نفوس کا تزکیہ چاہتے ہیں اور اس کی طلب صادق رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر عزت اور مقام رکھتے ہیں، خواہ دنیا میں ان کی حالت بظاہر خستہ اور کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جو لوگ اپنے نفوس کا تزکیہ نہیں چاہتے اور نفس پرستی کے خوگر ہو چکے ہیں، وہ دُنیا میں ظاہری طور پر جتنے بلند اور شاندار نظر آئیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بالکل بے قدر ہوتے ہیں۔ نیز قرآن مجید نے یہ بات بھی نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھادی ہے کہ ہر انسان خود اصلاح نفس کا محتاج ہے اور اس کے نفس کی اصلاح کا فائدہ خود اسی کو ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تو کسی کی نفس پرستی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ کوئی اپنے نفس کی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ پر احسان کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿۱۶﴾ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○	”اور جو شخص سنورتا ہے اپنے (فائدے) ہی کے لئے سنورتا ہے، اور (سب کو) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ [3]

[1] [عبس: ۱ تا ۱۰] [2] [تفسیر قرطبی۔ ج: ۱۹، ص: ۲۱۳، ط: دار الکتب المصریہ - القاہرۃ] [3] [فاطر: ۱۸]

﴿۱۷﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○	''اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے فائدے کے لیے محنت کرتا ہے، (اور) اللہ تعالیٰ تو سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔''[1]

''یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی اطاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان؟ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں! بندہ اپنے پروردگار کی اطاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا۔ پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے راستے میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں، (العیاذ باللہ)۔ (بلکہ) اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لیے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشی۔''[2]

من نہ کردم خلق تا سودے کنم ◄ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

﴿۱۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○	''بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا۔''[3]

''یعنی جو شخص ایمانی اور اخلاقی تزکیہ میں مشغول ہوگا وہی فلاح پائے گا اور مراد کو پہنچے گا۔ لیکن ''تزکیہ نفس'' کے لیے ایک ضروری امر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مسلسل نگرانی کرتا رہے، اور اپنے نفس کو پاک نہ سمجھے، کیونکہ اپنے نفس کو صرف وہی لوگ پاک سمجھتے ہیں جو نفس کی اصلاح سے غافل ہوتے ہیں اور ان کا نفس ''نفس امارہ'' ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿۱۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○	''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو پاکیزہ کہتے ہیں؟ (نہیں!) بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔''[4]

یہودیوں کے اندر ''نفس امارہ'' پل رہا تھا، اس لیے باوجود اس قدر بڑے بڑے جرائم کے وہ اپنے آپ کو پاک اور مقدس کہتے اور سمجھتے تھے۔ بس جو ایسا کرتا ہے اس کے لیے اصلاح کے دروازے بند ہو جانا ایک یقینی امر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح حکم فرمادیا کہ:

[1] [عنکبوت:۶] [2] [تفسیر عثمانی۔ ج:۲، ص:۸۵۷، ط: دارالاشاعت، کراچی] [3] [الاعلیٰ:۱۴] [4] [النساء:۴۹]

﴿۲۰﴾ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ؏	''تم اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ، جو پرہیزگار ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔''[1]

پھر اسلام نے اصلاحِ نفس کا بہترین طریقہ ''اصلاحِ قلب'' کو قرار دیا ہے کہ انسان اپنے دل کو سدھار لے تو اس کا نفس خود بخود سدھر جائے گا، گویا کہ تزکیہ یا اصلاحِ نفس کا مرکز دل ہے، کیونکہ دل ہی انسان کی روح، عقل اور نفس کا مرکز ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی معرفت کی جو استعداد دل کو عطاء ہوئی ہے وہ اور کسی عضو کو عطاء نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہونا اور اس کو پہچاننا اور اس کے لیے کام کرنا اور اس کی طرف دوڑنا یہ سارے کام دل کے ہیں، اور اشیائے حضوری کا مکاشفہ بھی اسی سے متعلق ہے، اور دوسرے تمام اعضاء اس کے آلات، تابع اور خدمت گار ہیں۔ وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جیسے مالک غلام سے یا حاکم رعیت سے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دل ہی مقبول ہے اگر غیر اللہ سے محفوظ رہے، اور اگر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو محجوب بھی ہو جاتا ہے، اور اسی سے باز پرس ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا مخاطب بھی یہی ہے۔ پس اگر اس کی صفائی اور تزکیہ ہو گیا تو فلاح کو پہنچتا ہے اور اگر آلودگی میں پڑا رہا تو بدبختی اور ناامیدی کا مورد ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت دل ہی کرتا ہے اور اعضاء ظاہری میں صرف عبادت کے سبب نور پھیل جاتا ہے، اور نافرمانی اور سرکشی بھی دل ہی کا کام ہے اور اس وقت اعضاء میں فحاشی اور برائیوں کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں، اور دل کی روشنی اور تاریکی سے انسان کے ظاہر کی اچھائیاں اور برائیاں نمودار ہوتی ہیں، کیونکہ برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اور دل ایسی چیز ہے کہ آدمی جب اس کو جان لے تو اپنے نفس کا عالم ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مدار نفس کو جاننے پر ہے، اور اگر دل سے جاہل

[1] [النجم:۳۲]

رہے تو نفس سے بھی جاہل رہتا ہے، اور نفس کی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں پہچان سکتا، اور اکثر لوگ اپنے نفوس وقلوب سے ناواقف ہیں۔"[1]

قرآن مجید نے دل کی صفائی اور دل کے میل، دل کی زندگی اور دل کی موت کے مسئلے کو کئی مقامات پر نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ان تفصیلات کا تذکرہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔ ہم تو یہاں تزکیہ کے متعلق اسلامی دعوت پر مختصر کلام کر رہے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل کی اصلاح میں نفس کی اصلاح کا راز مضمر ہے، اور جب آدمی نفس پرستی میں مبتلاء ہو کر گناہوں میں مبتلاء ہوتا ہے تو اس کے دل پر زنگ اور سیاہ نقطے لگ جاتے ہیں، اور جب انسان توبہ اور رجوع الی اللہ کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۲۱) كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○	"دیکھو! یہ جو (برے اعمال) کرتے ہیں ان (اعمال) کا زنگ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے۔"[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَ اسْتَغْفَرَ وَ تَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ، وَ إِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ، وَ هُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

"بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ استغفار کرلے تو دل صاف ہو جاتا ہے، اور اگر وہ گناہ کرتا رہا (اور اس نے توبہ نہیں کی) تو سیاہی بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے اسی کا نام "ران" ہے، جو آیت قرآن ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔"[3]

---

[1] [احیاء علوم الدین۔ ج:۳، ص:۲، ط: دار المعرفہ، بیروت] [2] [المطففین: ۱۴]

[3] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۳۳۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

دل کی اصلاح نفس کی اصلاح ہے، اس حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ان مبارک اور جامع الفاظ میں بیان فرما دیا ہے:

أَلَا وَ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ۔

”خوب سن لو! انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہوگا تو سارا جسم ٹھیک ہوگا، اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جائے گا، خوب یاد رکھو! گوشت کا وہ ٹکڑا ”دل“ ہے۔“[1]

دل کے بگاڑ اور اس کی سیاہی کی بنیادی طور پر تین علامات حضرات محققین عارفین رحمۃ اللہ علیہم نے بیان فرمائی ہیں:

وَ عَلَامَةُ سَوَادِ الْقَلْبِ اَنْ لَّا تَجِدَ مِنَ الذُّنُوْبِ مَفْزَعًا وَّ لَا لِلطَّاعَةِ مَوْقِعًا وَ لَا لِلْمَوْعِظَةِ مَنْجَعًا، وَ لَا تَسْتَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ شَيْئًا فَتَحْسِبَ نَفْسَكَ تَائِبًا وَّ اَنْتَ مُصِرٌّ عَلَى الْكَبَائِرِ۔

”اور دل کی سیاہی کی علامت یہ ہے کہ تمہیں گناہوں سے گھبراہٹ نہ ہو، اور نیکیوں کا موقع (اور میلان) پیدا نہ ہو، اور نصیحت کا تم پر اثر نہ ہو، اور تم کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھو اور کبیرہ گناہوں پر اصرار کے باوجود خود کو تائب سمجھ بیٹھو۔“[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَ سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذٰلِكُمُ الْمُؤْمِنُ۔

”جو نیکیوں سے خوش ہوتا ہو اور برائی سے تکلیف محسوس کرتا ہو وہی شخص ایمان والا ہے۔“[3]

یہاں تک ہم نے مختصر طور پر یہ جان لیا کہ نفس پرستی کس قدر بری اور ہلاکت خیز چیز ہے، اور تزکیہ یعنی اصلاح نفس اور اصلاح قلب کس قدر ضروری ہے۔ آئیے! اب نفس کی اصلاح کے چند آسان نسخے پڑھتے ہیں، جو قرآن وسنت کی تعلیمات اور اُمت کے صدیوں کے تجربات سے ماخوذ ہیں۔

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [منہاج العابدین۔ ص: ۹۳: ط: دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت]

[3] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۱۶۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اصلاحِ نفس کے چند مفید نسخے

(۱) نفس کو شہوات سے روکا جائے، کیونکہ اڑیل حیوان کو جب چارہ کم ملتا ہے تو نرم ہو جاتا ہے۔

(۲) عبادات کا بھاری بوجھ اس پر لاد دیا جائے، کیونکہ گدھے کو جب چارہ کم ملتا ہے اور اس پر زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے تو وہ لازمی طور پر اپنی شیخی چھوڑ دیتا ہے اور فرمانبردار بن جاتا ہے۔

(۳) ہر وقت رب تعالیٰ سے امداد طلب کرتا رہے کہ وہ نفس کے شر و فساد سے بچائے (اور یہ تبھی ہو گا جب انسان اپنے نفس کو بیمار اور قصوروار سمجھے گا اور اس کی اصلاح کی نیت اور عزم اپنے دل میں رکھے گا)۔[1]

(۴) اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر کو پورا کرنے اور اس کے تمام نواہی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

(۵) اصلاحی بھائی چارہ قائم کرنا۔ وہ اس طرح کہ چند افراد آپس میں مل کر یہ معاہدہ کرلیں کہ وہ ایک دوسرے کو نیکی کی ترغیب دیں گے اور گناہوں اور نفس پرستی سے روکیں گے اور ایک دوسرے کے اخلاق کی نگرانی کریں گے۔

(۶) اپنے بدخواہوں اور غیبت کرنے والوں کی باتوں سے اپنے حقیقی عیوب کا پتہ چلایا جائے، اور پھر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ عام طور پر انسان کے مخالفین ہی اس کے عیوب کی ٹوہ لگاتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے پھرتے ہیں اور بعض اوقات وہ ایسے عیوب بھی ڈھونڈ لیتے ہیں جو واقعتاً انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ بس یہی موقع ہوتا ہے دشمن سے فائدہ اٹھانے کا۔

(۷) اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور اس کی برائیوں اور عیوب کو ڈھونڈنا اور نفس پرستی اور غفلت پر خود کو سزا دینا اور تنبیہ کرنا۔ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرین امت کا طریقہ کار رہا ہے۔

---

[1] [منہاج العابدین۔ص: ۱۴۴: ط: دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت]

ایک بہت ہی اہم نکتہ

اپنے سرکش نفس کو لگام دینے کا نام ہی ''تقویٰ'' ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ تقویٰ ہی وہ لگام ہے جس کے ذریعے سے سرکش نفس کو قابو کیا جاسکتا ہے اور اسے سدھارا جاسکتا ہے۔ اور ''تقویٰ'' کے معنیٰ ہیں ''اپنے دل کو گناہوں کے چھوڑنے پر مضبوط کر لینا''۔ پس جو شخص اپنے دل کو گناہوں سے پاک کر لیتا ہے اور گناہوں کے چھوڑنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے، وہی شخص ''متقی'' کہلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے متقی حضرات کے لیے طرح طرح کے دنیاوی اور اُخروی انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ اور جس طرح قرآن مجید نے نفس پرستی کے نقصانات کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور نفس پرستی کو تمام مصیبتوں کی بنیاد قرار دیا ہے، اسی طرح قرآن مجید نے تقویٰ کے بے پناہ فوائد ذکر فرمائے ہیں اور تمام اوّلین اور آخرین کو تقویٰ کی تلقین فرمائی ہے۔ کیونکہ تقویٰ ہی تمام کامیابیوں کی بنیاد ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

''اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو بھی اور تم کو بھی ہم نے تاکیدی حکم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (تقویٰ اختیار کرو)''۔[1]

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان خوش قسمت افراد کے لیے جو اپنے نفس کے تقاضوں کو دباتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، قرآن مجید میں کم از کم تیرہ فائدے ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) متقی شخص کو قرآن مجید سے ہدایت نصیب ہوتی ہے، اور اس پر قرآنی علوم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

''یہ کتاب (قرآن مجید)، اس میں کچھ شک نہیں، (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔''[2]

---

[1] [النساء:۱۳۱] [2] [البقرہ:۲]

(۲) متقی شخص کی خود اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ○	''تو اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔'' [۱]

(۳) متقی شخص دشمنوں کے مکر و فریب اور چالوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْــًٔا ؕ	''اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' [۲]

(۴) متقی شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید ہوتی ہے، كَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ○	''کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اور جو نیکوکار ہیں اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے۔'' [۳]

(۵) متقی شخص آخرت کی تکلیفوں اور تنگیوں سے محفوظ رہے گا، اور دنیا میں اسے ایسی جگہ سے رزق حلال نصیب ہوگا جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا○ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ○	''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے خلاصی کی صورت پیدا کرے گا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔'' [۴]

(۶) متقی شخص کے اعمال کی اللہ تعالیٰ اصلاح فرما دیتا ہے، اور اس کے کاموں میں صلاح اور برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا○ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۔	''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا۔'' [۵]

(۷) تقویٰ کی برکت سے متقی شخص کی بخشش ہو جاتی ہے، اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے

[۱] [آل عمران:۱۸۶] [۲] [آل عمران:۱۲۰] [۳] [النحل:۱۲۸] [۴] [الطلاق:۲،۳] [۵] [الاحزاب:۷۰،۷۱]

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًاo یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ	''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''[1]

(۸) متقی شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَo	''بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت فرماتا ہے۔''[2]

(۹) متقی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم بن جاتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ	''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''[3]

(۱۰) متقی شخص کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتے ہیں۔ کَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَo	''اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتا ہے۔''[4]

(۱۱) متقی شخص کو موت کے وقت اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے، اور اسے آخرت کی کامیابی کی خوشخبری بھی سنادی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَo لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِo	''وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔''[5]

(۱۲) متقی شخص جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ کَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی:

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۔	''پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔''[6]

(۱۳) متقی شخص جنت کا مستحق ہے، اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا:

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَo	''(جنّت) متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''[7]

---

[1] [الاحزاب:۷۰، ۷۱] [2] [التوبہ:۳] [3] [الحجرات:۱۳] [4] [المائدہ:۲۷]
[5] [یونس:۶۲، ۶۳] [6] [مریم:۷۲] [7] [آل عمران: ۱۳۳]

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ نفس پرستی کا علاج ''تقویٰ'' ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ''تقویٰ'' کیسے حاصل ہوگا؟ قرآن مجید نے اس کا جواب ان مبارک الفاظ میں عطاء فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ○	''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صادقین کے ساتھ رہو۔''[1]

اس آیت مبارکہ میں ایمان والوں کو تقویٰ کا حکم دیا گیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کی حفاظت تقویٰ کے ذریعے سے ممکن ہے، اور پھر ''كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْن'' فرما کر یہ بات سمجھا دی گئی کہ تقویٰ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اور ذریعہ صادقین کی معیت اور صحبت ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو کچھ نصیب ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے نصیب ہوا، اس لیے ان کا لقب ہی ''صحابہ'' پڑ گیا۔حالانکہ انہیں اور بھی بہت سارے ناموں سے پکارا جاسکتا تھا، مگر ان میں سے ہر ایک کو ''صحابی'' کے لقب سے ہی پکارا اور یاد کیا جاتا ہے۔کیونکہ جس چیز نے انہیں اس قدر بلندیوں تک پہنچایا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام مخلوق میں امتیازی مقام دلوایا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت اور صحبت تھی۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد ◄ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اصلاح نفس کے لیے تقویٰ اور تقویٰ کے حصول کے لیے صالحین کی صحبت اور نگرانی اسی طرح ضروری ہے جس طرح انسان کی زندگی کے لیے ہوا اور پانی۔اور حدیث شریف کے مطابق امت کے آخری طبقوں کی اصلاح بھی اسی طریقے پر ممکن ہوگی جس طریقے پر اس امت کے پہلے طبقے کی اصلاح ہوئی۔اور پہلے طبقے کی اصلاح میں صحبت ایک بہت بڑا اور لازمی عنصر تھا، کیونکہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گرد و پیش اور ماحول کے اثر کو قبول کرنے کی بے حد حساس صلاحیت رکھی ہے۔یہاں تک کہ جانوروں کے درمیان رہنے والے انسان جانوروں کی عادات کو قبول کر لیتے ہیں۔چنانچہ احادیث میں اُونٹ پالنے والوں اور بکریاں چرانے والوں کے مزاج

---

[1] [التوبہ:۱۱۹]

کو الگ الگ بتایا گیا ہے۔ ہر انسان وہی بولی بولتا ہے جو اس کے ارد گرد میں بولی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی عادات، اخلاق، رہن سہن، خورد و نوش اور پہناوے تک پر ماحول کا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے صالحین کی صحبت اختیار کرنا ہی اسے صلاح اور تقویٰ سکھا سکتا ہے، اور نفس کے تقاضوں کے خلاف شریعت کے احکامات پر عمل کرنے والوں کی صحبت ہی اس میں نفس کی مخالفت کی قوت پیدا کر سکتی ہے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر تمام امت کو علی الاعلان یہ حکم دیا گیا کہ وہ ذاکرین اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کی صحبت کو لازم سمجھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔	’’اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں آپ ان کے ساتھ خود کو روکے رکھیے۔‘‘ [1]

صحبت اور نگرانی کے اثر کا کوئی بھی عقل مند شخص انکار نہیں کر سکتا۔ سپیروں کے بچے بلاخوف و بلاتکلف خطرناک سانپوں سے کھیلتے ہیں، جبکہ شہروں کے رہنے والے پہلوان بھی سانپ کو دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ فینائل کی گولی کی بو کا اثر ان کپڑوں پر پڑتا ہے جو اس کی صحبت میں رہتے ہیں، اور تو اور تربیت اور صحبت کے اثر سے کئی جانور اپنے فطری دوستوں سے دشمنی کر لیتے ہیں۔ تماشا دکھانے والے مداری اور سرکس ان جانوروں کی نمائش کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود صحبت کی تاثیر کا انکار کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو حضور اکرم ﷺ کی قریبی صحبت اور دور کی صحبت میں بھی فرق محسوس کرتے تھے، کیونکہ ان کے دل پاک اور شفاف ہو چکے تھے، اس لیے انہیں اپنے احوال کا خوب علم رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی ایک تفصیلی روایت میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:

---

[1] [الکہف: ۲۸]

فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَ الْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ، فَنَسِيْنَا كَثِيْرًا، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: فَوَاللهِ! إِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا، فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَ أَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قُلْتُ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

''وَمَا ذَاكَ؟''

قُلْتُ:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَ الْجَنَّةِ حَتّٰى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ، فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَ الْأَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ، نَسِيْنَا كَثِيْرًا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

''وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! إِنْ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَ فِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَآئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَ فِيْ طُرُقِكُمْ، وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ! سَاعَةً وَ سَاعَةً۔ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔''

اس حدیث مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں اپنی کیفیت اور گھر میں اپنی کیفیت کے فرق کی وجہ سے خود پر ''نفاق'' کا اندیشہ ہوگیا۔ اور وہ پریشانی میں ''نَافَقَ حَنْظَلَةُ، نَافَقَ حَنْظَلَةُ'' کی صدا لگاتے ہوئے گھر سے نکل پڑے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ماجرا پوچھا تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنا مدعا ان کے سامنے رکھ دیا۔ ان کی بات سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی پریشان ہوگئے، اور پھر دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ کی طرف چل پڑے۔ دربار نبوی میں پہنچتے ہی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنا جملہ ''نَافَقَ حَنْظَلَةُ'' دھرایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

''حنظلہ! کیا ہوا؟''

عرض کیا:

یارسول اللہ! جب ہم آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں، آپ ہمیں جہنم اور جنت کا تذکرہ کر کے نصیحت

فرماتے ہیں تو ہماری کیفیت ایسی ہو جاتی ہے گویا ہم کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک سے چلے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد کے معاملات میں پڑ جاتے ہیں اور ہمیں بہت سی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! جو حالت تمہیں میرے پاس نصیب ہوتی ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت میں اور ذکر میں رہو تو تم سے فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں پر مصافحہ کرنے لگیں لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہے۔''

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمائی۔''[1]

اس حدیث مبارکہ سے صحبت کی تاثیر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد یعنی ''ذِکْرُ اللّٰہِ'' عبادات کا اصل مقصود ہے، اور اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد نصیب ہوتی ہے، جو کہ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ؟''

قَالُوْا: ''بَلٰی، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!'' قَالَ:

''خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ۔''

''کیا میں تمہیں تمہارے بہترین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''ضرور ارشاد فرمائیے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۷۵۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے۔''[1]

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جسمانی فنون کے لیے اساتذہ اور رہنماؤں کی ضرورت پڑتی ہے۔ چونکہ انسان کا جسم راحت طلب ہے، اس لیے اسے مشقت میں ڈالنے کے لیے اور اس مشقت کو بارآور بنانے کے لیے استاذ اور تربیت کی ضرورت پڑتی ہے، تب جا کر کوئی عام آدمی ایک کمانڈو، ایک طاقتور پہلوان یا ایک پھرتیلا جمناسٹر بنتا ہے۔ آج تک کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ''اپنے جسم کی اصلاح آپ'' کے قانون کے تحت کمانڈو، پہلوان اور جمناسٹر بننے کے لیے استاذ اور تربیت کی اور علاج کے لیے حکیم یا ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی حال انسان کے سرکش نفس کا ہے کہ اس کی اصلاح کے لیے بھی مصلح اور تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف چلانے کا عادی بنانا، اس کے اندر سے سرکشی، سستی اور غفلت کو نکالنا، اور اسے احکام شریعت کی پابندی پر ہمیشہ کے لیے تیار کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ نفس کے اندر کی سستی نکالنا جسم کی سستی نکالنے سے زیادہ مشکل کام ہے، اور نفس کو سدھارنا جسم کو سدھارنے کی بنسبت زیادہ مشکل ہے۔ جسم کا سدھار بھی ضروری ہے لیکن نفس کا سدھار اس سے بھی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ کسی مسلمان کے لیے نفس کو سدھارے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے، تو جس طرح جسم کے سدھار اور علاج کے لیے ماہر لوگوں کے پاس جانا اور ان کی باتوں پر عمل کرنا اور ان کی کڑوی میٹھی سننا ہمیں برداشت ہوسکتا ہے، تو نفس کے علاج اور سدھار کے لیے بھی ہمیں ان ماہرین کے پاس جانا ہوگا جو اپنے نفوس کو سدھار چکے ہوں اور شریعت کو اپنی طبیعت پر حاوی کر چکے ہوں۔ ہمیں ان کی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا، اور ان کی کڑوی میٹھی باتوں کو سعادت سمجھ کر برداشت کرنا ہوگا۔ ورنہ نہ تو کتابیں پڑھ لینے سے ہمارا نفس قابو میں آئے گا اور نہ ہمیں نفس کے فریب و مکائد کا علم ہو سکے گا اور نہ ہمارے اندر نفس کی مخالفت کی ہمت پیدا ہوگی۔ عام قانون اور اصول یہی ہے۔ کیونکہ نفس جب مچل جاتا ہے تو پھر اسے سنبھالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

[1] [سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۴۱۱۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اِنَّ مِنْ رَدَاءَةِ هٰذِهِ النَّفْسِ وَ جَهْلِهَا بِحَيْثُ اِذَا هَمَّتْ بِمَعْصِيَةٍ اَوِ انْبَعَثَتْ لِشَهْوَةٍ فَنَهَيْتَهَا اَوْ تَشَفَّعْتَ اِلَيْهَا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ ثُمَّ بِرَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ بِجَمِيْعِ اَنْبِيَائِهٖ وَ كِتَابِهٖ وَ بِجَمِيْعِ السَّلَفِ الصَّالِحِ مِنْ عِبَادِهٖ وَ تَعْرِضُ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ الْقَبْرَ وَ الْقِيَامَةَ وَ الْجَنَّةَ وَ النَّارَ، لَا تُعْطِي الْاِنْقِيَادَ وَ لَا تَتْرُكُ الشَّهْوَةَ، ثُمَّ اِنِ اسْتَقْبَلْتَهَا بِمَنْعِ رَغِيْفٍ تَسْكُنُ وَ تَتْرُكُ شَهْوَتَهَا لِتَعْلَمَ خِسَّتَهَا وَ جَهْلَهَا۔

''اس نفس خبیث کی خست اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ جب کسی گناہ کا ارادہ کرلے یا شہوت پر اُٹھ کھڑا ہو تو تم اسے روکنے کی کوشش کرو اور اسے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، قرآن مجید اور تمام سلف صالحین کے واسطے دو یا اس پر موت، قبر، قیامت اور جنت، جہنم کو پیش کر دو تب بھی وہ تمہارا کہنا نہیں مانے گا اور شہوت سے باز نہیں آئے گا، پھر اگر تم اسے روٹی روکنے کی دھمکی دو تو یہ ٹھنڈا پڑ جائے گا اور اپنی شہوت کو چھوڑ دے گا، اسی سے اس کی کمینگی اور جہالت کا اندازہ لگا لو۔''[1]

جب نفس کی سرکشی اور ضد کا یہ عالم ہے تو اس کی اصلاح کے لیے مرشد کامل اور اچھے ماحول کی لازمی ضرورت ہوگی، ورنہ انسان کبھی بھی نفس کے دھوکے سے نہیں بچ سکے گا۔ پھر نفس کی اصلاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اسلام قطعی طور پر اس کا قائل نہیں ہے۔ اسی لیے وہ کبھی بھی مکمل نفس کشی کی دعوت نہیں دیتا۔ کیونکہ اسلام میں معطل کر دینے والی رہبانیت نہیں ہے، اور نفس کو اس قدر مار دینا کہ انسان میں سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک نکل جائے اور وہ جہاد اور دیگر فرائض سے غافل ہو جائے یا اجتماعی زندگی سے فرار اختیار کرنے لگے، اسلام کو ہرگز مطلوب نہیں ہے، بلکہ نفس تو وہ سواری ہے جس پر بیٹھ کر انسان نے تمام عبادات اور اسلامی حقوق کو اداء کرنا ہے۔ لیکن چونکہ نفس سرکش ہوتا ہے اس لیے اس کو تقویٰ کی لگام لگا کر اس پر سواری کی جائے تو انسان جلد منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اور مکمل نفس کشی اور نفس کی اصلاح کے درمیان فرق کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں ہے، اس لیے مرشد کامل کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے، تاکہ

---

[1] [منهاج العابدين۔ ص: ۲۲۲: ط: دار الشائر الاسلامية، بيروت]

وہ قرآن وسنت کے علم کی روشنی اور اپنے ”نفس مزکّی“ کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر اچھی طرح رہنمائی کر سکے، اور نفس کی سرکشی ختم کرنے کے طریقے بھی بتلائے، اور یہ بھی سمجھائے کہ اپنے نفس کو بالکل مہمل بنا دینا اور معطل کر دینا بھی بہت برا اور اسلام کی منشا کے خلاف ہے۔

پھر جس طرح ہر انسان کو اپنے چہرے کے عیوب ومحاسن دیکھنے کے لیے آئینے کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح نفس کی اصلاح کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے آئینہ دکھلایا جائے۔ اور جب انسان اپنے نفس امارہ کو کسی ایسے شخص کے سامنے لے جائے گا، جس کا نفس آئینے کی طرح پاک اور شفاف ہوگا، یعنی ”نفس مطمئنہ“ ہوگا تو انسان کو فوراً اپنے نفس کی حالت اور اس کی خرابیاں معلوم ہوں گی، اور وہ ”نفس مطمئنہ“ رکھنے والے سے یہ بھی سیکھ سکے گا کہ نفس کو کس طرح سے پاک اور شفاف بنایا جاسکتا ہے۔ بہر حال اصلاح کے لیے اور تقویٰ کے حصول کے لیے صالحین کی صحبت، مرشد اور استاذ کا ہونا ایک لازمی امر ہے، اور عام طور پر یہی قانون فطرت ہے، البتہ کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو جائے اور وہ بغیر مصلح اور مرشد کے اپنے تزکیہ کے مراحل کو طے کر لے تو یہ بھی بعید نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ کسی قانون کا پابند یا محتاج نہیں ہے، لیکن عام طور پر یہی نظر آتا ہے کہ ؎

صحبت صالح ترا صالح کند ◄ صحبت طالح ترا طالح کند
ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا ◄ گو نشیند در حضور اولیاء
یک زمانہ صحبت با اولیاء ◄ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است ◄ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

ایک قابل غور نکتہ

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خاتم النّبیین بنا کر بھیجے گئے تو ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ تھا۔ افراد بھی بگڑے ہوئے تھے اور معاشرہ بھی، گھر بھی بگڑے ہوئے تھے اور بازار بھی،

خاندان بھی بگڑے ہوئے تھے اور نظام حکومت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پورے عالمگیر بگاڑ کی اصلاح کے لیے بنیادی طور پر تین کام یا تین علاج دیئے:

(۱) تلاوت قرآن مجید

(۲) تزکیہ

(۳) کتاب وسنت کی تعلیم

یہ تینوں کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بنیادی مقاصد اور دُنیا کی اصلاح کے بنیادی نسخے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تینوں کام کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے حالات بدل گئے۔ افراد کی بھی اصلاح ہوگئی اور معاشرہ بھی سدھر گیا۔ اور یہ سدھار اس قدر عالیشان تھا کہ اگر اسے تفصیل سے ذکر کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی کافی نہیں ہوں گے۔ بطور مثال ان کتابوں کی فہرست پر ایک نظر ڈال لیجئے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھی گئی ہیں اور سو فیصد حقائق پر مشتمل ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر لکھی گئی ان کتابوں کے اندر اس زمانے کے معاشرے کی بھی تصویر نظر آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح کے لیے بنیادی طور پر یہی تین کام ہیں۔ چنانچہ جس فرد میں یہ تین کام زندہ ہوں گے وہ ''فرد کامل'' ہوگا، اور جس گھر میں یہ تین کام ہوتے ہوں گے وہی گھر ''حقیقی مسلمانوں کا گھر'' کہلائے گا، اور جس تنظیم یا پارٹی کے اندر ان تین کاموں کو بنیاد کا درجہ حاصل ہوگا وہی تنظیم اور پارٹی ''اسلامی پارٹی'' کہلانے کی حقدار ہوگی، اور جس حکومت کی بنیادی ترجیحات یہ تین کام ہوں گے وہی حکومت ''اسلامی حکومت'' ہوگی۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ آج امت نے انسانی اصلاح کے ان تین طریقوں کو یا تو بالکل چھوڑ دیا ہے یا انہیں وہ اہمیت نہیں دی جس اہمیت کے یہ تینوں کام حقدار تھے۔

مثلاً...... ''تلاوت کلام پاک'' کو لے لیجئے۔ آج کے عام مسلمانوں سے لے کر بہت سے خواص تک میں اس کی بالکل اہمیت نہیں ہے۔ آج بہت سے ایسے مصنّفین، مفکرین اور مقررین

نظر آتے ہیں جو خود کو اسلام کا خادم اور اسلام کا اسکالر سمجھتے ہیں، حالانکہ خود انہیں قرآن مجید پڑھنا تک نہیں آتا۔ بلکہ اب تو بہت سے جدید تعلیم یافتہ خدام اسلام بھی تلاوت قرآن مجید کی اہمیت کو کم کرنے کی بھرپور کوشش میں لگے رہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دنیا چاند تک پہنچ چکی ہے جبکہ ہم صرف قرآن کی تلاوت ہی کرتے رہیں گے۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید کا مفہوم سمجھنا چاہئے، جب کہ اس کی تلاوت اتنی اہم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ذہنیت اور اس کا پرچار مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ اگر تلاوت کلام پاک اہم نہیں ہے تو اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصدِ بعثت کیوں قرار دیا گیا؟ کیا وہ کام غیر اہم یا غیر مفید ہوسکتا ہے جس کے لیے کائنات کی سب سے مقدس اور افضل ہستی کو بھیجا گیا ہو؟ آج جبکہ طرح طرح کی شیطانی موسیقی اور منحوس آوازیں مسلمانوں کے کانوں کے ذریعے ان کے دلوں میں زہر گھول رہی ہیں اور ساز باجوں کی آوازیں دلوں کے نور کو بجھا رہی ہیں، اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ تلاوت قرآن مجید کا ماحول بنایا جائے۔ ہر مسلمان صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن مجید پڑھے اور کم از کم ایک ماہ، دس دن یا سات دن میں ایک ختم کرے، تب ہمیں افراد اور معاشرے میں واضح تبدیلی نظر آئے گی، اور ہمیں اس بات پر ندامت ہوگی کہ ''تلاوت آیات'' جیسے اہم کام کو غیر اہم سمجھ کر ہم نے اب تک بہت کچھ کھو دیا ہے۔

مقاصد نبوت میں سے دوسرا مقصد ''تزکیہ'' بھی عجیب وغریب قسم کے افراط وتفریط کا شکار ہوگیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو دیگر تمام مخلوقات میں امتیاز دیتی ہے، یا بالفاظ دیگر انسان کو حقیقی انسان بناتی ہے۔ کیونکہ اگر نفس کی اصلاح کا نظام نہ ہو تو انسان جانوروں کو بھی شرمندہ کر دیتا ہے۔ مگر مسلمانوں میں سے بعض افراد نے تو تزکیہ یعنی اصلاح نفس کا نام استعمال کر کے نفس پرستی، نفس پروری اور شکم پُری کے اڈے کھول رکھے ہیں اور ان اڈوں میں شرک و بدعت سے لے کر گانے بجانے اور قوالی جیسے گندے اور قبیح کام کیے جاتے ہیں، اور احکام شریعت کو پامال کیا جاتا ہے۔ پیری مریدی کے مقدس نام پر لوگوں کو اپنے آگے اور قبروں کے سامنے سجدے

کرائے جاتے ہیں اور اسلام میں ''برہمن واد'' کو گھسایا جاتا ہے (اس دردناک پہلو کا ذکر ان شاء اللہ آگے کہیں تفصیل سے آئے گا)، جبکہ دوسری طرف بعض لوگوں نے احسان وسلوک اور تصوف کے خالص شرعی نظام کو بدعت قرار دے کر مسلمانوں پر ایک ظلم عظیم ڈھایا ہے۔ ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح کوئی شخص ''مسجد ضرار'' کو دیکھ کر ''مسجد قبا'' اور ''مسجد نبوی شریف'' تک کو نعوذ باللہ ڈھانے کا فتویٰ لگا دے۔ غالباً اسی لیے قرآن مجید نے جہاں ''مسجد ضرار'' کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بالکل متصل ''مسجد قبا'' کی عظمت، تقدس اور فضیلت کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ سبق بھی ہے کہ وہ کسی اچھے کام کے غلط استعمال کو دیکھیں تو اس غلط استعمال کا سد باب تو ضرور کریں، مگر اس اچھے کام کے منکر نہ بن جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ تصوف کا بہت غلط استعمال ہوا ہے اور ہو رہا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم اسلامی تصوف کا انکار کر کے ''تزکیہ'' کے شرعی نظام سے محروم ہو کر خالص نفس پرست بن جائیں، اور نعوذ باللہ تصوف کو امت کے لیے ''مضر نشہ'' قرار دے کر امت کے ان لاکھوں محدثین، مفسرین اور فقہاء کو نشئی قرار دے دیں جنہوں نے تصوف کے راستے سے اپنی اور امت کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تلاوت کلام پاک کو عام کرنے کے لیے مکاتب، علم قرأت، علم تجوید وغیرہ کو تو جائز کہا جائے، اسی طرح کتاب وسنت کی تعلیم کے لیے علم تفسیر، علم حدیث، علم اسماء الرجال، علم ناسخ ومنسوخ، علم فقہ، علم اصول حدیث، علم اصول فقہ، مدارس اور تصنیف وتالیف کو تو جائز قرار دیا جائے، جبکہ تزکیہ کے لیے امت کے معمول بہ شرعی نظام کا یکسر انکار کر کے اسے بدعت اور نشہ قرار دے دیا جائے؟ یہ کہاں مناسب ہے کہ اگر اسلاف امت میں سے ایک راوی کا نام حدیث کی سند میں آجائے تو ہم اسے ثقہ اور ثبت قرار دیں، لیکن اگر وہی بزرگ تصوف اور احسان وسلوک کے ذریعے سے تزکیہ کے عمل کو زندہ کرتے نظر آئیں تو ہم اس پہلو پر غور نہ کریں۔ حالانکہ اگر چودھویں صدی کا گھڑا ہوا یہ مفروضہ مان لیا جائے کہ تصوف اور احسان وسلوک وغیرہ کا معمول بہ

نظام بدعت اور چنیا بیگم کا نشہ ہے تو پھر ہمیں ان تمام حضرات سے محروم ہونا پڑے گا جو اس میں مشغول و منہمک رہے، کیونکہ اسلام میں بدعتی اور نشئی کبھی بھی معتبر نہیں ہیں۔تب ہمیں تفسیر و حدیث اور دین کے بہت بڑے علمی ذخیرے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگوں نے محض اپنی تن آسانی اور نفس پرستی کے لیے تصوف اور احسان وسلوک کے معمول بہ نظام کا انکار کیا ہے، اور اس انکار کا نقصان ذاتی طور پر انہیں اور عمومی طور پر ان کے پیروکاروں کو پہنچا ہے کہ وہ دین کی حلاوت اور نفس کی مکمل اصلاح سے محروم ہو کر در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ اورانہوں نے اسلام کا روغن تو اپنے منہ پر کر رکھا ہے لیکن ان کے دل ''صبغۃ اللہ'' (اللہ کے رنگ) سے محروم ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے غلبے کی بات کرتے ہیں، مگر انہیں اپنی ظاہری بناوٹ اور لفظی جنگوں سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ اپنی ذات پر یا اپنے گھر پر اسلام کو غالب کر دیں، جو کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

مقاصد نبوت میں سے تیسرا مقصد ''تعلیم کتاب وسنت'' بھی آج غفلت کا شکار ہو چکا ہے، اور مسلمانوں میں سے کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے کا ذوق اور ولولہ ختم ہوتا جا رہا ہے، اور وہ ان علوم وفنون کے پیچھے پڑ گئے ہیں جن کا انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔اور جو لوگ کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے کا ذوق رکھتے ہیں ان میں سے بھی ایک بڑی تعداد نے صرف اردو کتابوں اور ترجموں کے از خود مطالعے کو کافی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت میں ''تعلیم'' کا لفظ ہے، اور ''تعلیم'' کے لیے ''معلم'' کا ہونا ایک لازمی شرط ہے۔ اور یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں علمی سند کی حفاظت کی گئی ہے۔ الحمد للہ آج بھی ایسے حضرات موجود ہیں جنہوں نے باقاعدہ طور پر اساتذہ کرام سے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا ہے اور ان کی علمی سند بغیر کسی انقطاع کے جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ تک پہنچتی ہے، لیکن انگریز کی درس گاہوں میں پروان چڑھنے والے بہت سے اسلامی مفکرین اب اس علمی سند کے پیچھے بھی ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں، اور وہ

مسلمانوں کو از خود مطالعے کی دعوت دے کر ان کے لیے طرح طرح کے مسائل کھڑے کرتے ہیں۔کیونکہ اسلام دشمن طبقات نے ہر طرف اپنا الحادی لٹریچر پھیلا دیا ہے، اور بہت سارے مسلمان اس زہریلے لٹریچر کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جدت پسندی اور روشن خیالی کے علمبردار یہ مفکرین اتنا بھی نہیں سوچتے کہ موچی اور قصائی کا کام بھی بغیر سیکھے نہیں آتا، اور نہ ہی کوئی شخص کسی ماہر کی رہنمائی کے بغیر اچھا نائی بن سکتا ہے، اسی طرح صرف کتابیں پڑھ لینے سے آج تک کوئی بھی تیراکی کا ماہر نہیں ہوا، تو پھر معلوم نہیں وہ کس طرّے پر امت کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ ''بغیر معلّم'' کے علم حاصل کرے اور بغیر ''مرشد'' کے اپنا تزکیہ کر لے۔اس قابل غور نکتے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو سب سے پہلے بنیادی طور پر اپنے لیے ان تین کاموں کا انتخاب کرنا چاہئے:

① تلاوت قرآن مجید

② تزکیہ

③ کتاب وسنت کی تعلیم

اسی طرح ہر شخص کو اپنے گھر میں بیوی بچوں کے سامنے یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمارے گھر میں بنیادی طور پر تین کام ہوں گے۔ یہاں خوب تلاوت ہوگی، ہر کوئی اپنے تزکیے کا اہتمام اور بندوبست کرے گا اور ہر کوئی کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کرے گا۔اسی طرح ہر اسلامی تنظیم اور پارٹی کو اپنے کارکنوں پر ان تین کاموں کو لازم کرنا چاہئے، تاکہ تلاوت کے ذریعے کارکنوں سے غفلت دور ہو، تزکیہ کے ذریعے سے انہیں قلب کی زندگی اور روشنی نصیب ہو، اور کتاب وسنت کی تعلیم کے ذریعے انہیں صحیح راستہ اور حقیقی منزل معلوم ہو۔ نیز تنظیم میں اونچے عہدے تک پہنچنے کے لیے بھی یہی بنیادیں معیار ہوں۔اسی طرح تصنیف وتالیف کا کام بھی انہیں لوگوں کو سونپا جائے جو ان تین مقاصد میں مضبوط ہوں، اور قطعی طور پر ایسے لوگوں کو اپنا قائد اور رہنما نہ بنایا جائے جو تلاوت سے غافل، تزکیہ سے بے پروا اور قرآن وسنت کی باقاعدہ تعلیم سے کورے ہوں۔اسی طرح

جس مسلمان کو بھی دنیا کے کسی خطے پر اقتدار حاصل ہو تو وہ بنیادی طور پر پورے ملک میں تلاوت کا ماحول بنائے، اور ایسی ترتیب قائم کرے کہ ہر مسلمان صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا جانتا ہو، اور باقاعدگی کے ساتھ تلاوت بھی کرتا ہو۔ اسی طرح ملک کا ہر باشندہ اپنے نفس کے تزکیے کی فکر کرے اور کسی عالم باعمل (صاحب نسبت)، متبع سنت اور ماحی بدعت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اصلاح کرائے۔ اور پورے ملک میں بنیادی طور پر کتاب وسنت کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔ تاکہ ہر بچہ پہلے کتاب وسنت کی تعلیم کے ذریعے اچھی طرح مسلمان بن جائے، اور پھر اس کی مرضی ہے کہ اس کے بعد ڈاکٹر بنے یا انجینئر۔ کیونکہ پھر وہ جو کچھ بھی بنے گا اصل میں وہ مسلمان رہے گا۔ جبکہ آج پہلے بچوں کو کافروں کی درسگاہوں میں بٹھا کر ان سے اسلامی مزاج چھین لیا جاتا ہے، اور مادہ پرستی ان کے ایک ایک انگ میں بٹھا دی جاتی ہے، اور ایسے لوگ بعد میں جب بغیر تزکیہ کے قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ مطالعہ بھی ان کی تباہ شدہ گندی ذہنیت میں جا کر زہر بن جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ دودھ ڈالنے سے پہلے برتن کو خوب پاک صاف کرلیا جائے، کیونکہ اگر گندے برتن میں دودھ ڈالا جائے گا تو وہ بھی خراب ہو جائے گا۔

آخری بات

افسوس کی بات یہ ہے کہ ''تزکیہ'' کی اسلامی دعوت اور ''تزکیہ'' کی اسلامی تربیت پر وہ لوگ مسلسل ظلم ڈھا رہے ہیں جو خود کو روشن خیال مسلمان سمجھتے ہیں، اور جن کا دعویٰ یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید پڑھنے سے آدمی تاریک ذہن ہو جاتا ہے، جبکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ڈگریاں انسان میں روشن خیالی پیدا کرتی ہیں۔ (ہم اس طرح کی روشن خیالی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے دل میں تلاوت قرآن کی اہمیت کم کر دے اور ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شکل بنانے سے متنفر کر دے۔) یہ روشن خیال حضرات کھلم کھلا طور پر تو تزکیہ یعنی اصلاح نفس کی ضرورت کا انکار

نہیں کر سکتے، کیونکہ قرآن وسنت کی بے شمار نصوص کا صریح انکار اتنا آسان کام نہیں ہے۔ البتہ ان میں سے بعض نے یہ نعرہ لگا دیا ہے کہ ’’اپنی اصلاح آپ‘‘...... اور اس نعرے کا مقصد تصوف اور احسان وسلوک کے اس نظام کا انکار کرنا ہے جس پر امت مسلمہ کا خیر القرون سے اتفاق چلا آرہا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس طرح کے نعروں کی طرف توجہ نہ دیں۔ یہ نعرے بالکل اس طرح ہیں جس طرح کوئی شخص ایک کتاب یا کتابچہ لکھ کر اس کے سرورق پر یہ لکھوا دے ’’تیراکی سیکھئے خود بخود‘‘...... اور اس کتابچے میں یہ دعویٰ کرے کہ تیراکی کے لیے کسی استاد کی ضرورت نہیں ہے، بس آپ یہ کتابچہ پڑھئے اور سمندر میں چھلانگ لگا دیجئے۔ یقیناً اس پر عمل کا جو انجام ہوگا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیز کا انکار کرنا جس پر قرآن وسنت کے دلائل بھی موجود ہوں اور پوری امت کا اتفاق بھی، ایک ایسا خطرناک کھیل ہے جس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ چنانچہ اصلاح نفس کے نظام پر وار کر کے ہم نے امت کو کیا دیا ہے؟ نفس پرست مفکرین، نفس پرست مصنفین، نفس پرست اسکالر، نفس پرست لیکچرار اور نفس پرست لیڈر شپ۔ ہاں! اگر اس جملے ’’اپنی اصلاح آپ‘‘ کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اپنی اصلاح کا خود ذمہ دار ہے، اور ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر خود کرنی ہے اور خود ہی عزم وہمت سے کام لے کر اصلاح نفس کا فریضہ سرانجام دینا ہے، تو پھر ہمیں اس جملے سے مکمل اتفاق ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انسان جب تک خود اس اہم کام کا عزم اور ارادہ نہ کرے اور خوب ہمت سے کام نہ لے اور اپنے دل میں اصلاح نفس کی اہمیت کو پیدا نہ کرے تو پھر واقعی وہ شخص ٹھوکریں کھاتا ہے اور نفس کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتا رہتا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کا اظہار اپنے ان خوبصورت اور جامع الفاظ میں فرماتے ہیں:

> ’’اگر آپ اپنے اخلاق کو درست کرنا چاہیں تو راستہ بند نہیں ہے۔ ہاں اپنے اخلاق کی آپ ہی اصلاح نہ چاہیں تو پیغمبر کے زمانے میں لوگ موجود ہوتے ہیں اپنی اصلاح نہیں کرتے۔ جب کرنا چاہیں (تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے راستے بتلا دیئے) کر سکتے

ہیں، نہ چاہیں تو خود پیغمبر بھی نصیحت کریں آدمی درست نہیں ہوسکتا۔ جنہیں اپنی اصلاح منظور تھی اللہ کے رسول کے قول پر عمل کیا، کوئی صدیق رضی اللہ عنہ بنا، کوئی فاروق رضی اللہ عنہ بنا، کوئی ذوالنورین رضی اللہ عنہ بنا، کوئی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنا۔ اور جنہیں اصلاح مقصود نہیں تھی کوئی ابوجہل بن گیا، کوئی ابولہب بن گیا، کوئی مسیلمہ کذاب بن گیا۔ غرض بگڑے ہی رہے اور نبی وقت سے بھی ان کی اصلاح نہ ہوسکی، اس لیے کہ انہیں خود اپنی اصلاح منظور نہیں تھی۔" [1]

پس اصلاحِ نفس یا تزکیہ کے لیے پہلا کام خود اصلاح کی نیت کرنا اور اپنے اندر اس کی اہمیت پیدا کرنا ہے، اور دوسرا کام تزکیہ کے لیے صحیح راستے کی تلاش ہے، اور اس کا بہترین راستہ حقیقی اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنا اور ان سے رہنمائی لینا ہے۔

عبرت و موعظت

یہودیوں کی نفس پرستی کا تذکرہ اور نفس پرستی کی مذمت اور اس سے حفاظت کی اسلامی دعوت کو ہم نے پڑھ لیا۔ قرآن مجید کے بیان فرمودہ سچے واقعات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا خدا اور ان کا امام "نفس" تھا، اور ان میں سے بہت کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے نفس کی اصلاح کی فکر کی۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اصلاحِ نفس کی اسلامی دعوت پر سو فیصد عمل فرمایا اور انہوں نے اس بات میں بھی قیامت تک کے لیے ایک روشن مثال قائم فرمائی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کے ایمان اور ان کے کردار کی تعریف فرمائی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں " رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ " کا عظیم انعام عطاء فرمایا۔ اس سے بڑھ کر ان کے نفس کی پاکی اور عظمت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ نفس پرست لوگ حریص ہوتے ہیں جیسا کہ یہودی، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قناعت کے واقعات سے کتابیں

[1] [خطبات حکیم الاسلام۔ ج:۳، ص:۸۵، ط: بیت السلام، کراچی]

بھری پڑی ہیں۔نفس پرست ہمیشہ دنیا کے پیچھے دوڑتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا کو تین طلاقیں دے کر پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔نفس پرستوں کو مال اور حکومت ملتی ہے تو وہ بے قابو ہو جاتے ہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا کی عظیم حکومتیں ملیں مگر چٹائی ان کا بستر، پتھر ان کا تکیہ اور پیوند زدہ کپڑے ان کا لباس رہا۔نفس پرست جہاد کے وقت ہمیشہ چھپتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عظیم جہاد کے زمزمے مشرق و مغرب میں گونجے، اور ان میں سے اکثر کی قبریں دنیا کے دور دراز علاقوں میں بنیں۔نفس پرست راتوں کو گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں اور دن کو فساد پھیلاتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کو مصلّے پر اور دن کو جہاد میں گھوڑے کی پیٹھ پر نظر آتے تھے۔نفس پرست ہمیشہ حکمرانوں اور بادشاہوں کے سامنے جھک جاتے ہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھا اور ایمان اور تقویٰ کے علاوہ کسی عظمت کو وہ خاطر میں نہ لائے۔نفس پرست خود غرض ہوتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایثار کے دھنی تھے۔نفس پرست ذخیرہ اندوز ہوتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب کچھ لٹانے کے عادی تھے۔نفس پرست غصے میں بے قابو ہو جاتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غصے کو ضبط فرمانے والے اور غلطیوں سے درگزر فرمانے والے تھے۔نفس پرست ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہادری سورج کی طرح عیاں تھی۔نفس پرست ریاکار ہوتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اخلاص ناقابل شکست تھا اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس قدر تھی کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے یا ریاکاری کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہودیوں کا نفس تو غلاظت کا منبع تھا، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس خیر کے چشمے تھے۔جس طرح یہودیوں کا نفس خیر سے دور تھا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس شر سے دور تھے۔اگر اس موضوع پر موازنہ کیا جائے تو یقیناً بہت دلچسپ ہوگا اور بہت تفصیلی۔اللہ کرے کوئی اثر انگیز قلم اُٹھے اور یہ موازنہ کر ڈالے، تب پڑھنے والوں کو عجیب مناظر نظر آئیں گے۔مثلاً...... ایک طرف وہ

لوگ ہیں جن پر آسمان سے من و سلویٰ اتر رہا ہے، مگر وہ چیخ چیخ کر دال اور پیاز مانگ رہے ہیں اور ان کا نفس بے صبری سے پھٹا جا رہا ہے، اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو کھجور کی گٹھلی چوس کر اور پتے کھا کر مسکرا رہے ہیں اور ان کا نفس شکر کے سجدے کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو عبادت خانے میں بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں، اور ایسے کام کر رہے ہیں جن کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا، جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو بازار میں جا کر بھی مسلمان ہیں اور مجال ہے کہ مال و دولت کے ڈھیر یا گاہکوں کی بھیڑ انہیں اللہ تعالیٰ سے یا اس کے کسی حکم سے غافل کر دے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں کہ گناہ کرتے ہیں اور چھپاتے ہیں اور نادم بھی نہیں ہوتے، جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن سے کوئی چھوٹی سی غلطی بھی ہو جائے تو آنسو ان کی آنکھوں سے نہیں تھمتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنے جسموں کو پتھروں کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ موازنہ اس طرح کے عجیب مناظر سے عبارت ہوگا۔ چونکہ یہ مختصر مضمون اس تفصیلی موازنے کا متحمل نہیں ہے اس لیے بات آگے بڑھاتے ہیں۔

ہمارے سامنے یہودیوں کا طرزِ عمل بھی آ گیا کہ نفس کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کی بھی ایک جھلک آگئی کہ انہوں نے "نفس امارہ" کا کہنا نہیں مانا، بلکہ اسے دبایا اور سدھارا اور اس کے تقاضوں کے خلاف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر حکم پر لبیک کہی، اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں حاضری دے کر اپنا تزکیہ کرایا اور اپنے نفس کی خوب نگرانی کی اور اسے تقویٰ کی لگام سے کبھی بھی آزاد نہیں کیا۔ اب ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہے اور ہم میں سے ہر فرد کو اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ ہم کس کے راستے پر چل رہے ہیں؟ یہودیوں کے راستے پر یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر؟ نفس پرستی کے ہلاکت خیز راستے پر یا تقویٰ کے نجات دہندہ راستے پر؟ ہم میں سے ہر شخص کے ذمے اپنے نفس کا محاسبہ ایک لازمی فریضہ ہے۔ کیونکہ نفس کی بیماری ہمیشہ کی آگ اور ہمیشہ کے عذاب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، اور آگ سے بچنا

اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنا ہمارے لیے فرض ہے۔ آج ہر شخص اپنے جسم کی نگرانی کرتا ہے اور جسم کو ٹٹولتا رہتا ہے، تاکہ کوئی بیماری نہ لگ جائے۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے ہاں بھیڑ لگی ہوئی ہے، ہسپتالوں میں جگہ نہیں ملتی، حکیموں کے ہاں قطاریں لگی ہوئی ہیں، آپریشن تھیٹر بھرے پڑے ہیں، حالانکہ جسم کی بیماری زیادہ سے زیادہ موت تک پہنچا دے گی اور موت تو آنی ہی ہے اور اس کا وقت مقرر ہے، نہ ایک منٹ پہلے آ سکتی ہے اور نہ ایک منٹ کے لیے ٹل سکتی ہے، لیکن پھر بھی سب کو جسم کی صحت عزیز ہے۔ حالانکہ نفس کی بیماری اور دل کی سیاہی تو جسم کی بیماری سے زیادہ خطرناک ہے، اور نفس امارہ کی پہلی اور آخری کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان دنیا میں ذلیل ہو جائے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلے۔ آج نفس اور روح کی کون سی بیماری ہے جو امت مسلمہ میں تیزی سے نہیں پھیل رہی؟ جھوٹ جیسا گندا جرم سر عام ہو رہا ہے۔ مسلمان تاجر نفس پرست ہو چکے ہیں۔ عبادت گاہوں سے لے کر قبرستانوں تک اور حکومت کے ایوانوں سے لے کر بازاروں تک نفس پرستی ہی نفس پرستی نظر آتی ہے۔ حکمران نفس پرست ہیں۔ پولیس اور دیگر سرکاری اداروں کے ملازمین نفس پرست ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) عورتیں نفس پرست ہیں اور مرد بھی ان سے پیچھے نہیں ہیں۔ شادی کا موقع ہوتا ہے تو نفس کا حکم مانا جاتا ہے اور ہندوؤں کی ساری رسومات پوری کی جاتی ہیں، اور نفس کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ کسی کے ہاں کوئی مر جاتا ہے تب بھی نفس ہی کا حکم چلتا ہے اور طرح طرح کی غیر اسلامی رسومات سرانجام دی جاتی ہیں۔ اس ظالم نفس نے چہروں کو بگاڑ دیا کہ مسلمان اور کافر میں فرق تک نظر نہیں آتا۔ نفس کے حکم پر سینما گھروں میں بھیڑ کی وجہ سے ٹکٹ نہیں ملتے، جبکہ مسجدیں ویران پڑی ہوئی ہیں۔ نفس پرستی نے خالص غذاؤں کو چھین لیا، امانت داری اور پاکبازی کو چھین لیا۔ نفس پرستی نے گلیوں اور بازاروں کو بے حیائی سے بھر دیا۔ آج اکثر لوگ نفس کی خارش میں مبتلاء ہو کر طرح طرح کے گناہ کر رہے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی چین نصیب نہیں ہو رہا۔ ہر شخص نفس کے پیچھے اور ہر کسی کا نفس اس کے پیچھے کتے کی طرح دوڑ رہا ہے۔ ہر

کوئی پریشان ہے اور گھر گھر میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور نفس پرستی جس قدر بڑھتی چلی جائے گی پریشانیوں اور مصیبتوں کی آگ اسی قدر تیز ہوتی جائے گی۔ سمجھ نہیں آتی کہ آج کے مسلمان تزکیہ جیسے اہم فریضے سے کیوں غافل ہو چکے ہیں؟ کیا نعوذ باللہ انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح نفس ہی کی فرمانبرداری کا عزم کرلیا ہے؟ کیا وہ اس بات کو بھول چکے ہیں کہ نفس امارہ تو ان کا بدترین دشمن ہے؟ کیا انہیں یہ بات یاد نہیں رہی کہ ان کے ذمے اپنے نفس کی اصلاح ایک لازمی فریضہ ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی کی صداقت صاف نظر آرہی ہے۔ اس امت کے بہت سارے افراد یہودیوں کی طرح نفس پرستی میں مبتلاء اور نفس کی اصلاح سے غافل ہو چکے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو خود کو مکمل طور پر نفس کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ دوسرے فرائض اداء کرتے ہیں۔ انہوں نے نہ اپنے عقائد کو درست کیا ہے نہ نظریات کو۔ وہ نہ تو حرام کھانے سے بچتے ہیں، نہ حرام کرنے سے۔ دین ان کے نزدیک ایک فضول چیز ہے، اور دنیا میں اپنا مستقبل سنوارنا ہی ان کی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔ ان لوگوں کو فوری طور پر اپنے طرزِ عمل کو بدلنا چاہیئے، کیونکہ وہ یہودیوں کی طرح نفس پرستی کو ہی شعار بنا چکے ہیں، جو کہ سراسر تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ جب تک موت نہیں آتی ان لوگوں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ انہیں سوچنا چاہیئے کہ ایک دن انہوں نے مر جانا ہے اور موت کی تلوار ان کے سر تک پہنچ چکی ہے۔ ان لوگوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف غلاظت بنانے کی مشین کے طور پر پیدا نہیں کیا کہ صرف کھاتے رہیں اور غلاظت بناتے رہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ مقاصد دے کر اور ان کے کندھوں پر کچھ ذمہ داریاں ڈال کر بھیجا ہے۔ انہیں سوچنا چاہیئے کہ نفس کے کہنے پر وہ کتنے گناہ کریں گے؟ کیا کسی گناہ سے انسان کو کبھی سکون ملا ہے؟ یا کسی گناہ سے نفس کا پیٹ کبھی بھرا ہے؟ وہ کب تک نفس کے کہنے پر اپنا پیسہ اور اپنی صحت گناہوں میں برباد کرتے رہیں گے؟ نفس تو خارش زدہ کتا ہے، اس کی خارش تو کبھی ختم نہیں ہوگی، جب تک کہ اس کی اصلاح نہ کی جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ نفس کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے

لوگ اگر تھوڑی دیر کچھ حقائق پر غور کر لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس قدر نقصان دہ اور خطرناک راستے پر چل پڑے ہیں۔

ان کے علاوہ بعض مسلمان ایسے ہیں جو کچھ نہ کچھ دین پر عمل کرتے ہیں اور اسلام سے محبت رکھتے ہیں، مگر انہوں نے بھی اپنے نفس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی، جس کی وجہ سے انہیں استقامت نصیب نہیں ہوتی، اور وہ جلد نیکیاں چھوڑ دیتے ہیں یا تھوڑی سی مجبوری کو بہانہ بنا کر اسلام کے احکامات سے منہ موڑ کر نفس پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو بھی تزکیۂ نفس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور کسی عالم باعمل، صاحب نسبت، متبع سنت شیخ کے ہاں جا کر اپنی اصلاح کرانی چاہیئے، اور خود بھی ''محاسبہ'' کے ذریعے اپنی نگرانی کرنی چاہیئے، اور جب بھی ان کا نفس انہیں کسی گناہ میں مبتلاء کرے تو وہ فوراً اپنے نفس کو مناسب تنبیہ کریں۔

ایک روایت میں آیا ہے:

''حضرت غزوان اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما ایک ساتھ جہاد میں تھے، اچانک ایک عورت ان کے سامنے آ گئی۔ غزوان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اُٹھا کر آنکھ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ورم کر گئی اور فرمایا: ''اے آنکھ! تو ایسی چیز کو دیکھتی ہے جو تیرے لیے مضر ہے۔''[1]

اسی طرح صالحین میں سے ایک شخص نے ایک عورت پر نظر ڈالی اور پھر اس گناہ کے کفارے کے طور پر اپنے نفس پر لازم کر لیا کہ زندگی بھر ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا۔''[2]

بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو اسلام کی عظمت، سر بلندی اور تنفیذ کے لیے جہاد میں نکلتے ہیں۔ ان خوش قسمت افراد کی فضیلت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور میدانوں میں نکل کر موت کی

---

[1] [محاسبة النفس لابن ابی الدنیا رقم الحدیث: ۵۰ ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

[2] [احیاء علوم الدین۔ ج: ۴، ص: ۴۰۶، ط: دار المعرفه، بیروت]

آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا اور طیاروں اور توپوں کی گھن گرج میں دشمن پر حملہ آور ہونا نفس کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے، لیکن ان حالات میں بھی مجاہدین کو تزکیۂ نفس سے قطعاً غافل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اگر خدانخواستہ نفس نے ریاکاری پر لگا دیا تو جان بھی جائے گی اور شہادت بھی نصیب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حدیث شریف کی رو سے ریاکار شہید، ریاکار عالم اور ریاکار سخی ہی وہ بدقسمت افراد ہیں جن کے ذریعے سے جہنم کی آگ کو سب سے پہلے بھڑکایا جائے گا۔ اسی طرح وہ مجاہدین جنہیں جنگ کے علاوہ جہاد کے دوسرے شعبوں کے کام سونپے جاتے ہیں، وہ بھی تزکیۂ نفس سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ آج نشر و اشاعت کے کام میں جھوٹ اور مبالغے اور ذمہ داری کے کاموں میں تکبر اور انانیت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے ہر وقت اپنے نفوس کو ٹٹولتے رہیں۔ اگر اپنی عزت کرانے کا شوق، لوگوں کو اپنے اکرام میں کھڑا دیکھنے کا شوق، اخبارات میں بڑی بڑی تصاویر چھپوانے کا شوق پیدا ہوجائے، یا دل میں جبن پیدا ہوجائے کہ محاذ پر جاکر لڑنے کی ہمت نہ رہے، یا دنیا کی محبت دل میں سرایت کرجائے اور عبادات میں سستی آنے لگے، یا اپنی رائے اور اپنی شخصیت بھلی لگنے لگے تو مجاہد کو سمجھ لینا چاہئے کہ خوفناک خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے، اور اس کا ایمان اور اس کی آخرت خطرے میں ہے۔ چنانچہ وہ فوراً تزکیۂ نفس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بڑا اور کوئی خسارہ نہیں ہوگا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے جہاد میں نکلے اور پھر نفس پرستی کا شکار ہوکر اپنے دین، اپنے ایمان اور جنت سے محروم ہوجائے۔

بعض مسلمان اسلام کی خدمت کے لیے سیاست کے میدان میں نکلتے ہیں۔ ان مسلمانوں کے لیے اپنے نفس کی نگرانی از حد ضروری ہوتی ہے، کیونکہ موجودہ سیاست میں ہر طرف کانٹے، کیچڑ اور نفس پرستی پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ کارکن اگر اپنے نفس کی اصلاح کرائے بغیر اس میدان میں آگے بڑھتے ہیں تو پھر غیر اخلاقی جوڑ توڑ اور ظاہری نمائشیں اور دوسروں کو گرا کر آگے بڑھنے کا

ولولہ انہیں تباہ کر دیتا ہے، اور اسلامی سیاسی کارکن بھی غیر اسلامی سیاسی کارکنوں کی طرح بے عمل، ریاکار، شہرت پسند اور عبادات سے غفلت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ یہ بات کارکنوں کے لیے بہت خطرناک ہے، اور اس صورت حال سے بچنے کے لیے خود انہیں ہی محنت کرنی ہوگی، اور ''تزکیۂ نفس'' کو لازم سمجھنا ہوگا۔ تب ان کے کام میں برکت ہوگی اور ان کی مساعی قبول ہوں گی، ان شاء اللہ

بعض مسلمان بزرگوں کے مزاروں پر جانے، قوالیوں میں شرکت کرنے اور پیروں کو نذرانے پیش کرنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ وہ پورا سال تو غلط کاروبار میں مشغول رہتے ہیں اور عبادات سے غفلت برتتے ہیں، مگر سال میں ایک بار کسی مزار پر چادر چڑھانے یا کسی بزرگ کے عرس پر دیگیں پکوا لینے کو ہی دین ایمان سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے اس طرز عمل سے توبہ کرنی چاہیئے، اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے دنیا سے بے رغبت حقیقی اللہ والوں کے پاس جانا چاہیئے۔ یاد رکھیں! اگر اپنا نفس پاک نہیں ہوگا اور فرائض کی پابندی اور حرام سے بچنے کا اہتمام نہیں ہوگا تو پھر صرف کسی کی دعاء نجات کے لیے کافی نہیں ہے۔ اللہ والوں کی قبروں پر چادریں چڑھانے کی بجائے ان اللہ والوں کی طرح نفس پرستی سے بچیں، اور یہ چادریں غریب بچیوں کے سروں پر ڈالیں، تب اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی۔

بعض مسلمان اپنے مخصوص نظریات کی وجہ سے تکبر میں مبتلاء ہیں۔ وہ سارا دن لوگوں سے بحثیں اور مناظرے کرتے ہیں اور فروعی مسائل کے بارے میں چیلنج پر مبنی اشتہارات چپکاتے ہیں۔ انہیں ان کے بڑوں نے بتا دیا ہے کہ بس تم حق پر ہو اور باقی ساری دنیا غلط ہے۔ اس خوش کن دعوے نے انہیں تقویٰ اور تزکیۂ نفس سے غافل کر دیا ہے اور ان کے دلوں میں سوائے مسلمانوں کی نفرت اور مسلکی شدت کے اور کچھ نہیں بچا۔

اسی طرح بعض سیاسی پارٹیوں نے بھی اپنے کارکنوں کو تزکیۂ نفس کے معاملے میں کھلی چھٹی

دے دی ہے اور انہوں نے اسے ایک ثانوی درجے کی چیز قرار دے دیا ہے۔ان مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ بھی توبہ کریں اور اپنے نفس کی پاکی کی طرف متوجہ ہوں۔کیونکہ صرف بلند بانگ دعوے اور قیل وقال کی فضول بحثوں سے انہیں کچھ نہیں ملے گا۔وہ جن محدثین کی روایت کردہ احادیث کو اٹھائے پھر رہے ہیں وہ تمام محدثین تصوف کے میدان کے شہسوار تھے،اور وہ اصلاح نفس کے لیے بیعت ہوتے تھے اور بیعت لیتے تھے۔اسی طرح سیاسی کارکنوں کو بھی سوچنا چاہیئے کہ بعض لیڈروں کی طرف سے انہیں تزکیہ کے معاملے میں ملی ہوئی کھلی چھٹی ان کے کچھ کام نہیں آئے گی۔ اس لیے وہ تزکیۂ نفس کو ثانوی درجہ دینے کی بجائے پہلا درجہ دیں،اور اپنے نفس کو پاک کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر سے معمور کریں۔

بعض مسلمان صرف کسی مرشد کامل سے بیعت کر لینے کو ہی کافی سمجھتے ہیں، جبکہ بعض لوگ کسی بزرگ کے ساتھ ذاتی قرب حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اچھی طرح سے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ صرف بیعت کر لینا ہی کافی نہیں ہے۔اسی طرح شیخ کے قرب میں دوسرے مریدوں سے سبقت لے جانا بھی کافی نہیں ہے۔بلکہ ہر مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ تزکیۂ نفس کے لیے محنت کرے،اور اپنے احوال سے شیخ کو آگاہ کرتا رہے،اور شیخ کی ہدایات پر خوب عمل کرے،اور دوسرے مریدوں کے ساتھ کسی طرح کے حسد میں مبتلاء نہ ہو،اور نہ ہی شیخ کی مجلس میں اس لیے آئے کہ وہاں سے باتیں سن کر دوسرے لوگوں پر تنقید کرے گا۔اسی طرح اگر طبیعت میں مضبوطی اور تحمل نہ ہو تو شیخ کے ساتھ زیادہ ذاتی مراسم بھی پیدا نہ کرے، بلکہ اپنے تعلق کو خالص اصلاحی رکھے۔کیونکہ اگر ذاتی مراسم پیدا کیے اور پھر شیخ کی بشری کمزوریوں پر نظر پڑی تو ممکن ہے کہ دین سے بھی بدظن ہو جائے۔خلاصہ یہ ہے کہ ہر بیعت کرنے والے شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اصلاح نفس ہی کے لیے بیعت کرے،اور ہمیشہ اس مقصد کو یاد رکھے،اور ان کاموں میں نہ پڑے جن میں سے نفس پرستی کی بو آتی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تزکیۂ نفس کی فکر عطاء فرمائے، اور ہم سب کے نفوس کا تزکیہ فرما کر مرتے وقت ہمیں یہ پیارے اور دلکش الفاظ سنائے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ○

”اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“ [1]



[1] [الفجر: ۲۷ تا ۳۰]

یہودیوں کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں بیماری

کتمانِ حق، تلبیس، تحریف اور دین فروشی

آسمان سے اترنے والا دین ہی زمین پر چلنے والے انسانوں کی نجات اور کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس دین ہی کو چھپا لیا جائے، یا بدل دیا جائے تو پھر تباہی اور ہلاکت کی ہولناکی کا اندازہ شاید ہی کوئی لگا سکے؟

دین کا علم رکھنے والے علماء ہی کسی قوم کی آنکھیں اور دل ہوتے ہیں۔ لیکن اگر علماء ہی دنیا پرست بن جائیں اور دنیا کے حقیر مفادات کی خاطر دین کو بیچنے لگیں یا اپنے منصب اور عزت کی خاطر دین کو چھپانے لگیں تو پھر اس قوم کی بربادی کس حد تک ہوتی ہے، اس کا مکمل اندازہ شاید ہی کوئی کر سکے۔ ہمارے سامنے یہودیوں کی مثال موجود ہے۔ یہودیوں کو آسمانی دین ملا اور دنیاوی اور اُخروی کامیابی کی ضمانت دینے والی الہامی شریعت ملی، مگر جس طرح بدبودار اور سوراخ زدہ برتن میں ڈالے جانے والے خوشبودار دودھ کا ایک حصہ برتن کے سوراخ سے نکل کر بہہ جاتا ہے اور جو تھوڑا بہت اس میں باقی رہتا ہے وہ بھی برتن کی گندگی اور بدبو کی وجہ سے اپنی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے، بالکل اسی طرح کا معاملہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ دین کے ساتھ کیا۔ کچھ کا انہوں نے انکار کر دیا، کچھ کو انہوں نے چھپا لیا اور کچھ کو بدل ڈالا اور کچھ کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا، اور بدقسمتی یہ کہ یہ بدترین جرم یہودیوں کے اس طبقے نے کیا جس کے ذمے دین کی حفاظت تھی اور جس کا منصب دین کی تبلیغ تھا۔

یہودیوں کے یہ ”احبار“ یعنی نام نہاد علماء مادہ پرستی کا اس طرح شکار ہوئے کہ انہوں نے

دین ہدایت کو اپنی تجارت بنالیا اور دنیا کے عارضی اور حقیر مفادات میں پڑ کر دین کا نقشہ ہی بدل ڈالا، یہاں تک کہ آسمان سے نازل ہونے والی یہودیت کا اکثر حصہ ان کی مفاد پرستی اور شکم پروری کی بھینٹ چڑھ گیا اور جو کچھ باقی بچا اس پر بھی وہ پردے ڈالتے رہے اور آج تک ڈال رہے ہیں۔ یہودیوں کی یہ تین بیماریاں ”کتمانِ حق، تلبیس اور تحریف“ مقصد اور ہدف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، اس لیے ان کو اکٹھا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہودیوں میں یہ تینوں بیماریاں دنیا پرستی یعنی حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے پیدا ہوئیں، اور ان تینوں بیماریوں کا ہدف اور تختۂ مشق اللہ تعالیٰ کا مبارک دین بنا۔ یہودیوں کے ”علماءِ سوء“ کتمانِ حق بھی کرتے تھے یعنی حق کو چھپاتے تھے اور تلبیس بھی کرتے تھے یعنی حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیتے تھے اور تحریف بھی کرتے تھے یعنی دین کو بدلتے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کمی اور زیادتی کرتے تھے۔ یہودیوں کی ان تینوں بیماریوں کو ایک مشترکہ نام دیا جاسکتا ہے اور وہ ہے ”دین فروشی“۔ یہودی علماءِ سوء نے ہدایت کے موتیوں کو حقیر ٹکوں کے عوض بیچ ڈالا۔ دین کی اصل روح اور اس کے اصلی حلیے کو اپنے پیٹ کی خاطر مکمل طور پر بدل دیا۔ چنانچہ آسمان سے نازل ہونے والی یہودیت مٹ گئی، تب آسمان سے رحمت کی بجائے لعنت برسنے لگی، جو تاقیامت ان پر برستی رہے گی، اور اس لعنت کا اثر دنیا میں ذلت اور حقارت کی شکل میں بالکل صاف نظر آتا ہے۔ آئیے! اللہ تعالیٰ کی محکم کتاب قرآن مجید کے شفاف اور حقیقت کشا آئینے میں یہودیوں کی ان تین خطرناک اور مہلک بیماریوں کا جائزہ لیتے ہیں:

① وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○	”اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔“[1]

یہ حکم خاص طور سے یہودیوں کو دیا گیا، کیونکہ وہ حق کو چھپاتے بھی تھے اور حق اور

[1] [البقرہ:۴۲]

باطل کو خلط ملط بھی کرتے تھے، حالانکہ انہیں نہایت سختی کے ساتھ اس حرکت سے روکا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ ؗ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَ اشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ○

"اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت فرمائی گئی تھی اقرار لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا تو انہوں نے اسے پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی، یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے۔"[۱]

"یعنی علماء اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات کتاب اللہ میں ہیں، انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنیٰ بدلیں گے۔ مگر انہوں نے ذرہ برابر پروانہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے، آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں، جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا یعنی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت، اس کو سب سے زیادہ چھپایا، جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے تھے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی اور اس کنجوسی کا منشا بھی مال و جاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں بعض اہل علم کو متنبہ فرما دیا گیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔"[۲]

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ آیت وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے لیا ہے۔ پس جس شخص کو علم آتا ہو اس کو چاہئے کہ لوگوں کو سکھائے اور کتمانِ علم سے دور رہے، کیونکہ علم کا چھپانا ہلاکت ہے۔"[۳]

[۱] [آل عمران: ۱۸۷] [۲] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱ص: ۳۵۷، ط: دارالاشاعت، کراچی]

[۳] [احکام القرآن للجصاص۔ ج:۱، ص: ۱۲۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

بے شک دین کا چھپانا بہت بڑی ہلاکت ہے۔ مگر یہودی تو ہر ہلاکت میں پڑنے کا گویا عزم کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دین کے ان احکامات اور گواہیوں کو بھی چھپایا جو دوپہر کے سورج کی طرح بالکل واضح اور آشکارا تھیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

''(اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ ان سے کہہ دیجئے کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی شہادت جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔'' [۱]

تورات میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کی شہادت موجود تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صاحبزادے اور پوتے وغیرہ ملت حنیفیہ پر تھے، مگر یہودی اس بات کو چھپا کر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ سب حضرات یہودی تھے۔ اسی طرح تورات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری اور سچا نبی ہونے کی شہادت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام نشانیاں موجود تھیں، مگر یہودی یہ سب کچھ چھپاتے تھے۔ تو جو قوم اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ شہادت کو سینہ زوری کے ساتھ چھپاتی ہو اس سے بڑا ظالم اور کون ہوسکتا ہے۔ اس آیت کی یہی تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما سے منقول ہے۔ [۲]

اندازہ لگائیے! حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہودی ہونے کا دعویٰ کس قدر جھوٹا اور بے وقعت ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ملت حنیفیہ پر ہونا تورات میں اسی طرح مذکور تھا جس طرح قرآن مجید میں ختم نبوت کا مسئلہ مذکور ہے۔ لیکن جب آنکھوں پر مفاد پرستی کی چربی چڑھ

[۱] [البقرہ: ۱۴۰] [۲] [دیکھیے! تفسیر مدارک للنسفي۔ ج: ۱، ص: ۱۳۶، ط: دار الکلم الطیب، بیروت]

جائے تو حیا اور امانت سر چھپا کر بھاگ جاتی ہے، اور دین فروش طبقہ ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اُٹھا کر اس کے احکامات کو چھپاتا ہے، اور شریعت کی مسند پر بیٹھ کر شریعت کے احکامات کو بدلتا ہے، جیسا کہ یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تورات میں مذکور نشانیوں کو چھپاتے رہے۔ حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے بڑھ کر پہچانتے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿۴﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ ان (پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں، مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔“[1]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ سَلَامٍ: لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِيْنَ رَأَيْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ اِبْنِيْ، وَ مَعْرِفَتِيْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيْ۔

”حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی ایسے پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔“[2]

تورات کی وہ آیات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت اور علامات موجود تھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں، مگر یہودیوں کے علماء کی اکثریت انہیں چھپاتی رہی اور آج تک چھپا رہی ہے۔ حالانکہ دین کے واضح احکامات کو سینہ زوری کرکے چھپا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن اگر کسی انسان کے سینے میں کافر دل ہو تو یہ کام بھی اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ آج ہر طرف اس کی مثالیں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی شامت اور نحوست اللہ تعالیٰ کی

---

[1] [البقرہ:۱۴۶] [2] [تفسیر جلالین۔ص:۲۸، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

ساری مخلوق کو بھگتنی پڑتی ہے، اور اس جرم کا مرتکب عمومی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ یہودیوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۵ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○

''جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے انہیں لوگوں کے (سمجھانے) کے لیے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی لعنت سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوگا؟ چونکہ اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کا ہر حکم رحمت ہے، اور یہ لوگ چند ٹکوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو چھپاتے ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرتے ہیں، اس لیے سب سے زیادہ لعنت خود انہی پر برستی ہے۔ اور جب حق چھپایا جاتا ہے اور باطل عام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق تکلیف میں مبتلاء ہو جاتی ہے، چنانچہ ساری مخلوق مل کر ان افراد پر لعنت بھیجتی ہے جو ان کی تکلیف اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں، جس طرح کہ یہی مخلوق ان لوگوں کے لیے استغفار کرتی ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور مخلوق کو راحت ملتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دین کو چھپانے والے افراد تمام مخلوق پر ظلم کرتے ہیں اور پھر ساری مخلوق کی لعنت کے مستحق بنتے ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ کتمان حق کتنا بڑا اور کتنا بھیانک جرم ہے؟ حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''(ان پر لعنت کرتے ہیں تمام لعنت کرنے والے) یعنی جن و انس و ملائکہ، بلکہ اور سب حیوانات۔ کیونکہ ان کی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط، وبا اور طرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف پہنچتی ہے اور سب ان پر لعنت کرتے ہیں۔''[2]

[1] [البقرہ:۱۵۹] [2] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱، ص:۱۳۹، ط: دارالاشاعت، کراچی]

جب کوئی شخص دین سیکھنے کے لیے یا دین پھیلانے کے لیے یا دین کو نافذ کرنے کے لئے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کے لیے استغفار کرتی ہے، کیونکہ جب زمین پر دین پھیلتا ہے تو سب کو اس کا فائدہ ملتا ہے۔لیکن جب دین کو چھپایا جاتا ہے یا بدلا جاتا ہے تو لوگوں کی آنکھوں سے حق مخفی رہتا ہے اور وہ غلط عقائد اور غلط اعمال میں مبتلاء ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اور دوسری مخلوقات کو بھی اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں کتمانِ حق کے گناہ کی مزید سزاؤں کا تذکرہ ہے:

(٦) اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًاۙ اُولٰٓىٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۖۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۝

”جو لوگ (اللہ تعالیٰ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں) سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا، یہ جہنم کی آگ کو کس قدر برداشت کرنے والے ہیں۔“[1]

تفسیر خازن میں ہے:

”یہ آیت یہودیوں کے رؤسا اور علماء کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ اپنے ماتحتوں اور اپنے ماننے والوں سے خوب ہدیے اور نذرانے وصول کرتے تھے اور ان کو یہ امید تھی کہ آخری نبی ان میں سے ہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آخری نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو بنی اسمٰعیل میں مبعوث فرمادیا تو انہیں اپنے پیٹ کی فکر لگ گئی کہ اب

[1] [البقرہ: ۱۷۴،۱۷۵]

نہ تو لوگ ہمیں اپنا رہنما تسلیم کریں گے اور نہ ہی ہم پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھائیں گے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان نشانیوں کو چھپا لیا اور بدل دیا جو تورات میں مذکور تھیں۔“ [1]

ان دو آیات میں یہودیوں کے لیے کئی طرح کی سزاؤں کا ذکر ہے:

1. اللہ تعالیٰ ان سے کلامِ رحمت نہیں فرمائے گا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ وہ حق چھپایا کرتے تھے۔
2. اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں فرمائے گا۔ یہ اس جرم کی سزا ہے کہ وہ حق چھپانے کے عوض دنیا کا حقیر مال کماتے تھے (اور اس ناپاک اور گندے مال نے ان کو مکمل طور پر آلودہ اور ناپاک بنا دیا)۔
3. دردناک عذاب...... یہ اس جرم کی سزا ہے کہ وہ اس حرام مال کو کھاتے تھے جو انگاروں کی طرح تھا۔
4. گمراہی کا خریدار ہونا...... یہ ان کی دنیاوی حالت کا بیان ہے کہ یہ لوگ گمراہی کے خریدار اور بیوپاری ہیں۔ [2]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ قمطراز ہیں:

”یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کتابِ آسمانی میں حلال وحرام کا حکم بھیجا، یہود نے اس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا، ایسے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات جو اس میں لکھی تھیں ان کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے، اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں۔ کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقۂ حق کسی کو نصیب نہ ہو، سب گمراہ رہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایتِ خلق کے لیے بھیجا تھا، سو انہوں نے) اللہ تعالیٰ کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔ (پھر) اللہ تعالیٰ کی

[1] [تفسیر خازن۔ ج:۱، ص:۱۰۴، ط:دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [حاشیہ جلالین۔ص:۳۲، ط:مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی، بلکہ اس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے ان سے اُلٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے، جس کا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا، حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکاتِ شنیعہ کی سزا بھی سخت ہوگی۔ یعنی ظاہر نظر میں ان کو وہ مال (جو انہوں نے دین بیچ کر کمایا) لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے، مگر حقیقت میں وہ آگ ہے، جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں، جیسا کہ طعامِ لذیذ میں زہر قاتل ملا ہوا ہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ جلا دے۔"[1]

مسئلہ

"آیاتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے (جیسا کہ علماء یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لے کر ان کے مطلب کے موافق غلط فتوے دیتے تھے) وہ جو یہ مال کھاتا ہے، گویا اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھر رہا ہے، کیونکہ اس عمل کا انجام یہی ہے۔ اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مالِ حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے۔"[2]

دین کو چھپا کر یا بیچ کر جو مال کمایا جاتا ہے وہ بے شک آگ ہے جو قیامت کے دن تو یقیناً بھڑکے گی، جبکہ بسا اوقات دنیا میں بھی یہ آگ اپنا کچھ نہ کچھ اثر دکھاتی رہتی ہے۔ اس لیے قرآن یہودیوں سے پوچھتا ہے کہ ایسا بھیانک جرم کیوں کرتے ہو:

⑦ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○	"اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو؟ اور حق کو چھپاتے ہو اور تم جانتے بھی ہو۔"[3]

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۱۴۸،ط: دارالاشاعت، کراچی]

[2] [معارف القرآن۔ ج:۱،ص:۴۲۸،ط: مکتبہ معارف القرآن، کراچی] [3] [آل عمران:۷۱]

یہودی کیا جواب دیں؟ کیا عذر پیش کریں؟ حق کو چھپانا اور دین کو بدلنا اور مٹانا ایسا بھیانک جرم ہے جس کے جواز کے لیے کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔ مگر یہودی جس طرح مال پر سانپ بن کر بیٹھنے کے عادی ہیں، اسی طرح دین کے معاملے میں بھی بخل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿٨﴾ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۟

’’جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے اسے چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘[1]

یہودی مال میں بخل کرتے تھے، کیونکہ مال ہی میں ان کی جان اٹکی ہوئی تھی، اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے تھے، کیونکہ بخیل آدمی کسی اور کو بھی خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، اور پھر دین اور علم کے معاملے میں بھی بخل کرتے تھے اور حق کو چھپاتے تھے، تاکہ گمراہ لوگوں کے جمگھٹے ان کے گرد لگے رہیں اور لوگوں کے نذرانے اور شکرانے ان کی جھولیوں میں گرتے رہیں۔

مذکورہ بالا آٹھ آیات میں یہودیوں کے مرض کتمانِ حق اور تلبیس کا قدرے تذکرہ آ گیا ہے، آئیے! بطور مثال کے ایک واقعہ پڑھتے ہیں۔

یہودیوں کے کتمانِ حق کا ایک واقعہ

ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے کہ یہودیوں میں سے ایک شادی شدہ مرد نے ایک شادی شدہ عورت سے بدکاری کی۔ یہودیوں نے آپس میں کہا کہ چلو اس کا فیصلہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) سے کراتے ہیں۔ اگر آپ کوڑے لگانے یا منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لیں گے، ورنہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ یہودی حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے پاس آئے اور بیان کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور عورت نے بدکاری کی ہے، اس بارے میں کیا حکم

[1] [النساء:۳۷]

ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تورات میں کیا لکھا ہے؟“

انہوں نے کہا:

”ہم تو کوڑے مارتے ہیں اور کچھ رسوا کرتے ہیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تورات لاؤ۔“

تورات لائی گئی۔ایک شخص پڑھنے لگا، جب اس آیت پر گزرا جس میں بدکاری کی سزا ”رجم“ یعنی ”سنگسار کرنا“ لکھی تھی تو اس نے اس پر ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے کی عبارت پڑھ دی۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو تورات کے بڑے ماہر تھے، عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں کہ یہ ہاتھ اُٹھائے۔اس نے ہاتھ اُٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی رجم کا حکم صادر فرمایا اور دونوں رجم کیے گئے۔“[1]

بعض تفاسیر میں اس واقعے کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس میں یہودیوں کے مشہور عالم ”ابن صوریا“ کی تحکیم کا بھی تذکرہ ہے اور یہی واقعہ قرآن مجید کی ان آیات کا شانِ نزول بھی ہے:

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا	”(اور) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی حکم ملے تو اسے قبول کر لینا اور اگر نہ ملے تو (اس سے) احتراز کرنا۔“[2]

جہاں تک دین میں تلبیس یا تحریف کا معاملہ ہے تو اس میں بھی یہودیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، بلکہ جس طرح دین کی حفاظت کرنے والے ہر راستے اور ہر طریقے سے حفاظت کا کام سرانجام دیتے ہیں، خواہ زبانی حفظ کرنے کے ذریعے سے ہو یا لکھنے کے ذریعے سے، پڑھنے کے ذریعے سے ہو یا پڑھانے کے ذریعے سے، عمل کے ذریعے سے ہو یا دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے،

[1] [صحیح البخاری۔رقم الحدیث:۳۶۳۵،ط:دارالکتب العلمیہ،بیروت] [2] [المائدہ:۴۱]

کیونکہ انہیں اس بات کی فکر اور کڑھن لگ جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دین جو بہت بڑی نعمت اور رحمت ہوتی ہے، اس کی حفاظت کریں اور دنیا و آخرت میں کامیابی پائیں، اسی طرح وہ لوگ جنہیں دنیا پرستی اور دین فروشی کا چسکا لگ جاتا ہے اور مادہ پرستی کی چربی ان کی آنکھوں پر چڑھ جاتی ہے اور لوگوں کے درمیان مقبول ہونے کا جنون ان کے سروں پر سوار ہو جاتا ہے، وہ ہر طریقے سے دین میں تحریف کرتے ہیں۔ کبھی کچھ گھٹا کر اور کبھی کچھ بڑھا کر، کبھی اصل الفاظ بدل کر اور کبھی ترجمہ بدل کر، کبھی کچھ مٹا کر اور کبھی کچھ کو خلط ملط کر کے، وہ کبھی تشریح غلط کرتے ہیں تو کبھی الفاظ میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ یہودیوں کے علماءِ سوء چونکہ دنیا پرست ہو چکے تھے اور دین فروشی ان کا پیشہ بن چکی تھی، اس لیے انہوں نے ہر طریقے سے دین میں تحریف اور تبدیلی کی اور دین کے اصل حلیے کو بالکل بگاڑ کر رکھ دیا۔ آئیے! قرآن مجید کے آئینے میں یہودیوں کی اس ناپاک جسارت اور تباہ کن حرکت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اسی جائزے کے دوران تحریف کی مختلف اقسام اور تحریف کے وہ مختلف طریقے بھی ہمارے سامنے آجائیں گے جو یہودیوں نے اختیار کیے اور آج یہودیوں کے راستے پر چلنے والے بہت سے افراد نے اختیار کر رکھے ہیں۔

(1) اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ○

”کیا تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے، پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔“ [1]

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں ”فریق“ سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ساتھ کوہ طور پر لے گئے تھے، تاکہ وہ پوری قوم کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کلام خود اپنے کانوں سے سنیں اور واپس آ کر قوم کو اس کی اطلاع دیں۔ یہ لوگ جب واپس آئے تو انہوں نے قوم کو وہ تمام باتیں سنائیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سنی تھیں۔ مگر پھر اپنی طرف سے

[1] [البقرہ:۷۵]

بڑھادیا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ ان احکامات کو کرسکو تو کر لینا اور نہ کرسکو تو معاف ہے۔

اگر آیت کی اس تفسیر کو لیا جائے تو پھر اس میں ایک خاص قسم کی تحریف کا ثبوت ملتا ہے۔اور وہ تحریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات تو صاف صاف سنا دیئے جائیں، مگر آخر میں کچھ جھوٹے اور الٹے سیدھے دلائل کے ذریعے سے ان احکامات پر عمل کی اہمیت کو کم کر دیا جائے، تا کہ لوگ بھی خوش ہو جائیں اور خود بھی عمل نہ کرنا پڑے اور لوگوں کو جھوٹ اور آسانی دینے کے عوض ان سے مال و عزت بھی حاصل کریں۔جبکہ بعض دوسرے مفسرین حضرات کا فرمانا ہے کہ کلام اللہ سے مراد تورات ہے اور تحریف کرنے والے فریق سے مراد یہودیوں کے احبار اور علماءِ سوء ہیں۔ان علماءِ سوء نے تورات میں طرح طرح کی تبدیلیاں اور تحریفات کیں۔وہ کبھی تو الفاظ بدل دیتے تھے اور کبھی الفاظ درست پڑھ کر ان کا معنیٰ غلط بتاتے تھے اور بعض مرتبہ ترجمہ اور معنیٰ بھی درست بتاتے تھے مگر تشریح غلط کرتے تھے یا مقصد غلط نکالتے تھے۔ان ظالموں نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا تھا اور لوگوں سے رشوتیں لے کر اور حکام کی خوشنودی کے لیے غلط مسئلے بتاتے تھے۔تورات میں تحریف و تبدیلی اس قدر وسیع پیمانے پر ہوئی کہ آج جمہور اہلِ اسلام مکمل تحقیق کی بنیاد پر یہود و نصاریٰ کی کتابوں کو محرف و مبدّل مانتے ہیں اور اہلِ حق علماءِ کرام نے ان کتابوں میں تحریف کے ثبوت میں ناقابلِ تردید دلائل پیش فرمائے ہیں۔فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِي الدَّارَيْنِ

۲ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○

”تو ان لوگوں پر افسوس (اور ہلاکت) ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے (آئی) ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں، ان پر افسوس ہے اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس پر جو وہ کماتے ہیں۔“[1]

[1] [البقرہ:۷۹]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اے مسلمانو! تم اہلِ کتاب سے کیا پوچھا کرتے ہو؟ یہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، یہ سب خبریں دیتی ہے، تر و تازہ ہے، بوڑھی نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے تم کو سنا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدل ڈالا، وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب ٹھہرا کر تھوڑے داموں پر بیچ دیتے ہیں۔ یہ علم جو تمہارے پاس آیا ہے کیا تم کو ان کے سوال سے منع نہیں کرتا؟ واللہ! ہم ان کو نہیں دیکھتے کہ وہ کبھی بھی تم سے کوئی بات تمہاری کتاب کی پوچھیں۔''[1]

آیت مبارکہ اور اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ یہودیوں کے علماءِ سُوء اپنی طرف سے بہت سی باتیں لکھ کر انہیں دین کی باتیں قرار دیتے تھے اور جاہل لوگوں کو ان کے اس طرزِ عمل سے یہ تاثر ملتا تھا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں:

وَ هُمُ الْيَهُوْدُ غَيَّرُوْا صِفَةَ النَّبِيِّ فِي التَّوْرَاةِ وَ آيَةَ الرَّجْمِ وَ غَيْرَهُمَا وَ كَتَبُوْهَا عَلٰى خِلَافِ مَا أُنْزِلَ۔

''یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی کہ انہوں نے تورات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات کو اور آیات رجم وغیرہ کو بدل دیا اور اپنی طرف سے وہ کچھ لکھ دیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کے برعکس تھا۔''[2]

تفسیر ''حدائق الروح والریحان'' میں ہے:

وَ كَانَتْ صِفَتُهٗ هِيَ فِي التَّوْرَاةِ حَسَنُ الْوَجْهِ، جَعْدُ الشَّعْرِ، اَكْحَلُ الْعَيْنِ، رَبْعَةً اَيْ مُتَوَسِّطَ الْقَامَةِ. فَغَيَّرُوْهَا وَ كَتَبُوْا مَكَانَهٗ طِوَالٌ، اَزْرَقُ الْعَيْنَيْنِ، سَبْطُ الشَّعْرِ اَيْ جَعْدَهٗ. وَ كَانُوْا اِذَا سَأَلَتْهُمْ سَفَلَتُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ قَرَأُوْا عَلَيْهِمْ مَا

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۶۸۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [تفسیر جلالین۔ ص: ۱۶، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

كَتَبُوْا، فَيَجِدُوْنَهٗ مُخَالِفًا لِصِفَتِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَيُكَذِّبُوْنَهٗ۔

”تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مذکور تھا کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوبصورت، پیچواں بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد ہوں گے۔ انہوں نے ان صفات کو بدل کر یوں لکھ دیا کہ لمبا قد، نیلی آنکھیں، سیدھے بالوں والے ہوں گے، پھر جب ان کے عوام ان سے نبی آخر الزمان کے بارے میں پوچھتے تو وہ اپنا لکھا ہوا سنا دیتے۔ عام یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان خود ساختہ صفات کے خلاف دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہو جاتے۔“[1]

یہ تو صرف ایک مثال ہے، ورنہ یہودیوں کا صبح شام کا مشغلہ ہی یہی تھا کہ وہ اپنی من پسند باتیں جن میں ان کے دنیاوی مفادات کا تحفظ ہوتا تھا، اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی اور دین کی باتیں قرار دیتے تھے، اور جاہل عوام جن کی براہ راست کتاب اللہ تک رسائی نہیں تھی، ان گھڑی ہوئی باتوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ لیتے اور انہیں آگے پھیلاتے۔ یوں رفتہ رفتہ اصل دین مٹتا گیا اور نفس پرستی پر مبنی من مانی تشریحات ہی دین سمجھی جانے لگیں۔

(۳) وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ○

”اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تا کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا، اور کہتے ہیں کہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا، اور وہ) اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔“[2]

یہ تحریف کا ایک عجیب وغریب طریقہ تھا جو یہودیوں نے ایجاد کیا اور آج تک کے محرفین نے اسے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے، اور وہ اس طریقے میں طرح طرح کی ترقیاں کر کے ان پڑھ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہودیوں کا طریقہ تو یہ تھا کہ تورات میں اپنی طرف سے کچھ گھٹا بڑھا کر ایسے انداز اور لہجے میں پڑھتے تھے کہ ان پڑھ لوگ دھوکے میں آجاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جو کچھ

---

[1] [حدائق الروح والریحان۔ ج:۲، ص:۲۳، ط: دار طوق النجاۃ، بیروت] [2] [آل عمران: ۷۸]

پڑھا جا رہا ہے یہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا دین اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔کسی عبارت کو با حوالہ لکھ کر اس کے ترجمے میں ہیر پھیر کرنا اور کسی آیت یا عبارت کو اس کے اصل سیاق وسباق سے ہٹا کر محض اس کے الفاظ سے کوئی باطل معنیٰ لے لینا یہ بھی اسی طرح کی تحریف میں شامل ہے۔

④ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ○ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا○

”بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا تھا کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ۔“...... ”اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا، اور سنیے نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (آپ سے گفتگو کے وقت) ”رَاعِنَا“ کہتے ہیں، اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور اُنْظُرْنَا (کہتے) تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔“[1]

ان دو آیات میں یہود کی کئی بیماریوں کا تذکرہ ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہو رہا ہے۔اور ان آیات میں دو طرح کی تحریف کو بھی بیان کیا گیا ہے، جس میں یہودی مبتلاء تھے۔پہلی تحریف ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے، یعنی یہودیوں کو کتاب اس لیے دی گئی تھی تاکہ وہ ہدایت اور کامیابی پائیں، مگر انہوں نے عزت اور رشوت کی خاطر ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا، اور احکامِ ہدایت کو افکارِ ضلالت میں بدل دیا اور ہدایت کی بہت سی باتوں کو چھپا لیا۔اور دوسری تحریف ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ کے الفاظ میں مذکور ہے کہ یہودی تورات

[1] [النساء: ۴۴ اور ۴۶]

کے الفاظ کو ان کے اصل محل اور مقام سے پھیر دیتے تھے۔ یہی وہ تحریف ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفوز الکبیر'' میں کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہودی تحریف لفظی تورات کے ترجمے وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل تورات میں، کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے کہ تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے، یعنی سینہ زوری اور راہ مستقیم سے انحراف کرکے کسی آیت کو اس کے اصل معنیٰ کیخلاف حمل کرنا۔''[1]

﴿۵﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، یہ لوگ کلماتِ کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ آپ ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہیں، پس ان کی خطائیں معاف کر دو اور درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''[2]

اس آیت میں چند باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور اس کے دین میں تحریف صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو ملعون ہو اور اس کا دل سخت ہو چکا ہو، چنانچہ یہودیوں کے جن افراد پر اللہ تعالیٰ نے لعنت برسائی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہی افراد دین میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لعنت برسی، اس کے تین معنیٰ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دُور کر دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب اور شکلوں کو مسخ کر دیا۔

---

[1] [الفوز الکبیر، ص:۴۵، ط: دار الصحوۃ، القاهرۃ] [2] [المائدہ: ۱۳]

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر جزیہ اور غلامی کی ذلت کو مسلط کر دیا۔

بس وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں اور ان کے دل مسخ ہو چکے ہوتے ہیں اور کافروں کی غلامی ان پر مسلط ہوتی ہے، وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے دین میں تحریف کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ جو لوگ دین میں تحریف کرتے ہیں، ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے دل مسخ ہو چکے ہوتے ہیں۔

﴿۳﴾ دین میں تحریف کرنے والے افراد خائن ہوتے ہیں اور ان کی دینی، علمی اور مالی خیانتیں روزانہ منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔

﴿۴﴾ آیت کے آخر میں ان یہودیوں کے ساتھ درگزر کا حکم فرمایا گیا ہے، جو بعض مفسرین کے نزدیک آیت قتال سے منسوخ ہے۔ جبکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دونوں حکم مختلف حالات کے تحت ہیں کہ کبھی قتال کیا جائے گا اور کبھی عفو و درگزر سے کام لیا جائے گا۔

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں، کبھی اس کے الفاظ میں، کبھی معنیٰ میں، کبھی تلاوت میں تحریف کی۔ یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں، جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ”نقض عہد (یعنی عہد توڑنے) کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں: ”ملعونیت“ اور ”قسوۃ قلب“ (یعنی دل کی سختی)۔ ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں۔ ”تحریف کلام اللہ“ اور ”عدم انتفاع بالذکر“ (یعنی نصیحت سے فائدہ نہ اُٹھانا) یعنی لعنت کے اثر سے ان کا دماغ ممسوخ ہو گیا، حتیٰ کہ نہایت بے باکی اور بدعقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت

سے متأثر ہونے کا مادہ نہ رہا، اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔“ [1]

(٦) وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ الخ

”ان میں سے جو یہودی ہیں یہ غلط بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے۔ (صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں۔“ [2]

اس آیت میں بھی یہودیوں کی دیگر بیماریوں کے ساتھ ساتھ ”تحریف فی الدین“ کا بھی تذکرہ ہے، جس کی قدرے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(٧) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

”پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے، یہ (بے تامل) اس حقیر دُنیا کا مال ومتاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیئے جائیں گے اور اگر ان کے سامنے ویسا ہی مال پھر آئے تو وہ اسے بھی لے لیتے ہیں، کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے؟ اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے، اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟“ [3]

اس آیت کریمہ میں جو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(١) پہلے دور کے یہودیوں میں کچھ صالحین تھے اور کچھ نافرمان، مگر ان کے بعد جو لوگ ان کے گدی نشین اور کتاب کے وارث بنے وہ بڑے نالائق اور ناخلف تھے۔

(٢) ان نالائق اور ناخلف وارثوں نے دنیا کے تھوڑے سے حقیر مال کے عوض آیات اور احکامات کو

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱ص:۵۰۹، ط:دارالاشاعت، کراچی] [2] [المائدہ:۴۱] [3] [اعراف:۱۶۹]

چھپایا اور ان میں تحریف کی، اور وہ رشوتیں لے کر غلط مسئلے گھڑتے اور بتاتے رہے۔

(۳) کتاب میں تحریف اور احکام کو چھپانے اور بدلنے کے جرم عظیم کے باوجود ان نالائقوں کو یہ خوش فہمی تھی کہ ہم نیک لوگوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے گا۔

(۴) چونکہ وہ اپنی بخشش کے بارے میں ناجائز خوش فہمی میں مبتلاء تھے، اس لیے انہوں نے توبہ کی طرف توجہ ہی نہیں کی، بلکہ وہ ہر وقت دین فروشی کے لیے تیار رہتے تھے کہ تھوڑا سا مال ملے اور وہ دین کو بیچ ڈالیں۔

(۵) یہ لوگ تورات میں تحریف کر رہے تھے اور دین کو بیچ رہے تھے، حالانکہ ان سے اسی تورات میں یہ عہد لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سوائے سچی بات کے کسی چیز کی نسبت نہیں کریں گے۔ یہ لوگ تورات میں اس عہد کو پڑھتے تھے اور پھر اسے نظر انداز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے تھے۔

(۶) ان کے یہ سارے کام اعلیٰ درجے کی بے عقلی اور حماقت کا ثبوت ہیں۔ کاش! وہ اپنی آنکھوں سے دنیا پرستی اور مفاد پرستی کے پردے اتار کر دیکھیں اور آخرت کی فکر کریں کیونکہ عقلمند تو وہی ہے جو آخرت پر دنیا کو قربان کرتا ہے نہ کہ دنیا پر آخرت کو، اور آخرت ہی کی کامیابی میں دنیا کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

(۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

"اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) بہت سارے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور (ان کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے۔"[1]

[1] [التوبہ: ۳۴]

''یعنی روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ ادھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گزرا خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے، جو کچھ غلط سلط کہہ دیں وہ ان کے نزدیک حجت ہے۔ اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، سکے بٹورنے اور اپنی سیادت اور ریاست قائم رکھنے کے لیے عوام کو مکروفریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں، کیونکہ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کرلیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سنایا تا کہ وہ متنبہ ہو جائیں کہ اُمتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے۔ علماء و مشائخ اور اغنیاء و رؤسا۔'' [1]

چونکہ یہود و نصاریٰ کے علماء اور درویش دین فروشی کا یہ کام سونے چاندی اور مال کی محبت میں کرتے تھے، اس لیے اگلی آیات میں مال جمع کرنے کا برا انجام بیان کر دیا گیا کہ یہ مال قیامت کے دن آگ میں دہکایا جائے گا اور پھر اس کے ذریعے سے اس کے مالک کے جسم کو داغا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

مذکورہ بالا آٹھ آیات میں یہودیوں کی بیماری ''تحریف فی الدین'' کا قدرے تذکرہ آگیا، جبکہ کتمانِ حق کا تذکرہ اس سے پہلے آیات میں گزر چکا ہے اور ان میں تلبیس کا بھی تذکرہ تھا۔ ''تلبیس''، کتمان اور تحریف کے درمیانی درجے کو کہتے ہیں، یعنی کچھ حق اور کچھ باطل کو ملا کر ایک نیا ملغوبہ تیار کیا جائے، یا حق پر باطل کی سیاہی پھیر دی جائے اور حق میں باطل کا پیوند لگایا جائے، یا حق کو باطل کے یا باطل کو حق کے کپڑے پہنا دیئے جائیں۔ یہ تمام صورتیں تلبیس کی ہیں جو یہودیوں نے اختیار کیں، اور آج کل بہت سارے مسلمان کہلانے والے افراد بھی دین کے اندر اسی طرح کی تلبیس میں مصروف و مشغول ہیں، مگر وہ دین اسلام کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

---

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۸۶۵، ط: دارالاشاعت، کراچی]

اسلامی دعوت

اسلام نے حق کی اشاعت اور تبلیغ کا حکم دیا ہے اور حق پوشی کو جرم عظیم قرار دیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغامات کو من وعن آگے پہنچانے اور دین کو ہر طرح کی تحریف اور تبدیلی سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی مکمل حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اُمت میں ایسے افراد کی تاقیامت موجودگی کی بشارت دی ہے جو دین کو ہر طرح کی تحریف وتبدیلی سے پاک رکھیں گے اور دین خالص کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور اس کے مآخذ کی حفاظت کا ایسا انتظام فرمادیا ہے کہ کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ دین اسلام میں رہتے ہوئے دین میں کوئی تحریف یا تبدیلی کرسکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝ | ”بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔“[1]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بعض مفسرین کے اقوال نظر قارئین ہیں:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ مِنَ التَّبْدِيْلِ وَالتَّحْرِيْفِ وَالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ۔

”اور ہم اس قرآن کے محافظ ہیں، تبدیلی، تحریف، زیادتی اور کمی سے۔“[2]

صاحب جمل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ بِخِلَافِ سَائِرِ الْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ فَقَدْ دَخَلَ فِيْهَا التَّحْرِيْفُ وَ التَّبْدِيْلُ، بِخِلَافِ الْقُرْآنِ فَاِنَّهٗ مَحْفُوْظٌ مِّنْ ذٰلِكَ، لَايَقْدِرُ اَحَدٌ مِّنْ جَمِيْعِ

---

[1] [الحجر:9] [2] [تفسیر جلالین۔ص:۲۵۰،ط:مکتبہ رحمانیہ،لاہور]

الْخَلْقِ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ اَنْ يَّزِيْدَ فِيْهِ اَوْ يَنْقُصَ مِنْهُ حَرْفًا وَّاحِدًا اَوْ كَلِمَةً وَّاحِدَةً۔

"﴿اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کا وعدہ قرآن مجید کے لیے ہے، بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ ان میں تحریف بھی ہوئی اور تبدیلی بھی، جبکہ قرآن مجید بالکل محفوظ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی انسان یا جن اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ قرآن مجید میں ایک حرف یا کلمہ بڑھائے یا گھٹائے"۔[1]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس آیت کے بارے میں تقریر کے ایک ایک جملے پر غور فرمائیے:

"یاد رکھو! اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس شان اور ہیئت سے وہ اترا ہے، بدون ایک شوشہ یا زیر وزبر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا، اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی ومعنوی سے محفوظ ومصون رکھا جائے گا، زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول واحکام کبھی نہ بدلیں گے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم وحکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں پر قرآن کے صوری ومعنوی اعجاز میں اصلاً ضعف وانحطاط محسوس نہ ہوگا، قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں ساعی ہوں گی لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کرسکیں گی۔ حفاظتِ قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا، جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب ومغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ "میور" کہتا ہے: "جہاں تک ہماری معلومات ہیں، دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔" ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

[1] [حاشية الجمل على الجلالين۔ ج:۴، ص:۱۷۳، ط: دار الكتب العلميه، بيروت]

کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں، جیسے مسلمان اسے اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں۔
واقعات بتلاتے ہیں کہ زمانے میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ایسا رہا ہے جس نے قرآن کے علوم ومطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی۔ کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز اداء کی، حافظوں نے اس کے الفاظ وعبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر وزبر تبدیل نہ ہوسکا کسی نے قرآن کے رکوع گن لیے، کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ یا کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی، جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظِ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے، وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے کس طرح فر فر سنا دیتا ہے؟ پھر کسی مجلس میں ایک باوجاہت عالم وحافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے، چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظِ قرآن کے متعلق یہ ہی اہتمام واعتناء عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔" [1]
اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جو تفسیر "معارف القرآن" کے حوالے سے پیش خدمت ہے:
"امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المؤمنین مامون رحمۃ اللہ علیہ کے

[1] [تفسیر عثمانی۔ج:۲،ص:۲۸۹،ط: دار الاشاعت، کراچی]

دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جن میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی۔ ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آگیا، جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا۔ مامون نے (امتحان لینے کے لیے) کہا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی۔ یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں۔ مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سالِ گذشتہ آئے تھے؟ جواب دیا: ہاں! وہی ہوں۔ مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کا ارادہ کیا۔ میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں۔ میں نے امتحان کرنے کے لیے تورات کے تین نسخے کتابت کیے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا۔ پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانے لے گیا، وہ بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لیے۔ پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کیے، جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی۔ ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لیے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔ اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لیے مسلمان ہو گیا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عیینہ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ ان کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ بے شک ایسا ہی ہونا چاہیے، کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔ یحییٰ بن اکثم نے پوچھا: قرآن کی کون سی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات و انجیل کا ذکر کیا ہے اس میں تو فرمایا: ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ یعنی یہود و نصاریٰ کو کتاب اللہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود و نصاریٰ نے فریضۂ حفاظت ادا ء نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و محرف ہو کر ضائع ہو گئیں۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں، اس لیے اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود فرمائی، تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ اور ایک زیر وزبر میں فرق نہ آسکا۔“[1]

قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ۝	”(اے نبی!) آپ قرآن مجید کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔“[2]

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے، تاکہ جلدی یاد کرلیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ بھول جانے کا خوف نہ کریں، اس قرآن مجید کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

[1] [معارف القرآن۔ ج:۵، ص:۲۸۱، ط: مکتبہ معارف القرآن، کراچی / الجامع لأحكام القرآن، تفسير القرطبي۔ ج:۱۰، ص:۵، ط: دار الكتب المصرية، القاهرة] [2] [القیامہ:۱۶، ۱۷]

وَ أَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ۔

''میں آپ پر ایسی کتاب نازل کر رہا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا، (یعنی اسے کوئی نہیں مٹا سکے گا)۔''[1]

قرآن مجید کے الفاظ کی حفاظت کے لیے اسلام نے حفظ قرآن کی ترغیب دی۔ اس بارے میں دلائل بہت زیادہ ہیں، ہم صرف ایک صحیح روایت پر اکتفاء کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ۔ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ الْكِتَابَ وَ قَامَ بِهٖ اٰنَآءَ اللَّيْلِ، وَ رَجُلٌ أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهٖ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ۔

''حسد (یعنی رشک) جائز نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر، پہلا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطاء فرمایا اور وہ دن رات اس کی تلاوت میں لگا رہتا ہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطاء فرمایا اور وہ اس کو دن رات صدقہ کرتا رہتا ہے۔''[2]

قرآن مجید کے علوم و معانی کی حفاظت کی ترغیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مبارک الفاظ میں دی ہے:

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ۔

''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرتا ہو اور قرآن کا علم سکھاتا ہو۔''[3]

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے دور اور اس کی اجتماعی تلاوت اور اس کے اجتماعی دروس کی بھی ترغیب دی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

وَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَ يَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ، وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلَآئِكَةُ،

---

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۸۶۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۰۲۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۰۲۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔

"جب اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کے پڑھنے پڑھانے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے، اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے ماہر عالم کی تعریف فرمائی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں مکمل مہارت تحریفی فتنوں کا علاج ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهٖ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ۔

"جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہوتا ہے، وہ قیامت کے دن فرمانبردار بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔" [2]

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر علم کے قرآن کریم کی تفسیر کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

"جو شخص قرآن کریم کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔" [3]

ایک دوسری روایت میں ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ۔

"جو شخص قرآن مجید کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ گفتگو کرے تو اگر صحیح بات بھی کہے تو اس نے غلطی کی۔" [4]

---

1 [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۶۹۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

2 [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۹۰۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

3 [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۹۵۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

4 [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۹۵۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ان دونوں احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص بھی محض اپنی خواہش نفس کے تحت قرآن مجید کی تفسیر کرے گا تو اس کی تفسیر بھی غیر معتبر ہوگی اور خود اس کا ٹھکانہ بھی جہنم میں بنے گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید بالکل محفوظ ہے اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ مسلمان رہتے ہوئے قرآن مجید کے الفاظ یا معانی میں تحریف یا تبدیلی کرے۔ ہاں! اگر کوئی شخص اسلام کا تاج اپنے سر سے اتار پھینکے اور کفر و نفس پرستی کا ٹوکرا اپنے سر پر رکھ لے تو وہ قرآن مجید میں ضرور تحریف و تبدیلی کی کوشش کرے گا لیکن اس کی یہ تحریف خود اسے ہی نقصان پہنچائے گی، جبکہ اصل قرآن کا وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا، اس بارے میں چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْآنِ کُفْرٌ۔

”قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔“[1]

قرآن مجید کی آیات کو ایک دوسرے کے مقابلے پر لانا اور اس کی تفسیر میں اپنی رائے اور خواہش نفس سے جھگڑے ڈالنا مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں اس طرح کی گئی ہے:

سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم قَوْمًا یَتَدَارَءُوْنَ، فَقَالَ:

إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا، ضَرَبُوْا كِتَابَ اللهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ، وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا، فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ، فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا، وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْهُ إِلٰى عَالِمِهٖ۔

”آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کچھ لوگوں کے بارے میں سنا کہ وہ قرآن مجید میں جھگڑا کرتے ہیں تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

”تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعض حصے کو دوسرے بعض سے ٹکرایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تو اس لیے نازل ہوئی ہے کہ اس کا بعض

[1] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۴۶۰۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

حصہ دوسرے بعض کی تصدیق کرتا ہے، پس تم اس کے بعض کی دوسرے بعض کے ذریعے تکذیب نہ کرو، قرآن میں سے جس بات کا تمہیں علم ہو اسے بیان کرو اور جس کا تمہیں علم نہ ہو اسے قرآن کے عالم کے سپرد کر دو۔"[1]

اسلام کا دوسرا ماخذ "سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہے، جو احادیث کی صورت میں امت مسلمہ کے پاس محفوظ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید کی تعلیم کا فرض سونپا گیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل، اپنے فرامین اور اپنے احوال کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر وتشریح فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○	"اور نازل کیا ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ذکر (یعنی کتاب کو) تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کر دیں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو ان کی طرف نازل کی گئی اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔"[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا حجت ہونا قرآن مجید کی بہت سی آیات سے ثابت ہے۔ اور یہ ایک مستقل اور مہتم بالشان موضوع ہے، جس پر اکابر امت اور علماء حق نے کافی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ تحقیق کے طلبگار حضرات ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں سر دست ہمارے موضوع سے متعلق اتنا عرض ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے اسلافِ امت نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا اہتمام کیا، اسی طرح انہوں نے اپنے عمل کے ذریعے اور لکھنے پڑھنے، یاد کرنے اور اشاعت کے ذریعے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی خوب حفاظت فرمائی اور جب کچھ افراد نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں تحریف و تبدیلی اور زیادتی ونقصان کی مذموم کوشش شروع کی، تو اُمت مسلمہ میں سے ایسے افراد اللہ تعالیٰ نے کھڑے فرمائے جنہوں نے کھرے اور کھوٹے کو بالکل الگ الگ کر کے رکھ دیا، اور انہوں نے علمی طور پر ایسا انتظام فرمایا کہ قیامت تک کے لیے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر طرح کی تحریف و

[1] [مسند احمد۔ رقم الحدیث: ۶۷۴۱، مؤسسة الرسالة، بیروت] [2] [النحل: ۴۴]

تبدیلی سے محفوظ ہوگئی۔خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں احادیث مبارکہ کو لکھنے، یاد کرنے، محفوظ رکھنے اور آگے پھیلانے کے احکامات جاری فرمائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لوگوں کی مذمت کی اور ان کے انجام کو بھی بیان فرمادیا جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کسی طرح کے جھوٹ کو داخل کرنے کی کوشش کریں گے یا حدیث شریف کو حجت ماننے سے انکار کریں گے۔

ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ان کے الفاظ میں اچھی طرح سے غور فرمائیے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

''بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میری باتیں دوسروں تک پہنچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔'' [۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَهٗ کَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو ترو تازہ (خوش وخرم) رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور پھر اسے من و عن بیان کر دیا، اور بعض سننے والے سنانے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔'' [۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَکْذِبُوْا عَلَیَّ، فَإِنَّهٗ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَلِجِ النَّارَ۔

''مجھ پر جھوٹ نہ بولو، بے شک جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔'' [۳]

دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

''اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' [۴]

---

۱ [صحیح البخاری۔رقم الحدیث: ۳۴۶۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [سنن الترمذی۔رقم الحدیث: ۲۶۵۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۳ [صحیح البخاری۔رقم الحدیث: ۱۰۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۴ [صحیح البخاری۔رقم الحدیث: ۱۲۹۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ لَيْثٍ - عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ- بِقَتِيْلٍ مِّنْهُمْ قَتَلُوْهُ، فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِيْلَ- قَالَ أَبُوْعَبْدِاللهِ: كَذَا قَالَ أَبُوْ نُعَيْمٍ، وَاجْعَلُوْهُ عَلَى الشَّكِّ الْفِيْلَ أَوِ الْقَتْلَ، وَغَيْرُهُ يَقُوْلُ الْفِيْلَ- وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وَ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَلَا وَ إِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَ لَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ، أَلَا وَ إِنَّهَا حَلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ، أَلَا وَ إِنَّهَا سَاعَتِيْ هٰذِهٖ حَرَامٌ، لَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُّقَادَ أَهْلُ الْقَتِيْلِ- فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ، فَقَالَ: اُكْتُبْ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ: اُكْتُبُوْا لِأَبِيْ فُلَانٍ-

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے قبیلہ بنولیث کے ایک آدمی کو فتح مکہ کے سال اپنے اس مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جسے بنولیث نے قتل کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر تشریف فرما ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ سے قتل یا ہاتھیوں (راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''قتل'' کا تذکرہ فرمایا تھا یا ''فیل''، یعنی ہاتھی کا۔ ہاتھی سے مراد ''ابرہہ کے ہاتھی۔'') کو روک دیا، اور اللہ تعالیٰ نے مکہ پر اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ایمان والوں کو غلبہ عطاء فرمایا۔ یاد رکھو! مکہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ یاد رکھو! مکہ میرے لیے بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی حلال ہوا، اور اب اس گھڑی بھی اس کی حرمت برقرار ہے۔ نہ تو اس کا کانٹا کاٹا جائے گا اور نہ اس کا درخت، اور نہ اس کی گری پڑی چیز کو اٹھانے کی اجازت ہے، مگر اعلان کرنے والے کے لیے، بس جو شخص قتل کیا جائے گا اس کے ورثاء کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو دیت لے لیں یا قصاص۔''

(اس خطبے کے دوران) اہل یمن میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا:

"یارسول اللہ! یہ احکامات مجھے لکھ دیجئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابوفلاں (ابوشاہ) کے لیے یہ احکامات (یعنی احادیث) لکھ دو۔"[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّيْ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے والا نہیں، سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔"[2]

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَجْلِسُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْحَدِيْثَ فَيُعْجِبُهُ وَلَا يَحْفَظُهُ، فَشَكَا ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ أَسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيْثَ فَيُعْجِبُنِيْ وَلَا أَحْفَظُهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ۔"

وَأَوْمَأَ بِيَدِهٖ لِلْخَطِّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سنا کرتے تھے، جو انہیں بہت اچھی لگتی تھیں، مگر وہ یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی یہ حالت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۱۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۱۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے۔ ان پر قریش کے بعض افراد نے اعتراض کیا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات لکھتے ہیں، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے انسانوں کی طرح غصہ بھی آسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے قریش کی یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا:

اُكْتُبْ! فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ۔

''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ان دونوں ہونٹوں سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، پس تم لکھا کرو۔''[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

لَا أَلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيْكَتِهٖ يَأْتِيْهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهٖ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِيْ، مَا وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ اللهِ اتَّبَعْنَاهُ۔

''میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم یا نہی پہنچے تو وہ کہے ہم نہیں جانتے، ہم تو صرف کتاب اللہ کی پیروی کرتے ہیں۔''[3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ۔

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۶۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۳۶۴۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۶۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''آخری زمانے میں جھوٹے دجال ظاہر ہوں گے، جو ایسی احادیث تمہارے سامنے بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے بڑوں نے۔ پس تم خود کو ان سے بچاؤ تا کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کرسکیں اور نہ ہی فتنے میں ڈال سکیں۔'' [1]

حجۃ الوداع کے مشہور و معروف اور تاریخی خطبے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے فرمانبردار جاںنثاروں کو یہ حکم صادر فرمایا:

أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ۔

''خبردار! تم میں سے حاضر غائب تک (یہ دین اور احکامات) پہنچا دے۔'' [2]

وَ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ:

لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ- وَ أَشَارَ إِلٰى قَفَاهُ- ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّيْ أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَبْلَ أَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَأَنْفَذْتُهَا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر تم میری گردن پر تلوار رکھ دو، اور میں یہ سمجھوں کہ وہ کلمہ جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے اسے تمہارے تلوار چلانے سے پہلے پہلے جاری کرسکتا ہوں تو میں اسے ضرور نافذ (یعنی بیان) کروں گا۔'' [3]

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجت ہونے اور محفوظ ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جیسا کہ پیچھے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ اور یہ وعدہ قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے معانی کو بھی شامل ہے، اور حدیث قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہے، پس اس کے محفوظ ہونے کا وعدہ بھی منجانب اللہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے قلوب کو حدیث شریف کی حفاظت کی طرف متوجہ فرمادیا اور حفاظت کا یہ سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۰۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [صحیح البخاری۔ قبل رقم الحدیث: ۶۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

کے زمانے سے شروع ہوا، اور یہ ان شاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک زمین پر خیر موجود ہے۔ حضرات محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے حدیث شریف کے الفاظ محفوظ فرمائے اور حضرات فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فقہ کے ذریعے سے حدیث شریف کے معانی کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کی باقاعدہ تصنیف و تالیف اور تدوین کا حکم جاری فرمایا (کما فی البخاری۔ ص: ۳۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور اُمت مسلمہ کا قابل فخر طبقہ اس مبارک کام میں مصروف رہا، اور یہ کام کس قدر احتیاط و اہتمام سے ہوا اور عقلی طور پر یہ کس قدر قابل اعتبار ہے؟ اس کا اندازہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ سے لگائیے:

"(حدیث کی کتابوں کو بے بنیاد باتوں کا مجموعہ کہنے والوں) کو خالص علمی طور پر کبھی تو سوچنا چاہیے کہ ایسا ممکن کیونکر ہے؟ کیا جب احادیث کے یہ مجموعے لکھے گئے اس وقت دنیا میں ایک بھی صحیح قسم کا مسلمان نہیں تھا جو اس ساری جعلسازی اور افتراء پردازی کا مقابلہ کرتا یا کم از کم اس پر نکیر ہی کرتا۔ مثال کے طور پر میں "مؤطا" کا نام لیتا ہوں، حدیث کا یہ مجموعہ بقول ابو طالب کے ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ کے بعد یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ایک سو دس یا ایک سو بیس برس بعد وجود میں آیا (مقدمہ تنویر الحوالک، ص: ۶) اور اس کے وجود میں آنے سے چند برس (تقریباً ۱۳ یا ۲۳ برس) پہلے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار و گفتار سے شرف اندوز ہونے والے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں موجود تھے اور ان لوگوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی سعادت پائی تھی، اور بلاد اسلام مثلاً بلاد حجاز، شام، عراق اور مصر وغیرہ کا ذکر اس وقت چھوڑئیے، صرف مدینہ منورہ ہی کو لیجیے، جہاں یہ کتاب وجود میں آئی، اس میں اتنی کثرت سے تابعین (جنہوں نے صحابہ کی صحبت پائی تھی) موجود تھے جن کا شمار مشکل ہے، علمی سلسلہ کے علاوہ ترتیب فرمائی کے لحاظ سے بھی تابعین کی

حیثیت آنحضرت ﷺ کی نسبت سے وہی تھی جو نسبی سلسلہ میں پوتوں کی حیثیت دادا کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اس لیے اگر سلسلہ اخذ وتعلیم نہ ہوتا تب بھی جس طرح دادا کے حالات اور کارنامے پوتوں کو اپنے گھروں میں معلوم ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس عہد کے لوگوں کو باقاعدہ تعلیم کے بدون ہی آنحضرت ﷺ کے بکثرت حالات اور کارناموں کا علم حاصل ہونا بدیہی بات ہے۔ اب غور کیجیے کہ ایسے عہد اور ایسی حالت میں اور ایسے لوگوں کی موجودگی میں پھر ایسی جگہ پر جہاں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دس سال گزرے ہیں اور جہاں کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ سے وابستگی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو۔ اس سرزمین میں ایک شخص (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) آپ ﷺ کی حدیثوں اور سنتوں کے بیان میں ایک مجموعہ تیار کر کے اسی سرزمین میں اس کو علی الاعلان سناتا ہے اور ہزاروں آدمی تمام بلادِ اسلامیہ سے رختِ سفر باندھ کر مدینے آتے (ہیں) اور اس مجموعہ کو سن کر اور بہت سے لوگ اس کی نقلیں لے کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ان کا ہر آدمی اس کو سینکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں میں پھیلاتا ہے، مگر مدینہ مقدسہ یا کسی جگہ کا ایک متنفس بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ ساری حدیثیں یا ان میں سے بہت سی جعلی ہیں، کوئی صاحب عقل بتائے کہ اول تو ایسی حالت میں امام مالک کو اگر معاذ اللہ وہ مفتری ہوتے اس کی ہمت ہی کیسے ہوتی؟ اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو سارے اہلِ مدینہ اس افتراء پردازی اور دین میں جعلی چیز کے اضافے اور اس کی اشاعت کا خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہ جاتے؟ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟'' [1]

حدیث نام ہے حضور اکرم ﷺ کے فرامین، آپ ﷺ کے افعال اور آپ ﷺ کے

[1] [مقدمہ معارف الحدیث۔ ج:۱،ص:۲۹،ط: دارالاشاعت، کراچی]

احوال کا، اور آپ ﷺ نے انہی تین ذریعوں (یعنی قول، فعل اور تقریر) سے قرآن مجید کی تفسیر فرمائی، اور آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کے گواہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور اکرم ﷺ کے افعال و احوال کو دیکھا اور اپنے کانوں سے آپ ﷺ کے اقوال کو سنا، گویا کہ حضور اکرم ﷺ قرآن مجید کی تفسیر تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس تفسیر کے گواہ تھے۔ انہوں نے الفاظ رسول ﷺ کو بھی سنا اور یہ بھی دیکھا کہ ان الفاظ پر عمل کس طرح سے کیا جاتا ہے۔ ان کے سامنے صرف الفاظ ہی نہیں تھے، بلکہ وہ احوال بھی تھے، جن میں یہ الفاظ فرمائے گئے تھے، اور یہ بات واضح ہے کہ احوال کے تحت ہی الفاظ کا مفہوم متعین ہوتا ہے، مثلاً ایک جملہ ہے "پانی لاؤ"...... احوال کے اعتبار سے اس کا مصداق بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً دسترخوان پر کھانا کھانے والا شخص یہی الفاظ کہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ گلاس یا جگ میں پانی لایا جائے، لیکن اگر کوئی غسل خانے میں سے پکار کر کہے کہ پانی لاؤ تو اسے گلاس میں نہیں بلکہ بالٹی میں پانی درکار ہوتا ہے۔ قصائی کی دکان پر کھڑے ہو کر "گوشت دو" کہنے والے کے جملے کا وہ مطلب نہیں ہوگا جو کسی ہوٹل میں بیٹھ کر یہی جملہ کہنے والے کا ہوتا ہے، یقیناً ایک جگہ کچا گوشت اور دوسری جگہ سالن مراد ہوتا ہے۔ چونکہ دین اسلام ایک متواتر اور مسلسل دین ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ساتھ بطور معلم اور عملی تفسیر حضور اکرم ﷺ کو بھیجا، اور حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے سامنے پورے دین کا مکمل نقشہ پیش فرمایا، اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ تم میری اتباع کرو اور بعد والے لوگ تمہاری اتباع کریں گے۔ فرمان نبوی ﷺ ملاحظہ فرمائیے:

اِئْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَأْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ۔

"تم لوگ میری اتباع کرو، تمہارے بعد والے تمہاری اتباع کریں گے۔"[1]

یعنی بعد کے لوگ تمہارے افعال و اقوال کے ذریعے سے میری سنت کو سمجھیں گے چنانچہ

[1] [صحیح البخاری۔ قبل رقم الحدیث: ۷۱۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وقتاً فوقتاً یہ بات یاد دلاتے رہتے تھے کہ وہ آئندہ اُمت کے مقتدا اور پیشوا ہیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اچھی طرح سے دین کے تمام احکامات کو سیکھ لیں۔ چنانچہ حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ لَعَلِّیْ لَا أَرَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا۔

"مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو، شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھ سکوں۔ (یعنی ممکن ہے میرا انتقال ہو جائے)۔"[1]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرف توجہ دلائی کہ وہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو اچھی طرح دیکھ لیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ۔

"تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو۔"[2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی پیشن گوئی بھی فرمائی کہ لوگ تمہارے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے پاس علم حاصل کرنے آئیں گے۔ چنانچہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

إِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّ رِجَالًا یَأْتُوْنَکُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرَضِیْنَ یَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ، فَإِذَا أَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْرًا۔

"بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں، اور لوگ تمہارے پاس زمین کے مختلف حصوں سے دین کا علم حاصل کرنے آئیں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا۔"[3]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر پورا، پورا عمل کیا۔ انہوں نے پورے دین کو اس طرح محفوظ کرلیا کہ وہ خود معیارِ حق بن گئے، اور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ان کے اتباع کا حکم دیا۔ آئیے! چند احادیث مبارکہ پڑھتے ہیں:

[1] [السنن الکبریٰ للبیهقی۔ رقم الحدیث: ۹۵۲۴، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۳۱، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

[3] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۵۰، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

''پس تم میں سے جو شخص اختلافات کے زمانے کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑے۔ میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔'' [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔

''میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر ان کے بعد والے اور پھر ان کے بعد والے۔'' [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خاتون مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہوتی تھی۔ ایک بار اس نے عرض کیا:

''اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا وصال ہو چکا ہو (تو میں کیا کروں)؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنْ لَمْ تَجِدِيْنِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ۔

''اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس چلی جانا۔'' [3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ۔

''تم میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء کرنا۔'' [4]

---

1. [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۷۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
2. [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۶۵۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
3. [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۶۵۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
4. [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۳۶۷۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

إِنِّي لَا أَدْرِيْ مَا بَقَائِيْ فِيْكُمْ، فَاقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ. وَأَشَارَ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ.

''میں نہیں جانتا کہ میں کتنے دن تمہارے درمیان رہوں گا؟ پس تم میرے بعد والے دو حضرات کی پیروی کرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ فرمایا۔'' [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَضِيْتُ لَكُمْ مَا رَضِيَ لَكُمْ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ.

''میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لیے عبد اللہ بن مسعود پسند کریں۔'' [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ.

''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تو ہدایت ہی پاؤ گے۔'' [3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أُوْصِيْكُمْ بِأَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ.

''میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ (ان کے نقش قدم پر چلنا)، پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں، پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں، پھر جھوٹ عام ہو جائے گا، یہاں تک کہ آدمی بلا قسم دیئے قسم اُٹھائیں گے اور بلا گواہی طلب کیے

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۳۶۶۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [المستدرک علی الصحیحین۔ رقم الحدیث: ۵۳۹۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[3] [جامع بیان العلم و فضلہ۔ ص: ۳۴۷، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت]

گواہی دیں گے۔‘‘[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً، وَ تَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً۔

قَالُوْا: وَ مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ:

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ۔

’’بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، سب کے سب دوزخ میں جائیں گے، مگر صرف ایک فرقہ۔‘‘

لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’وہ فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر ہوگا۔‘‘[2]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کے بارے میں حِبْرُ الْاُمَّۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ذکر کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّ أَعْمَقَهَا عِلْمًا وَّ أَقَلَّهَا تَكَلُّفًا۔ قَوْمٌ اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَ إِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَ اتَّبِعُوْهُمْ فِيْ أَقْوَالِهِمْ، وَ تَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَ سِيَرِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ۔

’’جو شخص کسی کے طریقہ پر عمل کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کے طریقے کو اپنائے جو انتقال کر چکے ہیں۔ وہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ ہیں۔ وہ اس امت کے سب سے افضل، نیک دل، گہرے علم والے اور کم تکلف کرنے والے افراد تھے۔ وہ ایسے لوگ تھے

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۱۶۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۴۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا، پس تم ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کے اقوال میں ان کی پیروی کرو، اور جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت کو اپناؤ، بے شک وہ لوگ صراط مستقیم پر تھے۔“[1]

دین اسلام کی تیسری دلیل ”اجماع امت“ ہے۔ اجماع کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔“[2]

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ”اجماع امت“ کو ماننا فرض ہے، اور اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے۔ صاحب مدارک رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَهُوَ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاِجْمَاعَ حُجَّةٌ لَا تَجُوْزُ مُخَالَفَتُهَا كَمَا لَا تَجُوْزُ مُخَالَفَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

”یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں ہے، جس طرح کہ کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔“ [3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ- عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَ يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ۔

”اللہ تعالیٰ میری اُمت کو (یا فرمایا) اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا، اور

[1] [جامع بیان العلم و فضلہ۔ رقم الحدیث: ۱۸۰۱، ط: دار ابن الجوزی]

[2] [النساء: ۱۱۵] [3] [تفسیر مدارک للنسفی: ج: ۱، ص: ۳۹۶، ط: دار الکلم الطیب، بیروت]

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے، اور جو جماعت سے جدا ہو گیا وہ تنہا ہی آگ میں ڈالا جائے گا۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ، مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ۔

"میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان کے نقش قدم پر چلنا)، پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں، اور پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں، پھر جھوٹ عام ہو جائے گا، یہاں تک کہ آدمی بلا قسم دیئے قسم اٹھائیں گے اور بلا گواہی طلب کیے گواہی دیں گے، خبردار! جب کوئی مرد اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ملتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، تم لوگ جماعت کو لازم پکڑو اور تفرقے سے بچو، تنہا آدمی پر شیطان حملہ آور ہوتا ہے، اور دو آدمیوں سے بہت دور ہوتا ہے، جو شخص جنت کے وسط میں رہنا چاہتا ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے، جس آدمی کا دل اپنی نیکی سے خوش ہوتا ہے اور اپنی برائی سے پریشان ہوتا ہے وہی شخص مؤمن ہے۔" [2]

اسلام کی چوتھی دلیل "قیاس شرعی" ہے۔ یعنی وہ مسائل جن کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی صراحت موجود نہ ہو اور نہ ہی وہ حدیث شریف میں منصوص ہوں اور نہ ان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا ہو تو ایسے مسائل کے بارے میں شریعت نے مجتہدین کرام کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ قیاس کریں، یعنی ان مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل نکالیں۔ اجتہاد کا یہ

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۱۶۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۱۶۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اختیار صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جن میں اجتہاد کی مکمل اہلیت موجود ہو، اور وہ قرآن وسنت کے ماہر ہوں۔ قیاس کے ثبوت اور اس کی حجیت کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح کافی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو ارشاد فرمایا:

كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟

قَالَ: أَقْضِيْ بِكِتَابِ اللهِ۔

قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللهِ؟

قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَلَا فِيْ كِتَابِ اللهِ؟

قَالَ: أَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ، وَلَا آلُوْ. فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صَدْرَهُ، وَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يَرْضٰى رَسُوْلُ اللهِ۔

”جب آپ کے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا تو آپ اس کا کیسے فیصلہ کریں گے؟ انہوں نے عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آپ کو نہ ملے تو پھر کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور کتاب اللہ دونوں میں نہ ملے تو پھر کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (خوشی سے) اپنا ہاتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) راضی ہے۔“[1]

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”اعلام الموقعین“ میں اس حدیث کو حدیث مشہور قرار دیا ہے۔ اس حدیث شریف سے مجتہد کے لیے قیاس شرعی کی اجازت بھی معلوم ہوئی اور عامۃ الناس کے لیے مجتہد کی تقلید کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قیاس پر اہل یمن نے عمل کرنا تھا،

[1] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۳۵۹۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خوشی کا اظہار فرما کر ان دونوں امور کی ضرورت اور افادیت کو واضح فرما دیا۔
"قیاس شرعی" کا حجت ہونا اُمتِ مسلمہ کے نزدیک بالعموم مقبول رہا ہے، اور ماسوا چند لوگوں کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ قیاس کے منکروں کے بارے میں جمہور کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

نُفَاۃُ الْقِیَاسِ لَا یَبْلُغُوْنَ رُتْبَۃَ الْاِجْتِھَادِ وَلَا یَجُوْزُ تَقْلِیْدُھُمُ الْقَضَا۔

"قیاس کی نفی کرنے والے اجتہاد کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اور قضا کا عہدہ بھی ان کے سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔"[1]

مشہور غیر مقلد مصنف "نواب صدیق حسن خان" لکھتے ہیں:

وَ ذَھَبَ الْجُمْھُوْرُ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَ التَّابِعِیْنَ وَ الْفُقَھَاءِ وَ الْمُتَکَلِّمِیْنَ اِلٰی اَنَّ الْقِیَاسَ الشَّرْعِیَّ اَصْلٌ مِّنْ اُصُوْلِ الشَّرِیْعَۃِ، یُسْتَدَلُّ بِہٖ عَلَی الْاَحْکَامِ الَّتِیْ یَرِدُ بِھَا السَّمْعُ وَ لَیْسَ فِیْھَا نَصٌّ وَّلَا اِجْمَاعٌ۔ قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: لَا خِلَافَ بَیْنَ فُقَھَاءِ الْاَمْصَارِ وَ سَائِرِ اَھْلِ السُّنَّۃِ فِیْ نَفْیِ الْقِیَاسِ فِی التَّوْحِیْدِ وَ اِثْبَاتِہٖ فِی الْاَحْکَامِ اِلَّا دَاؤدَ فَاِنَّہٗ نَفَاہُ فِیْھِمَا جَمِیْعًا۔

"جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، فقہاء اور متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ شرعی قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے۔ احکام سمعی میں (جو محض عقلی نہیں) جبکہ ان کے اثبات کے لیے نص اور اجماع نہ ہو، قیاس شرعی سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (اسلامی) شہروں کے حضرات فقہاء کرام اور تمام اہل سنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید (وعقائد) میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، ہاں! احکام کا اثبات قیاس سے ہو سکتا ہے، البتہ داؤد ظاہری دونوں میں قیاس کی ایک ساتھ نفی کرتے ہیں۔"[2]

"قیاس" کے حجت ہونے کے بارے میں دو باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

(۱) قیاس صرف ان مسائل میں ہو گا جن میں قرآن وسنت یا اجماع سے واضح دلیل موجود نہ ہو۔

[1] [طبقات الشافعیۃ الکبری۔ ج:۲، ص:۲۸۹، ط: دار ھجر للطباعۃ والنشر]

[2] [الکلام المفید۔ ص:۱۱۳، ط: مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ]

(۲) قیاس سے احکامات کو ثابت نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے حکم کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

اس لیے اصول فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے کہ ''اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ''، یعنی قیاس کے ذریعے سے کسی بھی حکم کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے، کسی حکم کو بنایا نہیں جاتا۔ کیونکہ احکامات بیان کرنے اور ان کی تشریح کرنے کا حق قرآن وسنت کو حاصل ہے، قیاس تو مخفی احکامات کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر چونکہ مجتہد دین کی حفاظت کا ایک اہم کارنامہ سرانجام دیتا ہے اور نئے پیش آنے والے مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھونڈتا ہے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے ہر حال میں اَجر کی بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ۔

''جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور اجتہاد کرتے ہوئے درست فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اَجر ہے۔''[1]

یہاں تک ہمیں ترتیب کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ دین اسلام کا اصل ماخذ اور بنیاد قرآن مجید ہے، اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہونے کی وجہ سے قرآن کے بعد اسلام کا دوسرا ماخذ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو شرافت اور کرامت عطاء فرمائی ہے، اس لیے اس کا اجماع بھی حجت ہے۔ اور اس اجماع میں پہلا درجہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اجماع کو حاصل ہے، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کا درجہ ہے، اور پھر ان کے بعد والوں کا۔ پھر چونکہ یہ دین قیامت تک کے لیے آیا ہے اور انسانوں کے مسائل بے شمار ہیں، اور قرآن وحدیث میں وہ تمام اصول بیان فرما دیئے گئے ہیں جن کی انسانوں کو ضرورت ہے، لیکن نئے پیش آنے والے مسائل اور نئی نئی جزئیات کا حکم قرآن وحدیث کے ان اصولوں سے معلوم

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷۳۵۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

کرنا بغیر قیاس کے ممکن نہیں تھا، اس لیے قیاس شرعی کی بھی اجازت دی گئی اور یہ اسلام میں سب سے آخری درجے کی حجت ہے۔

بس اس طرح سے اسلام میں تحریف و تبدیلی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ کیونکہ سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا ہے اور قرآن مجید محفوظ ہے، اگر کوئی مسئلہ قرآن مجید میں نہ ملے تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر اور تعامل کے ذریعے رجوع کرنا ہے، اور اگر سنت میں بھی وہ مسئلہ نہیں ملے گا تو اجماع کی طرف، اور بالکل آخر میں قیاس شرعی کی طرف رجوع کریں گے۔ قرآن و حدیث ''وحی الٰہی'' ہیں۔ قرآن ''وحی متلو'' ہے اور حدیث ''وحی غیر متلو'' ہے۔ امت کا اجماع بحکم قرآن ''معتبر'' ہے اور یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اور قیاس بھی نفسانی رائے کا نام نہیں، بلکہ عقل سلیم کے ذریعے مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کرنے اور جزئیات کو قرآن و حدیث کے اصولوں کے ساتھ جوڑنے کا نام ہے۔

پھر اسلام نے ایک اور حفاظتی انتظام فرما دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا کے انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ حضرات جنہیں اجتہاد کا مقام حاصل ہے اور دوسرے وہ جو اس مقام تک نہیں پہنچتے۔ اسلام نے مجتہدین کو ''تحقیق'' کا اور غیر مجتہدین کو ''تقلید'' کا حکم جاری فرمایا۔ یعنی دین کے بارے میں تحقیق کا کام صرف دین کے ماہرین کریں گے اور باقی لوگ ان سے پوچھ پوچھ کر چلیں گے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہایت وضاحت کے ساتھ گزر چکا ہے۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

''جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ عطاء فرماتے ہیں۔'' [1]

دوسری جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ۔

[1] [صحيح البخاری۔ رقم الحديث: ۷۱، ط: دار الكتب العلميه، بيروت]

''یقیناً ناواقف کا علاج اور شفاء اسی میں ہے کہ وہ واقف کار سے پوچھ لے۔''[1]

ان دونوں احادیث کو سامنے رکھیے، اور پھر قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں غور فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝

''اور (ہمیشہ کے لیے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہیں چاہیے کہ سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔''[2]

تھوڑا سا غور فرمائیے کہ تحقیق کا کام ماہر مجتہدین کریں اور غیر مجتہدین ان کی تقلید کریں۔ اور تحقیق کا میدان متعین ہو کہ دلیل صرف قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع اور قیاس شرعی سے بالترتیب لی جائے گی تو اب تحریف و تبدیلی کے لیے کہاں گنجائش رہتی ہے؟ بے شک! اسلام میں رہتے ہوئے کوئی شخص بھی اسلام میں تحریف و تبدیلی کی ہمت اور گنجائش نہیں پاتا۔ چنانچہ جن لوگوں کو شوقِ تحریف ستاتا ہے وہ اسلام کے مذکورہ بالا نظام پر وار کرتے ہیں۔ کوئی قرآن کا انکار کرتا ہے اور کوئی حدیث کا، کوئی اجماع کا منکر ہوتا ہے اور کوئی قیاس شرعی کا۔ کیونکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کے یا زیادہ کے انکار کے بغیر وہ دین میں تحریف اور کمی زیادتی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جاہلوں کو تحقیق کا حق دے دینا اور انہیں تقلید سے آزاد کر دینا بھی تحریف کا راستہ ہے، خواہ وہ جاہل حکمران ہوں یا عوام۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان گرامی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ، وَ لٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوْا

[1] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۳۳۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت] [2] [التوبہ: ۱۲۲]

فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوْا وَ أَضَلُّوْا۔

"اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح سے نہیں اُٹھائے گا کہ اسے لوگوں (کے دلوں) سے کھینچ لے، بلکہ علماء کے اٹھالینے کی صورت میں علم کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جن سے دین کے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"[1]

یعنی جب تک لوگ علماء کرام کی تقلید کرتے رہیں گے اور ان سے پوچھ کر چلتے رہیں گے، اس وقت تک ہدایت پر رہیں گے۔ لیکن جب علم اور علماء اٹھالیے جائیں گے یا لوگ علماء کو چھوڑ کر جاہلوں کی پیروی کرنے لگیں گے تو گمراہی کے دروازے کھل جائیں گے۔ اسی طرح جب جاہل لوگ دینی مسائل بتائیں گے اور بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے تو اس سے گمراہی پھیلے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں اشارۃً اس بات کی ترغیب دی گئی کہ لوگ علماء ہی کو اپنا حاکم اور سردار بنائیں، اور دین کے معاملات میں انہی کی طرف رجوع کریں، اور ان پڑھ اور دین سے ناواقف لوگوں کو چاہیے کہ وہ یا تو دین کا علم حاصل کریں یا علماء کی پیروی کریں۔ خلاصہ اس پوری بحث کا یہ ہوا کہ اس امت میں یعنی مسلمانوں میں سے وہی شخص دین میں تحریف کا ارتکاب کرسکتا ہے جو یا تو قرآن کا انکار کرے یا حدیث کا، اجماع کا انکار کرے یا قیاس شرعی کا، یا تحقیق کا حق ائمہ مجتہدین کے علاوہ جاہلوں کو بھی دے، یا ان پڑھ لوگوں کو غیر منصوص مسائل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید سے روکے۔ ہمارے سامنے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ موجود ہے، اسے غور سے پڑھیے، آپ کو اس بات کی صداقت کا یقین ہوجائے گا، اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ یہ تمام باتیں امت مسلمہ میں اجتماعی طور پر مسلم رہی ہیں، اور جب بھی مسلمانوں میں سے بعض افراد نے ان مذکورہ بالا حقائق میں سے کسی حقیقت کا انکار کیا ہے تو تحریف کا راستہ کھل گیا، اور تحریف کرنے والے یہ افراد اسلام کے سیدھے راستے سے ہٹ کر گمراہی کے گڑھوں میں جا گرے۔ مسلمانوں نے قرآن و حدیث، اجماع

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۰۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اور قیاس کی حفاظت ''علم فقہ'' کے ذریعے سے کی، جو ان چاروں دلائل کا جامع علم ہے۔ اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے جو حضرات مجتہد تھے امت کے لوگوں نے ان کی تقلید کی، یعنی ان کی رہنمائی میں قرآن وسنت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان فقہاء مجتہدین میں سے چار حضرات کو امت مسلمہ میں ''قبولیت عامہ'' حاصل ہوئی اور امت مسلمہ نے ان کی دینی سمجھ اور فقہ کو معتبر جانا، ان چار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

1. حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
2. حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
3. حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
4. حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

یہ چاروں حضرات اہل سنت والجماعت کے امام ہیں، اور دنیا کے تمام مسلمان ان میں سے کسی ایک کی رہنمائی میں دین پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِي الْأَخْذِ بِهٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ مَصْلِحَةٌ عَظِيْمَةٌ وَفِي الْإِعْرَاضِ عَنْهَا كُلِّهَا مَفْسَدَةٌ كَبِيْرَةٌ۔

''ان چار مذاہب کو لینے میں بڑی مصلحت ہے، اور ان سے بالکلیہ اعراض کرنے میں بڑا فساد اور خرابی ہے۔''[1]

اس میں شک نہیں کہ امت مسلمہ میں ان چاروں حضرات کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مجتہدین کرام گزرے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انہی چاروں حضرات کی فقہ کو عمومی قبولیت عطاء فرمائی۔ جس طرح حدیث شریف کی کتابیں تو بہت لکھی گئیں، مگر ان میں سے بعض کو من جانب اللہ خصوصی طور پر قبولیت حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَمَّا انْدَرَسَتِ الْمَذَاهِبُ الْحَقَّةُ إِلَّا هٰذِهِ الْأَرْبَعَةَ كَانَ اِتِّبَاعُهَا اِتِّبَاعًا

[1] [عقد الجید۔ ص: ۱۳، ط: المطبعة السلفية، القاهرة]

لِلسَّوَادِ الْأَعْظَمِ وَالْخُرُوجُ عَنْهَا خُرُوجًا عَنِ السَّوَادِ الْأَعْظَمِ۔

''جب ان چار مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب حقہ مٹ گئے تو ان چاروں کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہوگی اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔'' [۱]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سواد اعظم'' (یعنی امت کے اہل علم کی اکثریت) کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں اسی ''سواد اعظم'' کا تذکرہ ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا لازمی ہے کہ ان چاروں مجتہدین حضرات کا اسلام کے اصول اور عقائد میں مکمل اتفاق ہے، اور عقیدے کے اعتبار سے یہ چاروں حضرات ''اہل سنت والجماعت'' ہی کہلاتے ہیں، البتہ وہ فروعی مسائل جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا، ان میں ان چاروں حضرات کا بھی اختلاف ہوا، کسی نے کسی صحابی کے قول کو لے لیا اور کسی نے کسی صحابی کے قول کو۔ اور اس طرح یہ اختلاف دین اسلام کو مضبوط و محفوظ بناتا ہے اور نفس پرستی اور تحریف کے دروازوں کو بند کرتا ہے اور امت کا چودہ سو سالہ تجربہ اس بات کا گواہ ہے۔

یہاں تک یہ بات تو اچھی طرح ثابت ہو چکی کہ اسلام میں رہتے ہوئے تحریف ممکن نہیں ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق کہ اس امت کے بدقسمت افراد یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلیں گے، اور چونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین میں تحریف کی تو اس امت کے بدقسمت افراد بھی دین میں تحریف و تبدیلی کی کوشش کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تحریف کے پردے چاک کرنے اور ان کے مکر و فریب کو آشکارا کرنے اور ان کے شر سے امت کو بچانے کا انتظام فرما دیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَّ اللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ۔

''جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطاء فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

[۱] [عقد الجید۔ ص: ۱۳، ط: المطبعة السلفية، القاهرة]

دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں، اور یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کو کوئی مخالف نقصان نہیں پہنچا سکے گا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی قیامت) نہ آجائے۔"[1]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہر زمانے میں امت کا ایک طبقہ حق پر قائم رہے گا اور اپنی دینی سمجھ بوجھ یعنی تفقہ اور علم کی بدولت حق کی حفاظت کرتا رہے گا۔ دوسری جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَ لَاتَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

"جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطاء فرماتا ہے، اور مسلمانوں میں ایک جماعت تاقیامت ایسی رہے گی جو حق کی خاطر قتال کرے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی۔"[2]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اہل حق کی ایک جماعت ہر زمانے میں اپنے علم اور اپنی تلوار کے ذریعے حق کی حفاظت کرتی رہے گی۔ ان دونوں احادیث سے حق جماعت کی دو علامتیں بھی معلوم ہوگئیں۔ ایک "فقاهت فی الدين" اور دوسری "قتال علی الحق۔" اس جماعت کی "فقاهت فی الدين" یعنی دینی سمجھ اور دینی علوم میں پختگی کا یہ عالم ہوگا کہ وہ دین میں تحریف کرنے والوں کے مکر وفریب کا خاتمہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوگی، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

يَرِثُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عَدُوْلُهٗ، يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ۔

"ہمیشہ اس علم کو سلف کے بعد ان کے اہل اور نیک خلف سنبھالیں گے، جو جاہلوں کی

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۱۰۳۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

تاویلات، باطل پرستوں کے جھوٹ اور غلو کرنے والوں کی تحریفات کو مٹاتے رہیں گے۔"[1]

عقیدت یا نفرت میں غلو، باطل پرستی اور جہالت، یہی تین امور تحریف کے سر چشمے ہیں۔ اہل حق اپنے مضبوط علم کی بنیاد پر ان تمام تحریفات کا مقابلہ کریں گے اور انہیں مٹا کر دم لیں گے اور کسی بھی تحریف کو دین کا حصہ نہیں بننے دیں گے۔ یہی وہ تجدید کا عمل ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایسے مجددین بھیجتے رہیں گے جو اسلام کو ہر طرح کی کمی اور زیادتی اور ہر طرح کے افراط و تفریط اور ہر طرح کی تحریفات سے پاک رکھیں گے، اور اس کی روح اور اس کے ظاہر کی حفاظت کریں گے، اور اسلام کے حلیے اور نقشے میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے آغاز میں ایسے فرد کو پیدا فرمائے گا جو امت کے لیے دین کی تجدید کرے گا۔ (یعنی اسے نکھارے گا)۔"[2]

چونکہ ہر سو سال بعد نئی نسل، نئے افکار، نئے نظریات اور نئی ضروریات پیدا ہوتی ہیں، اور اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں تقاضے اور حالات دین پر غالب نہ آجائیں، اور دین میں کوئی تبدیلی نہ کر دی جائے، اس لیے مجددین کی جماعت بھیجی جاتی ہے، جن کا کام من جانب اللہ تقسیم ہوتا ہے۔ وہ دین کے مختلف شعبوں پر محنت کرتے ہیں اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ حالات اور تقاضوں کو دین کا تابع بنایا جائے نہ کہ دین کو حالات اور تقاضوں کا۔ تجدید کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جو اس نے اپنے سب سے محبوب اور سب سے آخری اور حتمی دین کی حفاظت کے لیے جاری فرمایا ہے، چنانچہ اس امت میں سے جو افراد تحریف کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، ان کے لیے یہ کام اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا یہود و نصاریٰ کے لیے تھا، کیونکہ اسلام کی حفاظت کا بہت ہی عالیشان

[1] [السنن الکبریٰ للبیھقی۔ رقم الحدیث: ۲۰۹۱۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۴۲۹۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اور مضبوط نظام موجود ہے۔ چنانچہ اس میں تحریف کی کوشش کرنے والے ہمیشہ منہ کی کھاتے ہیں اور ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔ اہل علم کا مضبوط طبقہ مسلح اور چاک و چوبند پہرے داروں کی طرح ہر زمانے میں دین کے ایک ایک حکم اور ایک ایک حرف کی حفاظت کے لیے مستعد رہتا ہے۔ نقب زنوں اور چوروں نے طرح طرح کے طریقے آزمائے، بڑے خوبصورت اور دل لبھانے والے نعرے لگائے، اپنے سینوں پر خوبصورت نام آویزاں کیے، اور دس دس پردوں کے پیچھے سے وار کرنے کی کوشش کی، مگر ان کی ہر کوشش ناکام ہوئی اور ان کی ہر چوری پکڑی گئی، اور انہیں اپنے جیسے چند بدقسمت افراد کو گمراہ کرنے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ لگا، اور ان کا بنیادی مقصد کہ دین اسلام کو بدل دیا جائے، بالکل کامیاب نہ ہوا۔ دشمنان اسلام کا منشور ہے کہ مسلمانوں کو بدل دو، اس طرح کہ وہ مسلمان نہ رہیں اور اسلام کو بدل دو تاکہ بنیاد ہی ختم ہو جائے، لیکن الحمدللہ اسلام کو بدلنے کی ہر کوشش بری طرح ناکام ہوئی اور قیامت تک ناکام ہوتی رہے گی۔

اسلام میں تحریف کی کوشش کرنے والے عمومی طور پر دو طرح کے افراد ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں اسلام کے دشمن ہیں، مگر انہوں نے اپنی تحریفات کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے نام مسلمانوں جیسے، مگر دل کافروں کے ہیں۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی کافر قوموں کی مغلوبیت اور بربادی کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں میں گھستے ہیں اور اسلام میں تحریف کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان اداروں کے باقاعدہ کارکن یا تنخواہ یافتہ ملازم ہیں جو ادارے اسلام اور مسلمانوں کی بربادی کو اپنا مقصد بنا چکے ہیں۔ ان لوگوں کا چونکہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ لوگ قرآن و حدیث کو مانتے ہیں، اس لیے انہیں نصیحت کرنا بے کار ہے۔ ان سے تو صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ تمہاری ان پھونکوں سے نور اسلام بجھنے والا نہیں ہے، تم صرف اور صرف اپنا نقصان کر رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین کو مٹانے کی لاحاصل کوششیں کرکے خود کو جہنم کا ایندھن بنا رہے ہو۔ آج اگرچہ مسلمان اپنی

مرکزیت اور حکومت کھو چکے ہیں، جس کی وجہ سے تمہیں اپنے نامبارک مشن کے لیے کھلا میدان ملا ہوا ہے، لیکن وہ وقت دور نہیں جب مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ انہیں دوبارہ ملے گی، تب تم لوگوں کو زمین کا کوئی حصہ پناہ نہ دے گا اور نہ ہی آسمان تمہاری بربادی پر روئے گا۔

اسلام میں تحریف وتلبیس کی کوشش کرنے والے دوسرے افراد وہ ہیں جو نیت کے اعتبار سے اسلام دشمن نہیں، لیکن وہ مال کی محبت، مادہ پرستی، علمی جہالت، کافروں کے رعب یا ضد کی وجہ سے یہ بری حرکت کرتے ہیں۔ اس طرح کے افراد کو چاہیے کہ وہ ان آیات کو بغور پڑھیں جو یہودیوں کی تحریف فی الدین اور دین فروشی کی مذمت کے بیان میں ذکر کی گئی ہیں۔ مزید اس طرح کے لوگوں کی نصیحت کے لیے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ أَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

”جو شخص دین کا علم غیر اللہ کے لیے سیکھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“[1]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهٗ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ يَعْنِيْ رِيْحَهَا۔

”جو علم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سیکھا جاتا ہے اگر کوئی شخص دنیا کا مال پانے کے لیے اسے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔“[2]

اس حدیث پر وہ لوگ غور کریں جو عام طور پر کتابوں کا مطالعہ وغیرہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگوں سے بحث کریں اور دنیا میں عزت کمائیں۔ حدیث شریف کا واضح مقصد یہ ہے کہ قرآن وسنت کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حاصل کرنا چاہئے اور اس کا کوئی بھی دنیاوی مقصد نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دنیاوی مقاصد کے لیے حاصل کیا جانے والا علم انسان کو گمراہی اور تحریف وتلبیس کی طرف لے جاتا ہے۔

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۵۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۳۶۶۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِهِ الْعُلَمَآءَ أَوْ لِیُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ یَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَیْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔

"جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے علماء پر فخر کر سکے یا نادان لوگوں سے جھگڑا (اور بحث) کرے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًی کَانُوْا عَلَیْهِ إِلَّا أُوْتُوا الْجَدَلَ۔

"جو قوم ہدایت کے بعد گمراہی کی طرف آتی ہے اسے جھگڑا (نزاع و جدال) دے دیا جاتا ہے۔" [2]

جب علم حاصل کرنے اور مطالعہ کرنے کا مقصد ہی علماء کے مقابلے میں فخر کرنا، عام لوگوں سے بحث اور جھگڑا کرنا اور لوگوں میں نام پیدا کرنا ہو تو پھر اس علم سے ہدایت کی بجائے گمراہی ملتی ہے، اور گمراہی کی سب سے بڑی نشانی نزاع و جدال کا پیدا ہونا ہے، اور یہ تبھی پیدا ہوتا ہے جب تحریف و تلبیس کے ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں اور دین میں افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

إِنَّ لِکُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَ فِتْنَةُ أُمَّتِی الْمَالُ۔

"ہر امت کے لیے کوئی فتنہ رہا ہے اور میری امت کا فتنہ مال و دولت ہے۔" [3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ وَ

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۳۲۵۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۳۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

الشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ۔

''دو بھوکے بھیڑیے جو کسی ریوڑ پر چھوڑ دیئے جائیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا مال اور مرتبہ حاصل کرنے کا حرص آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔''[1]

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ أَذْهَبَ آخِرَتَهٗ بِدُنْيَا غَيْرِهٖ

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ کے اعتبار سے بدترین لوگوں میں ایک وہ شخص ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا۔''[2]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔

قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟

قَالَ: ''إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔''

''جب امانت جاتی رہے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔''

کسی نے پوچھا: ''یارسول اللہ! امانت کیسے جاتی رہے گی؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی کام غیر اہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔''[3]

آج دین کی امانت اور امامت غیر اہل اور نالائق افراد ہتھیانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ بغیر علم کے تحقیقات کرتے ہیں اور بغیر سمجھ بوجھ کے دین پر کتابیں لکھتے ہیں، اور لوگ ان کی پیروی کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ یقیناً یہ بات علامات قیامت میں سے ہے۔ دین فروشی کی مذمت میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کیا کرتا تھا۔ (اس صحبت و

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۷۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۳۹۶۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۹۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

خدمت کی برکت سے) اس نے لوگوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے موسیٰ صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کہا، موسیٰ نجی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمایا، موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں ارشاد فرمایا، یہاں تک کہ اس کے پاس بہت سا علم جمع ہوگیا (اس کے بعد وہ اچانک کہیں غائب ہوگیا)۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، مگر کہیں اس کا سراغ نہ ملا، یہاں تک کہ ایک روز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک ''سوَر'' گلے میں سیاہ رسّی ڈالے ہوئے لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ آپ فلاں شخص کو جانتے ہیں؟ (جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور پھر غائب ہوگیا تھا) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے کہا: یہ ''سوَر'' وہی شخص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ الٰہی! اس کو اصل صورت پر کردیجیے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ وہ کس بات سے اس نوبت کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اگر آپ ان صفات سے مجھ کو یاد کریں گے جن کے ذریعے آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے لے کر آج تک کے انبیاء اور اولیاء نے مجھے پکارا ہے تب بھی میں اس بات کو نہ مانوں گا لیکن جس سبب سے میں نے اس کی صورت مسخ کی ہے وہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص دین کے بدلے میں دنیا طلب کرتا تھا۔''[1]

یہاں تک ہم نے تحریف فی الدین اور تلبیس کے بارے میں اسلامی دعوت کا تذکرہ کیا ہے۔ اب کچھ تذکرہ یہود کی بیماری کتمانِ حق (یعنی حق پوشی) کے بارے میں اسلامی دعوت کا کرتے ہیں۔ اسلام نے حق پوشی کو جرم عظیم اور قابل لعنت بیماری قرار دیا ہے، اور حق کے اعلان، حق کے اظہار اور حق کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حق گوئی کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کن خطرناک اور مشکل حالات میں حق بات کا اظہار فرمایا، اسے

[1] [احیاء علوم الدین۔ ج:۱، ص:۶۲:، دار المعرفۃ، بیروت]

بھی قرآن مجید نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعوت کا بار بار تذکرہ کرتا ہے جو انہوں نے اپنے خاندان، پوری قوم اور حکومت وقت کی مخالفت کے باوجود ببانگِ دہل دی، اور آگ کے دہکتے الاؤ کو خاطر میں لائے بغیر اور اپنی کمزوری اور تنہائی کا عذر کیے بغیر للکار کر حق بیان کیا، اور ظلم کے کسی ہتھکنڈے کی پروا نہیں کی۔ قرآن مجید فرعون جیسے ظالم و جابر حکمران کے پُر شوکت محل میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان حق کا تذکرہ بار بار کرتا ہے، ایسا محل جہاں کوئی شخص فرعون کے سامنے اپنا سر نہیں اُٹھا سکتا تھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی نام نہاد خدائی کا انکار کرتے ہیں اور اَللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ کی توحید کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ یہ کام کچھ آسان نہیں تھا، مگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے اس مشکل اور بظاہر ناممکن نظر آنے والے کام کو سرانجام دیا، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اعلان حق قیامت تک کے داعیان حق کے لیے ایک ایسی مثال بن گیا جسے قرآن مجید اپنے خوبصورت اسلوب میں کئی بار دہراتا ہے۔قرآن مجید کی دعوت اس بارے میں بالکل واضح ہے۔اس میں ایک طرف تو حق چھپانے والوں کے لیے لعنت کی وعید کا تذکرہ ملتا ہے، تو دوسری طرف حق گوئی اور بے باکی کے ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں جن سے غیرت ایمانی، توکل علی اللہ، بے خوفی اور حق سے محبت چھلکتی ہے۔حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ساڑھے نو سو سال تک حق بیان کرتے رہے اور ہر طرح کی تکلیفیں سہتے رہے، مگر انہوں نے اپنی جان اور جسم کو بچانے کے لیے حق چھپانا گوارا نہیں کیا۔ یہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہ حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہ پکار پکار کر کیا بیان کر رہے ہیں؟ یہ اپنی قوم کے ہاتھوں کیوں ستائے جا رہے ہیں؟ یہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ تو مصلحت کا شکار ہوئے نہ لالچ کا۔وہ ہر حال میں حق بیان کرتے رہے اور دنیا کی کوئی طاقت اور دنیا کا کوئی ستم انہیں حق چھپانے پر مجبور نہ کر سکا، اور نہ ہی انہوں نے ماحول اور معاشرے کے عمومی رجحان کا بہانہ بنا کر حق کو چھپانے یا

بدلنے کی کوشش، چنانچہ یہ سب حضرات ہدایت کے روشن چراغ بن کر حق کی روشنی پھیلاتے رہے، اور قرآن مجید نے ان کی حقانیت اور صداقت پر ان الفاظ سے مہر لگا دی:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ﴾

اسلام نے حق کے اظہار کی جس طرح سے دعوت دی ہے اور قرآن مجید نے حق گوئی کے واقعات کو جس تفصیل سے بیان فرمایا ہے، یہ مختصر مضمون ان سب کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے صرف چند دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کی فلاح اور نجات کے لیے جن قوانین اور احکامات کو اتارتا ہے، اگر ان قوانین اور احکامات کو لوگوں تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے، بلکہ کچھ لوگ جن تک یہ احکامات اور قوانین پہلے پہنچے ہوئے ہوں انہیں چھپالیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب نازل ہوگا کیونکہ جب لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکامات نہیں پہنچیں گے تو وہ شیطان کے راستے پر چلیں گے، اور فتنہ وفساد میں مبتلاء ہوں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر خود انہیں اور ان کے ذریعے سے بعد والوں کو یہ حکم دیا کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے من وعن لوگوں تک پہنچادیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○

”اے رسول! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں وہ سب لوگوں کو پہنچادیجئے، اور اگر ایسا نہ کیا (یعنی سارے احکامات نہ پہنچائے) تو آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے، اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا، بے شک اللہ تعالیٰ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ [1]

آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب جلالین لکھتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ﴾ جَمِيْعَ ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ وَلَا تَكْتُمْ شَيْئًا مِّنْهُ

[1] [مائدہ:٦٧]

خَوْفًا أَنْ تُنَالَ بِمَكْرُوهٍ ﴿وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ أَيْ لَمْ تُبَلِّغْ جَمِيْعَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ﴿فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ بِالْإِفْرَادِ وَالْجَمْعِ لِأَنَّ كِتْمَانَ بَعْضِهَا كَكِتْمَانِ كُلِّهَا۔

''اے رسول! وہ سارے احکامات جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوئے ہیں پہنچا دیجئے، اور کسی ناگوار صورتحال کے پہنچنے کے خوف سے کچھ نہ چھپائیے، اور اگر آپ نے سارے احکامات نہ پہنچائے تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا، کیونکہ بعض احکامات کو چھپا لینا تمام احکام کو چھپانے جیسا ہے۔''[1]

''تفسیر ابن جریر'' میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر ان الفاظ سے کی گئی ہے:

''یہود و نصاریٰ کی خرابیاں بیان فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ وحی میں 'بَلِّغْ'' کے ساتھ تاکید فرمائی جاتی ہے، کہ اگر آپ کسی کے خوف اور اندیشے سے تبلیغ دین میں کچھ کوتاہی کریں گے تو عہد رسالت کے ذمے دار ہوں گے۔ چونکہ عرب کی مشرک قوموں سے تو مکہ ہی میں توحید کا اعلان کرنے کے سبب سخت مخالفت ہوگئی تھی، وہ دن رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایذاء اور تکلیف دہی میں سرگرم رہتے تھے، ان کے مظالم کے حد سے بڑھ جانے کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ میں رہنا اختیار کیا، یہاں یہود و مشرکین کے گروہ زور آور اور سرکش تھے۔ یہ بھی وہ حق بات ظاہر کرنے کی وجہ سے جو ان کے طبائع کے خلاف اور رسمی مذہب کے برخلاف تھی، سخت دشمن ہوگئے۔ رہے بے چارے انصار اور چند غریب اور مفلس مہاجرین، تو وہ بظاہر تمام قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ظلم وستم کا دفاع کرنے پر پورے قادر نہ تھے۔ ایسی صورت میں انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے کہ ''ذرا لب بند کرے۔'' مگر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق اور نبی موعود تھے، جن کے آنے پر تمام قوموں کی بھلائی اور

---

[1] [تفسیر جلالین۔ ص: ۱۲۸، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

نجات منحصر تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ فرمایا۔"[1]

اس آیت مبارکہ میں ایک طرف تو تبلیغِ حق کا حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بلاکم و کاست انسانوں تک پہنچایا جائے، اور دوسری طرف کتمان حق سے روکا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو نہ چھپایا جائے۔ نہ کسی کے خوف کی وجہ سے نہ کسی اندیشے کی وجہ سے، نہ کسی لالچ کی وجہ سے اور نہ کسی مایوسی کی وجہ سے۔ اس آیت کریمہ کے پہلے مخاطب خود نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس طرح سے اس آیت مبارکہ پر عمل فرمایا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس جرأت، بے باکی اور جانفشانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ اور حق کا اعلان فرمایا، حقیقت میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عظیم کارنامہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کوئی بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پتھراؤ ہوا، راستے میں کانٹے بچھائے گئے، قوم نے بائیکاٹ کر کے الگ تھلگ ڈال دیا، وطن کی زمین آپ پر تنگ کر دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گلے میں رسے اور جسم پر اوجھڑیاں ڈالی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر والوں پر تہمت لگائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم کو زخمی کیا گیا، ذہنی اور جسمانی اذیتوں کے پہاڑ مسلط کیے گئے، مگر مجال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت میں کوئی فرق آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حق کے اظہار کے صلے میں جو مصائب اور تکلیفیں آئی ہیں اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی پر آتیں تو وہ ثابت قدم نہ رہ سکتا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبلیغ کا حق اداء فرمایا اور ثابت قدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم چومتی رہی، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے وصال سے دو ڈھائی مہینے قبل حجۃ الوداع کے تاریخی خطبے کے موقع پر اپنے جاں نثاروں سے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے تو (ہر حکم) پہنچا دیا اور تمہارے اندر وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، اور وہ

[1] [تفسیر ابن جریر۔ ج:۱۰، ص:۴۶۷، ط: موسسۃ الرسالہ، بیروت بتغیر یسیر]

کھلی چیز ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم۔" اس کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کچھ اور نصیحتیں ارشاد فرمائیں اور پھر سب لوگوں سے پوچھا: اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ؟ لوگو! بتاؤ، میں نے تبلیغ کا حق اداء کر دیا؟" لوگوں نے جواب دیا: اَللّٰھُمَّ نَعَمْ۔ "یقیناً یقیناً۔" اس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! "اے اللہ! تو گواہ رہنا۔" [1]

حضرت امام بخاری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل روایت پیش فرمائی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا، قَالَتْ:

مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ، وَاللهُ يَقُوْلُ: ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾۔

"حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا فرماتی ہیں: وہ شخص جھوٹا ہے جو تمہیں یہ کہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ان احکامات میں سے کچھ چھپایا جو ان پر نازل ہوئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے رسول! آپ وہ سارے احکامات پہنچا دیجیے جو آپ پر نازل کیے گئے ہیں۔" [2]

یہاں تک مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان ہوئی۔ اب "اظہار حق" کی تاکید اور ضرورت پر مزید چند دلائل پڑھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○

"پس اعلان کیجیے اس چیز کا جس کا آپ کو حکم ہوا اور مشرکوں کی پروانہ کیجئے۔" [3]

"صاحب جلالین" آیت کی تفسیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

اِجْهَرْ بِهٖ وَ أَمْضِهٖ۔

"خوب زور سے حق بیان کیجیے اور اسے جاری فرمائیے۔" [4]

---

[1] [سیرت ابن هشام۔ ج:۲، ص: ۶۰۴، ط: شركة مكتبة و مطبعة مصطفیٰ البابی، مصر]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۴۶۱۲، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

[3] [الحجر: ۹۴] [4] [تفسیر جلالین۔ ص: ۲۵۴، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب سے نبوت سے سرفراز کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی لمحے بھی حق کو نہیں چھپایا۔ البتہ ابتدائی زمانے میں اسلام کی دعوت چپکے چپکے دی جاتی تھی، مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت دینا شروع فرمادی اور پھر زندگی کے آخری لمحے تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کو اس طرح سے کھول کھول کر بیان فرمایا کہ یہ پورا دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں اتر گیا اور ان کے مزاج کا حصہ بن گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن مشکل حالات میں اور جس عزیمت کے ساتھ حق کا اظہار فرمایا، اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبارک الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو ارشاد فرمائے:

يَا عَمُّ! وَ اللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَ الْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيْهِ۔

”چچا جان! اللہ کی قسم! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند بھی رکھ دیں اور شرط یہ ہو کہ میں اس معاملے (دعوت الی الحق) کو چھوڑ دوں تو بھی میں اسے نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غلبہ عطاء کرے یا میں مرجاؤں۔“ [1]

یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائے جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ حق اور دعوتِ الی الحق کی شکایت کئی بار ابوطالب سے کی اور ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر کہا کہ میرے بھتیجے! قوم نے بہت شکایتیں کی ہیں، تم مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنی جان پر بھی، اور مجھ پر ایسا بار نہ ڈالو جو میں برداشت نہ کرسکوں۔ ابوطالب کی اس بات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال گزرا کہ شاید چچا بھی میری امداد و تعاون سے دست کش ہو جائیں گے، اور مجھے ان کے حوالے کر دیں گے، گویا ان سے بھی اعانت و حمایت کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا ایمان افروز الفاظ ارشاد فرمائے اور اپنے مضبوط عزم کا اظہار فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[1] [سیرت ابن هشام۔ ج: ۱، ص: ۲۶۶، ط: شرکة مکتبة و مطبعة مصطفیٰ البابی، مصر]

کے ان مبارک الفاظ میں علم وحکمت کے بے شمار خزانے اور داعیانِ حق کے لیے قوت اور عزم کے ذخیرے موجود ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں اسلاف کا ذکر فرمودہ ایک ''لطیف نکتہ'' یہاں درج کر دیا جائے، ممکن ہے کہ نام نہاد مصلحت پسندی اور دنیاوی منفعتوں کی خاطر حق کو چھپانے والوں کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہو۔



ظاہر نظر میں سورج اور چاند سے زائد کوئی شئے روشن اور منور نہیں، لیکن اربابِ بصیرت کے نزدیک وہ ''نورِ مبین''، جس کو حضرت محمد ﷺ لے کر دنیا میں آئے وہ سورج اور چاند سے کہیں زیادہ روشن اور منور ہے۔ مشرکین اس ''نورِ مبین'' کو بجھانا چاہتے ہیں، کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو بغیر کمال تک پہنچائے ہرگز نہیں مانے گا، اگرچہ کافر اس کو پسند نہ کریں۔''[1]

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے سورج اور چاند کا ذکر فرمایا، اور یہ بتلا دیا کہ جس ''نورِ مبین'' کو میں لے کر آیا ہوں اس کے سامنے سورج اور چاند کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے، بلکہ سورج اور چاند کو اس ''نورِ مبین'' کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہے۔ لہٰذا تم احمقوں کے کہنے سے میں نورِ اعلیٰ کو چھوڑ کر نورِ ادنیٰ کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں؟ ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾۔ اور جس طرح دایاں ہاتھ بہ نسبت بائیں ہاتھ کے زیادہ اشرف اور افضل ہے، اسی طرح سورج بھی چاند سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے، اسی لیے نبی کریم فصیح العرب والعجم ﷺ نے سورج کا دائیں ہاتھ میں اور چاند کا بائیں ہاتھ میں رکھنا بیان فرمایا ہے۔[2]

دُنیا کی تھوڑی سی چمک دمک کی خاطر حق کو چھپانے والے مذکورہ بالا نکتے پر غور کریں۔ ممکن

[1] [التوبہ: ۳۲] [2] [الروض الأنف۔ ج:۳، ص: ۱۰، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت]

ہے حرص ولالچ کے اندھیروں سے نجات مل جائے۔قرآن مجید میں تو ''کتمان حق'' کی سزاؤں کا تذکرہ ہم پہلے کرچکے ہیں، جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی حق پوشی پر سخت وعید فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ۔

''جس سے کسی علم کی بابت پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپالیا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''[1]

یعنی وہ لوگ جو دنیا میں حق بولنے کی بجائے اپنے منہ میں حرص، لالچ، خواہ مخواہ کی مصلحت اور خوف کی لگام لگائے رکھیں گے، اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا سچا دین نہیں پہنچائیں گے، بلکہ اسے چھپائیں گے تو ایسے لوگوں کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

''مسند احمد'' میں ہے:

''خلاف شرع امر دیکھ کر، سن کر، اپنے آپ کو کمزور جان کر خاموش نہ ہوجانا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس ہوگی، اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپ ہوگیا تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔''[2]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس امت کے عالم دو طرح کے ہیں۔ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا، جسے اس نے لوگوں پر خرچ کیا اور اس پر کچھ مال کی حرص نہ کی اور اس نے تھوڑا سا بھی مال نہ لیا تو ایسے شخص پر پرندے اور سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے چوپائے اور کراماً کاتبین

[1] [سنن الترمذی۔رقم الحدیث: ۲۶۴۹، ط:دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [مسند احمد۔رقم الحدیث: ۱۱۸۶۸، ناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت]

رحمت بھیجتے ہیں، اور وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے پاس سید اور شریف ہو کر آئے گا، یہاں تک کہ رسولوں کے ہمراہ ہوگا۔ اور ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس پر بخل کیا اور مال کی طمع کی اور اس کے عوض میں تھوڑا سا مال لیا تو ایسا شخص قیامت کو آگ کی لگام دیا ہوا آئے گا، اور ایک پکارنے والا خلق کے سامنے پکارے گا کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں کا بیٹا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم دیا مگر اس نے علم پر بخل کیا اور اس کے بندوں کو نہ سکھایا اور طمع کا دامن پھیلایا، اور علم کے عوض تھوڑا سا مال اس کے لیے عذاب بنا رہے گا، یہاں تک کہ سب آدمیوں کے حساب سے فراغت ہو جائے۔'' [1]

بعض روایات میں حق چھپانے والے کو ''شیطان اخرس'' یعنی گونگا شیطان قرار دیا گیا ہے، جبکہ ایسی جگہ حق کے اظہار کو جہاد قرار دیا گیا ہے جہاں پر حق ظاہر کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

''ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کا اعلان بڑے جہاد میں سے ہے۔'' [2]

عبرت و موعظت

یہودی حق کو چھپاتے رہے، دین کو بدلتے رہے اور حق و باطل کو خلط ملط کرتے رہے، یہ سب کچھ کرنے کی وجہ سے وہ آسمانی رحمت سے محروم ہو گئے، برکتیں ان سے روٹھ گئیں اور سچا دین ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا، اور جس ملعون دنیا کی خاطر انہوں نے یہ ستم ڈھایا تھا، وہ بھی انہیں اتنی ہی ملی جتنی ان کے مقدر میں لکھی تھی، اور اگر وہ دین کو نہ بیچتے تب بھی اتنی دنیا انہیں مل ہی جاتی۔

[1] [المعجم الاوسط للطبرانی۔ رقم الحدیث ۷۱۸۷۔ ط: دار الحرمین، القاھرۃ]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۱۷۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

یہودیوں کے برعکس ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین نے حق کی حفاظت کی اور اسے چار دانگ عالم میں پھیلایا۔ انہوں نے سولیوں پر لٹک کر اور ماریں کھا کر بھی حق کا اعلان کیا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی کسی بات کو نہیں چھپایا اور نہ ہی انہوں نے دین میں کوئی تحریف کی۔ انہوں نے جس طرح سے قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اسی طرح اسے یاد کیا اور اسے امت تک پہنچایا، اور اس کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کو کھپایا۔ اسی طرح انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اقوال کو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک افعال اور یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات اور اداؤں تک کو محفوظ کر لیا اور پھر پوری احتیاط اور مکمل اہتمام کے ساتھ یہ سب کچھ اپنے لائق و فائق شاگردوں تک پہنچا دیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا سے بے رغبت تھے اور وہ دنیا کی حقارت اور بے وقعتی کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ وہ نہ تو دنیا کے بادشاہوں سے مرعوب ہوتے تھے اور نہ دنیا کی چمک دمک ان پر اثر انداز ہوتی تھی۔ وہ دنیا میں رہتے تھے مگر دنیا ان کا مقصود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیاں دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دین قائم کرنے کے لیے وقف کر دی تھیں۔ وہ دین کے ایک ایک حکم کی اہمیت اور افادیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اور یہ بات ان کے دل و دماغ میں گھر کر چکی تھی کہ اسلام ہی انسانیت کی فلاح اور دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ خصوصیات انہیں کتمانِ حق اور تحریف سے روکتی تھیں، اور وہ ہر لمحہ حق کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے لیے سینہ سپر رہتے تھے۔ یہودی چونکہ دنیا پرست تھے اور اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں سے ڈرتے تھے، دنیا کے حکمران اور یہاں کی چمک دمک بھی انہیں متاثر کرتی تھی، اور انہوں نے آخرت کی بجائے دنیا کو مقصود بنا لیا تھا، اور وہ دین کی افادیت کو بھی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک دین بھی دنیا کمانے کا ایک ذریعہ تھا، چنانچہ دنیا کا فائدہ انہیں جس کام میں نظر آتا تھا وہ اسے کر گزرتے تھے۔ دین کو چھپانا اور اسے بدلنا بھی اسی مقصد کے تحت تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

بعد مسلمانوں میں سے جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذکورہ بالا صفات موجود تھیں وہ مسلمان تو حق کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے لیے قربانیوں کی عظیم تاریخ رقم کرتے رہے۔ بادشاہوں کے کوڑے، کنوؤں کے اندر بنے ہوئے زندان اور پھانسی کے پھندے بھی انہیں حق کا اظہار کرنے سے نہ روک سکے، اور اگر حکمرانوں نے دین میں تحریف کی کوشش کی تو یہ اللہ والے بوریا نشین اسلام کی حفاظت کے لیے میدانوں میں کود پڑے اور حکمرانوں کو ہمیشہ ان کے مقابلے میں شکست تسلیم کرنی پڑی۔ مسلمان داعیانِ حق اور علماءِ کرام کی تاریخ دعوت وعزیمت بہت تابناک ہے، دوستوں کی طرح دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے جیسے تیسے کلمہ تو پڑھ لیا، مگر اسلام ان کے دلوں میں نہیں اترا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذکورہ بالا صفات سے بھی وہ محروم تھے، ان مسلمانوں میں سے بعض میں یہودیوں کی بیماری کتمانِ حق، تلبیس اور تحریف پھیلی، اور انہوں نے دنیا اور اس کے مال ومنصب کو مقصود بنا کر حق کو چھپایا اور دین میں تلبیس وتحریف کی بھی کوششیں کیں۔ جہاں دعوت وعزیمت کی تاریخ بہت تابناک ہے، وہاں نفاق کی یہ تاریخ بہت دردناک ہے۔ چونکہ ہمارا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں ہے، اس لیے ہم عصر حاضر کے مسلمانوں کے سامنے کتمانِ حق اور تلبیس وتحریف کے بعض ہتھکنڈوں کا تعارف پیش کرنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، تاکہ وہ یہودیوں کی ان خطرناک بیماریوں اور ان کے موذی داعیوں سے بچ سکیں:

۱ ہم اُوپر عرض کر چکے ہیں کہ جب تک اسلام کے ''ادلہ اربعہ'' (چار دلائل) میں سے کسی کا انکار نہ کیا جائے، اس وقت تک اسلام میں کتمان وتحریف کی گنجائش نہیں بنتی۔ چنانچہ جس کے دل میں بھی یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تحریف وتلبیس کا شوق ابھرتا ہے، وہ پہلی ضرب ان چاروں دلائل میں سے کسی ایک پر لگاتا ہے۔ چنانچہ اسلام کا لبادہ اُوڑھ کر اور اہل بیت کی محبت کا نعرہ لگا کر سب سے پہلے رافضیوں نے اسلام میں کتمان اور تحریف و

تلبیس کو جگہ دینے کی کوشش کی، اور انہوں نے قرآن مجید کا انکار کر دیا، اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اصل قرآن تو بارہویں امام اپنے ساتھ لے گئے ہیں، جبکہ موجودہ قرآن نعوذ باللہ تحریف شدہ ہے اور اس میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ رافضیوں کے نزدیک چونکہ ''تقیہ'' یعنی حق کو چھپانا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور ان کی معتبر کتابیں ''تقیہ'' یعنی حق پوشی کی تاکید اور فضائل سے بھری پڑی ہیں، اس لیے قرآن کے بارے میں وہ اپنے حقیقی عقیدے کا عام طور پر اظہار نہیں کرتے، وگرنہ یہ عقیدہ ان کی معتبر ترین کتابوں مثلاً اصول کافی وغیرہ میں مذکور ہے اور بعض رافضیوں مثلاً نوری طبرسی وغیرہ نے اس موضوع پر مستقل اور ضخیم کتابیں بھی لکھی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہودی تو تاویلیں کر کے چور دروازوں سے حق چھپاتے تھے، جبکہ رافضی یہی کام عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ پھر رافضیوں نے اپنے لیے دین میں تحریف و تبدیلی کے راستے کھولنے کے لیے قرآن مجید کا انکار کر دیا، اور یہ دعویٰ کیا کہ اصل کتاب بارہویں امام کے پاس ہے، اور جب تک وہ کتاب ظاہر نہیں ہو جاتی اس وقت تک رافضیوں کے لیے اسی قرآن مجید کو پڑھنے کا حکم ہے۔ (کمافی اصول الکافی) رافضیوں کے اس عقیدے کی برائی اور تفصیلات سے قطع نظر ایک بات خاص طور پر قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ جس قوم کے پاس آسمانی کتاب ہی نہ ہو وہ اپنے آپ کو کسی دین یا مذہب کی طرف کس طرح منسوب کر سکتی ہے؟ یہودیوں کے پاس جیسی تیسی تورات موجود ہے، عیسائیوں کے پاس جیسی تیسی انجیل موجود ہے، اس لیے اسلامی اصطلاح میں یہ دونوں فرقے ''اہل کتاب'' کہلاتے ہیں اور اسلام نے بعض مقامات پر انہیں غیر اہل کتاب کافروں کے مقابلے میں کچھ سہولت اور ترجیح بھی دی ہے، اور یہ سہولت اور ترجیح صرف ان کی اس کتاب کی وجہ سے ہے جو بدلی ہوئی شکل میں ہونے کے باوجود ان کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی اس وقت مسلمان

کہلائے جاسکتے ہیں جب ان کے پاس آسمانی ہدایت اور کتاب موجود ہو اور اس میں انہیں مسلمان کے لقب سے نوازا گیا ہو۔ چنانچہ وہ مسلمان جو قرآن پر ایمان لاتے ہیں وہ تو باکتاب ہوئے اور انہیں مسلمان کہلانے کا حق بھی حاصل ہوگیا، لیکن وہ لوگ جن کے پاس بقول ان کے کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ ان کی آسمانی کتاب انہیں ہدایت پہنچانے کے بجائے ایک غار میں چھپی ہوئی ہے اور موجودہ قرآن انہیں مجبوراً پڑھنا پڑتا ہے تو ایسے لوگ باکتاب نہ ہوئے، اور ان کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہوگا کہ وہ خود کو اسلام کی طرف منسوب کریں۔ اسی طرح انہیں اپنے مذہب کی دعوت کی بھی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد ہی چھپی ہوئی ہے۔ اور انہیں خود کو ہدایت یافتہ کہلانے کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ ہدایت کی تعلیمات تو کتاب میں ہیں اور کتاب غار میں ہے۔ پھر چونکہ رافضی اہل کتاب بھی نہیں ہیں اور ان کے مذہب میں ''تقیہ'' بھی عبادت ہے، اس لیے دین کے بارے میں ان کی کوئی بات معتبر نہیں ہوگی، بلکہ ان کا پورا مذہب ''اھواء نفسانی'' کا مجموعہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی ''اھواء نفسانی'' کی پیروی سے منع فرمایا ہے حالانکہ وہ اہل کتاب ہیں، تو جو فرقہ اہل کتاب بھی نہیں ہے مسلمانوں کو اس کے مذہب یعنی ''اھواء نفسانی'' سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ ویسے بھی رافضیوں نے مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچایا ہے، اور طرح طرح کی غیر اسلامی شرکیہ رسومات کو مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کی ہے، اور جب بھی انہیں حکومت ملی ہے تو انہوں نے مسلمانوں کا ہی خون بہایا ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس فرقے کی تحریفات اور رسومات سے بچیں، کیونکہ یہ سب غیر اسلامی ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کے رافضیوں کے یہ عقائد ان کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں اور ان کی بہت ساری تحریفی رسومات مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں۔

(۲) تحریف اور کتمان میں دوسرا نمبر ''منکرین حدیث'' کا ہے۔ ان لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کا انکار کیا، تاکہ انہیں قرآن مجید میں تحریف کا موقع مل سکے۔ یہ تحریفی فتنہ مسلمانوں کے لیے دردسر بنا ہوا ہے، اور اس کے گماشتے ہر آئے دن کوئی نہ کوئی نئی تحریف اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ لعنت کے مستحق ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان کے فتنے کا مکمل قلع قمع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطاء فرمائے۔ ہم یہود کی کئی بیماریوں کے تحت اس فتنے کا کچھ تعارف پہلے ہی کرا چکے ہیں۔ اس فتنے کا طریقۂ واردات بچھو کی طرح ہے، اور یہ چھپ کر حملہ کرتے ہیں۔ اس فتنے کے داعی دنیا پرست، اور ہوس کے مارے ہوئے وہ لوگ ہیں جن کا مبلغ علم صرف اردو اور انگریزی لٹریچر ہے۔ یہ مادہ پرستی کی دعوت دیتے ہیں اور اسلام کے حقیقی احکامات کو چھپاتے ہیں اور اس کی غلط تشریح کرتے ہیں۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کو چھپانا اور بدعات کو عام کرنا یہ بھی کتمانِ حق اور تحریف فی الدین ہے۔ مسلمانوں میں ایک مخصوص طبقہ یہودیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس بیماری میں مبتلاء ہو چکا ہے۔ یہ لوگ ظاہری طور پر سنت سے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ بدعات کی تشریح واشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یہودیوں کی طرح دین فروش ہیں، جو قبروں پر میلے لگوا کر اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر ان کا مال کماتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اسلام میں قبروں پر اونچے مزار اور گنبد بنانا تو درکنار، قبروں کو پکا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ قبروں پر سجدے کرنا اور غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز اور منت ماننا کفر ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ میت کا تیجا، دسواں ، چالیسواں اور برسی وغیرہ کی رسومات کا اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ تعزیہ اور قبروں پر چراغاں غیر اسلامی افعال ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ ساز باجے

اور مروجہ قوالی کا اسلام سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔لیکن چونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اس لیے وہ لوگوں کو حق بات نہیں بتاتے، اور وہ بدکار اور بد کردار ہونے کے باوجود بزرگوں اور مشائخ کی گدیوں پر قابض ہیں، اور دن رات لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے نام نہاد پیر اور مولوی کھلم کھلا دین میں تحریفات کرتے ہیں، اور لوگوں کو غلط مسائل بتا کر ان سے رشوت اور نذرانے وصول کرتے ہیں۔مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ یہ لوگ اسلام نہیں بلکہ یہودیت کے راستے پر چل رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان نفس پرستوں کی پیروی اور اتباع سے منع فرمایا ہے۔ یہ لوگ خود دین پر عمل نہیں کرتے، بلکہ مریدوں کے مال لوٹ کر بڑی بڑی جاگیریں بناتے ہیں، اور ان کے بچے مریدوں کے مال لوٹ کر عیاشی کرتے ہیں اور طرح طرح کی کھلم کھلا بے حیائیوں اور گناہوں میں مبتلاء ہوتے ہیں۔ماضی میں یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قبروں پر سر جھکایا تو وہ تباہ و برباد ہو گئے۔آج مسلمان اگر یہی غلطی دہرائیں گے تو انہیں کون عذاب سے بچا سکے گا؟ کیا اولیاء اللہ ہماری چادروں کے محتاج ہیں؟ قبروں پر ڈالی جانے والی یہی چادریں چند دنوں کے بعد اس قبر کے جاگیر دار وارثوں کے ہاں پہنچ جاتی ہیں، اور ان کی اولاد ان چادروں کو بیچ کر فلمیں دیکھتی ہے اور بے حیائی کے کام کرتی ہے تو آپ کو قبر پر چادر ڈالنے سے کیا ملا؟ اگر یہی چادر کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، افغانستان یا فلسطین کی کسی بچی کے سر پر ڈالی جاتی تو کتنا اجر ملتا اور کتنی مقبول دعائیں حصے میں آتیں؟ کیا اولیاء اللہ اپنی قبروں پر ہمارے چراغاں اور میلوں کے محتاج ہیں؟ قبروں پر گھڑ دوڑ کرانے اور کتے، ریچھ لڑانے سے اولیاء اللہ کو کیا ملتا ہے؟ یہ اولیاء اللہ کس کے سامنے سر جھکاتے تھے؟ ان حضرات نے تو کبھی بھی غیر اللہ کی طرف امید کی ترچھی نگاہ بھی نہیں اٹھائی، ان کی امیدوں اور محبتوں کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ مگر شرک کے بیوپاریوں نے ان اولیاء اللہ کی تعلیمات کو فراموش کرتے ہوئے لوگوں کو خود

ان کی عبادت پر لگا دیا۔ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو ہم ان شاء اللہ یہودیوں کی بیماری ''شرک'' کے تحت کریں گے۔ یہاں پر صرف اتنی سی بات عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو چھپا کر اور اس میں تحریف کر کے سنت کے نور کو مٹانا اور بدعات کی ظلمتوں کو عام کرنا بہت بڑا ظلم ہے، اور جو لوگ اپنے پیٹ اور منصب کی خاطر یہ جرم عظیم کر رہے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے، ورنہ بدترین انجام ان کا منتظر ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کا منتظر ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی قبروں نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ کفار کے مردوں کی بدبو ہم کو بہت ستاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ علماء سوء (برے علماء) کے پیٹ میں زیادہ بدبو ہے اس بدبو سے جو تمہارے اندر ہے۔''[۱]

وہ لوگ جو کمزور دلائل کے ذریعے بدعات کا تحفظ کرتے ہیں، اور دین کو بیچ کر دنیا کا مال کماتے ہیں، انہیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت پر غور کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔ عام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضبوطی سے تھامیں اور ہر طرح کی بدعات سے خود کو محفوظ رکھیں۔ کیونکہ صحیح احادیث کے مطابق قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں سے منہ پھیر لیں گے جنہوں نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی ہوگی۔ ہم شرک و بدعت کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث ان شاء اللہ شرک کے بیان میں ذکر کریں گے۔

(۴) کچھ لوگوں نے دین میں تحریف اور من مانی کا دروازہ کھولنے کے لیے اجماع کا انکار کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اپنے زمانے کے پروفیسروں کی بات تو معتبر ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان معتبر نہیں ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے، مگر یہ لوگ اس اجماعی فیصلے کو ماننے کی بجائے نعوذ باللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے عیب لگاتے ہیں۔ کوئی

[۱] [احیاء علوم الدین۔ ج:۱، ص:۶۳: ط: دار المعرفۃ، بیروت]

بیس تراویح کو ''بدعت عمر'' کہہ کر اپنی آخرت تباہ کرتا ہے، تو کوئی یہ اعلان کرتا ہے کہ جس نے بیس تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کو چھوڑ دیا وہ کافر ہے۔ اس طرح کی ظالمانہ باتیں لکھتے وقت ان لوگوں کی عقل کام نہیں کرتی اور وہ اپنی پسندیدہ رائے کو ظاہر کرنے کے لیے حق کی ہر بات کو چھپاتے ہیں اور دین میں طرح طرح کی تحریفیں اور تاویلیں کر کے اللہ تعالیٰ کے عالمگیر دین کو چند فروعی مسائل میں جھگڑنے کا نام دیتے ہیں۔ یہ لوگ حدیث شریف کی کتابوں کے اردو ترجمے بغل میں دبائے پھرتے ہیں، اور حضرات خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کا کھلم کھلا انکار کر کے اسلام کے حلیے کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طرح کے ہر روز پیدا ہونے والے نت نئے فتنوں سے دور رہیں، یہ لوگ گمراہی کے خریدار ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیامت کی علامات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا۔

''اس امت کے آخری پہلوں کو برا بھلا کہنے لگ جائیں۔ (تب سرخ ہوا، زمین میں دھنسنے اور چہرے مسخ ہونے کے عذاب کا انتظار کرو)''[1]

اجماع امت کا کھلم کھلا انکار کرنے والے یہ فرقے جواب خود مختلف گروہوں میں بٹتے جا رہے ہیں، پہلے اپنے بڑوں کے کہنے پر ایک رائے متعین کر لیتے ہیں اور پھر جو دلیل یا جو شخصیت ان کی اس رائے کے خلاف ہو، اس میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں۔ یہ ظالم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف دل میں بغض رکھتے ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس تراویح اور تین طلاق کے مسئلے میں ان کی رائے کے مطابق نہیں ہیں۔ یہ لوگ بلکہ ان کا بچہ بچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے خلاف اپنے دل میں بغض اور اہانت کے جذبات رکھتا ہے، کیونکہ رفع یدین کے

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۲۱۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ان کے مطابق نہیں ہے۔ یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو تو دین کی تشریح کا حق نہیں دیتے، لیکن اپنے زمانے کے اُردو خواں پروفیسروں کو اجتہاد تک کا حق دے دیتے ہیں۔ حالانکہ ان پروفیسروں میں اتنی استعداد بھی نہیں ہوتی کہ وہ اردو تراجم کے بغیر براہ راست قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں، جبکہ اجتہاد کے لیے تو بہت ساری شرائط لازمی ہیں۔ امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَمَّا شَرْطُهٗ فَاَنْ يَّحْوِيَ عِلْمَ الْكِتَابِ بِمَعَانِيْهِ وَعِلْمَ السُّنَّةِ بِطُرُقِهَا وَمُتُوْنِهَا وَوُجُوْهِ مَعَانِيْهَا وَاَنْ يَّعْرِفَ وُجُوْهَ الْقِيَاسِ۔

''اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کتاب اللہ کے معانی اور حدیث کی اسانید اور متون اور ان کے معانی کے طریقوں کے علم پر حاوی ہو اور یہ کہ قیاس کے طرق اور وجوہ کو بھی جانتا ہو۔''[1]

امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شَرَائِطُ الْاِجْتِهَادِ خَمْسَةٌ:

١ مَعْرِفَةُ قَدْرٍ صَالِحٍ مِّنَ اللُّغَةِ وَالتَّمْيِيْزِ بَيْنَ الْأَلْفَاظِ الْوَضْعِيَّةِ وَالْاِسْتِعَارِيَّةِ، وَالنَّصِّ وَ الظَّاهِرِ، وَ الْعَامِّ وَ الْخَاصِّ، وَ الْمُطْلَقِ وَ الْمُقَيَّدِ، وَ الْمُجْمَلِ وَ الْمُفَصَّلِ، وَفَحْوَى الْخِطَابِ، وَمَفْهُوْمِ الْكَلَامِ۔

٢ مَعْرِفَةُ تَفْسِيْرِ الْقُرْاٰنِ خُصُوْصًا مَّا يَتَعَلَّقُ بِالْاَحْكَامِ۔

٣ ثُمَّ مَعْرِفَةُ الْاَخْبَارِ بِمُتُوْنِهَا وَاَسَانِيْدِهَا وَالْاِحَاطَةِ بِاَحْوَالِ النَّقَلَةِ وَالرُّوَاةِ۔

٤ ثُمَّ مَعْرِفَةُ مَوَاقِعِ اِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَتَابِعِي التَّابِعِيْنَ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِيْنَ حَتّٰى لَا يَقَعَ اجْتِهَادُهٗ فِيْ مُخَالَفَةِ الْاِجْمَاعِ۔

٥ ثُمَّ التَّهَدِّيْ اِلٰى مَوَاضِعِ الْاَقْيِسَةِ وَكَيْفِيَّةِ النَّظَرِ وَالتَّرَدُّدِ فِيْهَا الخ۔

اجتہاد کی پانچ شرطیں ہیں:

١ بقدر ضرورت لغت (عربیہ) کی معرفت ہو، اور الفاظ وضعیہ، استعاریہ، نص، ظاہر، عام، خاص،

[1] [الکلام المفید۔ص: ٦٥، ط: مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ]

مطلق، مقید، مجمل، مفصل، فحوائے خطاب اور مفہوم کلام میں تمیز کرنے کی اہلیت ہو۔

(۲) قرآن کریم کی تفسیر کی معرفت ہو، خصوصاً جو احکام سے متعلق ہے۔

(۳) پھر احادیث کی معرفت حاصل ہو ان کی اسانید اور متون کے ساتھ، اور ناقلین و رواۃ حدیث کے حالات سے بھی واقفیت ہو۔

(۴) پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سلف صالحین کے اجماع کے مواقع کی معرفت، تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ واقع ہو۔

(۵) پھر قیاسات کے مواقع اور استدلال کی کیفیت اور ان میں غور فکر کرنے کے مواقع سے شناسائی ہو۔ الیٰ آخرہ۔[1]

لیکن آج وہ لوگ جنہیں قرآن مجید کی تفسیر تک نہیں آتی اور انہوں نے حدیث شریف کی اکثر کتابوں کو بھی نہیں پڑھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کا بھی انہیں کچھ علم نہیں ہے اور اجماع و قیاس کی تعریفات تک کو وہ نہیں جانتے، مگر وہ چند اردو تراجم اٹھائے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو مناظرے کے چیلنج کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ چند احادیث کے علاوہ پورے دین میں سے کچھ بھی نہیں جانتے اور نعوذ باللہ ان مسائل میں انعامی چیلنج دیتے ہیں جن مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا، گویا یہ لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چیلنج دیتے پھرتے ہیں، لیکن چونکہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی اکثریت کو دین کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہوتیں، اس لیے وہ چند احادیث کا ترجمہ دیکھ کر ان لوگوں کے ہاتھوں اس طرح شکار ہو جاتے ہیں، جس طرح منکرین حدیث چند آیات کا ترجمہ دکھا کر لوگوں کو شکار کرتے ہیں۔ ہم یہاں چند سچے اور مختصر واقعات اور حقائق ذکر کرتے ہیں، امید ہے کہ ہمارے عام مسلمان بھائیوں کو ان شاء اللہ ان سے ضرور فائدہ ہوگا۔

(۱) عام طور پر غیر مقلدین کا رعب ہمارے مسلمانوں کے دلوں پر چھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ موٹی

[1] [الملل والنحل۔ ج:۲، ص:۴، ط: مؤسسۃ الحلبی]

موٹی کتابیں لے کر پھرتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص یہی دعویٰ کرتا ہے کہ بڑی تحقیق کے بعد میں نے حق کو پہچانا ہے اور اب تک میں بہت سے علماء کو مناظرے میں شکست دے چکا ہوں۔ یہ پہلا واقعہ غیر مقلدین کی حقیقت کے بیان میں ہے۔ ایک جگہ راقم کو قرآن مجید کی تفسیر اور بعض دینی کتابیں پڑھانے کا موقع اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا، اس درس میں بعض سرکردہ غیر مقلد بھائی بھی شریک ہوتے تھے، یہ سب لوگ ماضی میں اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے، مگر بقول ان کے انہوں نے بڑی تحقیق کر کے حق کو پہچان لیا اور غیر مقلدیت اختیار کی۔ ان میں سے بعض تو ان کے مبلغ بھی تھے، کچھ دن درس دینے کے بعد راقم کو یہ خیال گزرا کہ حلقۂ درس میں شریک تمام ساتھیوں کی علمی استعداد کا جائزہ لیا جائے اور پھر انہیں وہ چیزیں پہلے پڑھائی جائیں جن کی ان کو زیادہ ضرورت ہو اور جن کی اسلام میں زیادہ اہمیت ہو۔ چنانچہ راقم نے دس سوالوں پر مشتمل ایک سوالنامہ ان ساتھیوں کو لکھوایا تاکہ وہ تحریری جواب دے سکیں۔ اس سوالنامے میں توحید، بدعت، سود، اسلامی معیشت، اسلام کا سیاسی نظام، دعوت و جہاد وغیرہ جیسی بنیادی باتیں پوچھی تھیں۔ جب مجھے ایک دن بعد جوابات موصول ہوئے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رفع یدین اور فاتحہ جیسے مسائل پر شور شرابہ کرنے والے ہمارے ان بھائیوں کو اسلام کی ان بنیادی اصطلاحات کے بارے میں ضروری معلومات تک حاصل نہ تھیں۔ راقم کا مقصد چونکہ سب کو اللہ تعالیٰ کا دین پڑھانا تھا، چنانچہ اس نے کسی کو شرمندہ کیے بغیر ان امور کے بارے میں تفصیل سے اسباق پڑھائے اور لکھوائے۔ اندازہ لگائیے کہ وہ مولوی اور پروفیسر حضرات جو ان نوجوان بچوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں چند فروعی مسائل میں الجھا کر جھگڑالو اور تندخو بنا دیتے ہیں وہ انہیں اسلام کی بنیادی باتیں تک نہیں سکھاتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے بچوں کو تفصیل سے اسلام پڑھایا تو پھر یہ بچے کنوئیں

کے مینڈک نہیں رہیں گے، اور انہیں دوسری طرف کا حق موقف بھی معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح تفصیل سے اسلام پڑھانے کے لیے فقہ اور فقہاء کا بھی سہارا لینا پڑے گا، جبکہ یہ لوگ اپنے نوجوان مقلدین کے سامنے فقہ اور فقہاء کو گالیاں دیتے ہیں اور فقہ کو حدیث کے مقابلے میں ایک نئی چیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جیل میں قید ایک ساتھی کے والد صاحب اپنے علاقے میں غیر مقلدیت کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو خط لکھا، جس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ آج کل علماء نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر فقہ کے افسانے لوگوں کو سنانا شروع کر دیئے ہیں۔ ان کے خط میں زیادہ زور اسی بات پر تھا کہ فقہ محض ایک افسانہ ہے۔ اس ساتھی نے یہ خط راقم کو پڑھایا اور جواب لکھنے کے لیے کہا۔ راقم نے اپنے جواب میں یہ لکھا کہ آپ نے فقہ کو افسانہ قرار دیا ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' میں جگہ جگہ فقہاء کرام کے فقہی اقوال نقل کرتے ہیں اور کئی جگہ ان اقوال کی تائید کرتے ہیں اور کئی جگہ ان اقوال کو بطور دلیل اور سند کے پیش کرتے ہیں، تو اگر فقہ افسانوں کا نام ہے تو پھر بخاری شریف جسے آپ لوگ سب سے زیادہ اُٹھائے پھرتے ہیں، نعوذ باللہ ان افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ خط جب اس ساتھی کے والد صاحب کو پہنچا تو اگلے خط میں انہوں نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ فقہ تو بہت اچھی چیز ہے لیکن ہمیں سب فقہاء کی فقہ لینی چاہیے نہ کہ کسی ایک کی۔ راقم نے الحمد للہ اس کا بھی شافی جواب بھجوا دیا جس کے بعد اس موضوع پر خطوط آنا بند ہو گئے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ موٹی موٹی کتابیں اٹھا لینے سے کوئی عالم نہیں بن جاتا۔ یہ لوگ جو دو چار صفحے کا اردو پمفلٹ پڑھ کر اس مسلک کو چھوڑ بیٹھے جس پر تیرہ سو سال سے اُمت کی اکثریت عمل کر رہی ہے، زیادہ عقل نہیں رکھتے، اور نہ ان کا علم امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین کے علم کے لاکھویں حصے تک پہنچتا ہے۔

ان لوگوں کو تو اسلام کی بنیادی باتیں تک پتہ نہیں ہیں۔ اگر یہ لوگ حدیث شریف کی اکثر کتابیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہی پڑھ لیتے تو انہیں دیواروں پر چیلنج کے اشتہارات چپکانے سے پہلے شرم کی وجہ سے موت آجاتی، مگر ان کے پاس چونکہ علم نہیں ہے اس لیے وہ غباروں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں، اور ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی ان سے خواہ مخواہ متأثر ہو جاتے ہیں۔ خدارا! ان تحریفی فتنوں سے بچیں اور ہر کتاب اور پمفلٹ کو معتبر نہ جانیں۔ ایمان کی حفاظت جان کی حفاظت سے زیادہ ضروری ہے، اس کا اہتمام کریں۔

۲ دوسرا عبرت آموز واقعہ یہ ہے کہ ایک غیر مقلد بھائی نے راقم سے کہا کہ میرا دل اپنے مسلک پر بالکل مطمئن ہے اور مجھے اس پر شرح صدر ہو چکا ہے۔ راقم نے عرض کیا کہ صرف دل کا مطمئن ہونا اور شرح صدر ہو جانا ہی کافی دلیل ہو تو بہت سارے غیر مسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارا دل ہمارے مذہب پر مطمئن ہے اور ہمیں بہت سکون مل رہا ہے۔ غیر مقلد بھائی نے کہا کہ نہیں مجھے یہ اطمینان دلائل کی وجہ سے ہوا ہے۔ راقم نے پوچھا آپ کی نظر میں اسلامی دلائل کہاں کہاں سے لیے جاسکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں سب سے پہلے قرآن مجید کو دیکھتا ہوں، پھر حدیث شریف کو اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو۔ راقم نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو قرآن مجید آتا ہے؟ انہوں نے کہا گزارے کی حد تک آتا ہے۔ راقم نے ان سے ایک آیت احکام کی تفسیر پوچھی، انہوں نے کافی سوچ و بچار کے بعد انکار کر دیا کہ مجھے نہیں آتی۔ راقم نے کہا کہ نوٹ کرلیں آپ کو قرآن مجید نہیں آتا۔ پھر راقم نے ان سے پوچھا کہ حدیث شریف کی کتابوں کے نام بتائیں۔ انہوں نے چند کتابوں کے نام بتائے۔ راقم نے کہا: اور بتائیں۔ انہوں نے کہا: بس مجھے اتنے ہی آتے ہیں۔ راقم نے کہا: وہ کتابیں جن کے نام آپ کو نہیں آتے، کیا ان میں مذکور صحیح احادیث حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں؟ مگر آپ کو تو حدیث شریف کے کئی ضروری علوم تو درکنار کتابوں کا نام تک نہیں آتا، تو پھر آپ حدیث شریف سے کس طرح دلیل لیتے ہیں؟ پھر راقم نے پوچھا: آثار صحابہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وفتاویٰ کن کتابوں میں ہیں؟ تو اس غیر مقلد دوست کو ایک کتاب کا نام نہیں آتا تھا۔ حالانکہ میرے یہ غیر مقلد دوست غیر مقلدین کے ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے علم وتحقیق کا ان کے حلقے میں بڑا چرچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فرقے کے اکثر لوگوں کا مبلغ علم چند اردو کتابیں اور ان کتابوں کے بھی چند صفحات ہیں۔ پھر یہ لوگ اگر چند فروعی مسائل کی حد تک وسعت کے ساتھ اہل علم سے اختلاف کرتے تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن انہوں نے ان چند مسائل کو حق و باطل کا معیار سمجھ لیا ہے، اور اب ان کا جو تازہ لٹریچر سامنے آرہا ہے وہ تو اس قدر زہریلا اور ایمان کش ہے کہ قادیانیوں اور منکرین حدیث کے لٹریچر کے ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب ان لوگوں نے اسلاف امت کو کھلم کھلا کافر کہنا شروع کر دیا ہے، اور ان کے بعض ایسے فرقے بھی وجود میں آچکے ہیں جو روئے زمین پر اپنے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں مانتے۔ حالانکہ ان دردناک حالات میں جبکہ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے، اور دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو ذبح کرنے کے لیے مذبح خانے اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے کے لیے عقوبت خانے کھلے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی زمین مسلمانوں کے لیے تنگ کی جارہی ہے، اور مسلمانوں کا خون اور عزتیں پانی سے زیادہ سستی بنادی گئی ہیں، ضرورت تو اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو جوڑا جاتا اور انہیں متحد کر کے کفر کا مقابلہ کیا جاتا اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے محنت کی جاتی، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ چند شرارتی قسم کے لوگ عربی کتابوں کے اُردو تراجم کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی شرارت کر گزرتے ہیں۔ ان دنیا پرست لوگوں کا مقصد صرف اور صرف

دنیا کمانا اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن مسائل میں الجھا کروہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں، ان مسائل کے بارے میں اسلام نے کس قدر وسعت دی ہے؟ اور ماضی میں مسلمان ان مسائل میں اختلاف کے باوجود باہم شیر وشکر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے قابل فخر امام اور حکمران حضرت نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ ''حنفی'' تھے، جبکہ ان کے دست راست کمانڈر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ ''شافعی'' تھے۔ ان دونوں کے باہمی اتحاد اور تعاون کی وجہ سے مسلمانوں کو ''بیت المقدس'' واپس ملا تھا۔ آج کے غیر مقلدین یہ کہہ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ چار مسلکوں کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا ہے، اس لیے ہم نے تقلید کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ ان کی یہ بات جھوٹی ہے۔ ہم نے ابھی امت کے دو قابل فخر جرنیلوں کا تذکرہ کیا ہے، جو دونوں الگ الگ مسلک کے ہونے کے باوجود متحد تھے اور انہوں نے مل کر کفر کا خاتمہ کیا، اور بعد میں خود سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ بھی احناف کی طرف کافی مائل ہو گئے تھے۔ ''سلطنت عثمانیہ'' کے تمام فرمانروا ''حنفی'' تھے، لیکن ان کے دور اقتدار میں باقی مسلک کے علماء اور افراد کو پورا احترام حاصل تھا اور اس پورے دور میں مسلکی لڑائی کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ غیر مقلدین جو مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے خود منتشر ہو چکے ہیں، اور ان میں اب تک تیس سے زائد فرقے بن چکے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک حق کو چھپاتا ہے اور حتی الوسع دین میں تحریف کرتا ہے۔

(۳) آج کے غیر مقلد اپنا تعلق عربوں سے جوڑتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عربوں کو ان کے بارے میں صحیح معلومات نہیں ہیں، اور یہ لوگ عربوں کے سامنے جا کر توحید کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتے۔ یہ تو عربوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ ہندو پاک میں سب لوگ قبروں کے پجاری اور بدعتی ہیں، صرف ہم چند لوگوں نے وہاں توحید کا علم

اٹھا رکھا ہے اور ہم لوگ اہل سنت و الجماعت کے عقیدے پر قائم ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کے اردو لٹریچر اور ان کے چیلنج والے اشتہارات عرب علماء تک پہنچ جائیں تو وہ ان پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ اتنے دردناک حالات میں جبکہ کافر مسلمانوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، یہ ظالم لوگ اُن مسائل کے ذریعے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال رہے ہیں جن مسائل کے بارے میں خیر القرون سے مسلمانوں میں سمجھوتہ ہو چکا ہے اور ان اختلافات کو رحمت سمجھ کر قبول کر چکے ہیں۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کے غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان میں جہاد کریں گے، کیونکہ ہندوستان پہلے دارالاسلام تھا اب دارالحرب بن چکا ہے۔اب اگر ان سے کوئی پوچھے کہ ہندوستان جب دارالاسلام تھا تو اس پر ''احناف'' کی حکومت تھی اور آپ لوگ اپنی کتابوں میں احناف کو کافر اور گمراہ لکھتے ہیں، تو پھر ہندوستان دارالاسلام کیسے ہوا؟ یہاں تو چوتھی صدی ہجری سے احناف کی حکومت چلی آتی ہے اور انگریز کے آنے سے پہلے ہندوستان کے کسی ایک چپہ زمین پر کسی غیر مقلد نے حکومت نہیں کی؟ کاش یہ لوگ سوچتے یا سمجھتے.......!!

(۴) ان لوگوں نے تقلید کا انکار کر دیا، حالانکہ یہ لوگ جن کتابوں کو پڑھتے ہیں وہ مقلدین کی کتابیں ہیں۔''بلوغ المرام'' کے مصنّف علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کٹر شافعی تھے۔''غنیۃ الطالبین'' کے مصنّف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حنبلی تھے۔یہ لوگ جس ''بخاری شریف'' کو پڑھتے ہیں اس بخاری کے کئی راوی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کئی اُستاد حنفی اور مقلد تھے، مگر پھر بھی یہ لوگ سینہ زوری کر کے تقلید کا انکار کرتے ہیں۔ان کے تقلید چھوڑنے کا نتیجہ کیا نکلا ہے؟ اس چیز کا اظہار مشہور غیر مقلد عالم ''مولانا محمد حسین بٹالوی'' ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد

مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کے ماہرین کی رہنمائی ہی میں عمل کرنا چاہیے، بس یہی سلامتی کا راستہ ہے۔

۵ کچھ لوگوں نے قیاس شرعی کا انکار کر کے اسلام کو کمزور اور محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اسلام ایک دائمی ضابطہ حیات ہے، اور ہر دور میں جدید مسائل سے لوگوں کا سامنا ہوتا ہے، اور جب اسلام کو حکومت اور اقتدار ملتا ہے تو وہ اپنے نظام کے تحت ہی سارے حکومتی شعبے چلاتا ہے، لیکن غلامی کے دور میں اٹھنے والے "تحریفی فتنے" یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ غلام ہی رہنا ہے اور حکومت کرنے کا حق صرف کافروں اور منافقوں کو ہے اور اسلام کبھی نافذ نہیں ہوگا، چنانچہ وہ پورے دھڑلے کے ساتھ قیاس شرعی کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی تحریف ہے اور اسلام کو کمزور کرنے کی ایک بڑی سازش ہے۔ الحمدللہ! ائمہ کرام نے قیاس شرعی کے وہ اصول مرتب فرما دئیے ہیں جن کی بنیاد پر قیامت تک کے آنے والے مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔ نئے مسائل کے بارے میں احکامات کی تخریج کا یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور اسلام کا وسیع دامن کبھی بھی جدید مسائل کے سامنے تنگ نہیں پڑے گا۔

۶ بعض لوگ جدید دنیا سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں اور ان کی آنکھوں پر مادہ پرستی کی عینک

---

[1] [الکلام المفید۔ص: ۱۸۳، ط: مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ]

چڑھی ہوئی ہے۔ یہ لوگ اسلام میں طرح طرح کی تحریفات کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اسلام کو ایک تجارتی دین بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے جہاد کا انکار کیا ہے اور بعض کے نزدیک مسلمانوں کے لیے کافروں کی غلامی قبول کرنا ہی اصل دین ہے۔ چنانچہ وہ کھلم کھلا لکھ رہے ہیں کہ دنیا میں مشرکوں کی حکومت سے بہتر کوئی حکومت نہیں ہے، اور نعوذ باللہ مسلمانوں کو اسلام کی محدود کمیونٹی کا بے وقعت فرد بننے کی بجائے عالمی کمیونٹی کا ایک باعزت فرد بننا چاہیے۔ ان میں سے بعض کے نزدیک اسلام کے ظاہری احکامات فضول ہیں اور بعض کے نزدیک اسلام کے روحانی احکامات کی کوئی قدر نہیں ہے۔ کافروں کی طرف حرص اور رشک سے دیکھنے والے یہ حریص اور لالچی لوگ آئے دن نئی نئی تحریفات کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو بزدلی، مادہ پرستی اور غلامی کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایمان کے ان ڈاکوؤں سے ہوشیار رہیں اور اپنے ایمان کی بھرپور حفاظت کریں۔ ہم ان شاء اللہ ان میں سے بعض تحریفی فتنوں کا تفصیلی ذکر یہودیوں کی بیماری ”ترک جہاد“ کے تحت کریں گے۔

۷ دین کے بارے میں معلومات رکھنے والے وہ لوگ جو فاسق و فاجر حکمرانوں کے پاس آتے جاتے ہیں اور ان حکمرانوں کے دلوں کو مردہ کرنیوالے دسترخوان پر کھانے کھاتے ہیں اور ان کے ہدیے اور تحفے قبول کرتے ہیں، یہ لوگ بھی ان حکمرانوں کے اثر کے تحت بہت ساری تحریفات کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ایسے فتوے صادر کرتے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ ان فتاویٰ کا نقصان مسلمانوں کو اور سب انسانوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ مثلاً عرب ممالک کے بعض فاسق حکمرانوں کے اشارے پر وہاں کے بعض اسلامی اسکالروں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ علاج کے لیے انسانی اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے۔ اس فتوے کے صادر ہونے سے پہلے اسلامی ممالک میں اس غیر انسانی ظالمانہ عمل کو رواج

نہیں ملا تھا، لیکن جیسے ہی یہ فتویٰ صادر ہوا فاسق حکمرانوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے مسلمانوں کے ممالک میں اس عمل کی اجازت دے دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ زندہ انسان اغواء کر لیے جاتے ہیں اور کسی چوری شدہ گاڑی کے کل پرزوں کی طرح ان اغواء شدہ انسانوں کے اعضاء فروخت کر دئیے جاتے ہیں۔ اسی طرح غریب لوگوں نے گردے اور دیگر اعضاء بیچنا شروع کر دئیے ہیں، اور بعض لوگوں نے انسانوں کو دھوکہ دے کر ان کے اعضاء نکالنے کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح قبروں سے مردوں کو نکالنے اور ان کی خرید و فروخت کا کاروبار بھی بلندیوں تک جا پہنچا ہے۔ دیکھیے! صرف ایک شرعی مسئلے میں تحریف کا کتنا خوفناک انجام ہمارے سامنے آیا ہے۔ اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ خالص اسلامی احکام کی حفاظت اور ان کا نفاذ انسانوں کے لیے کس قدر ضروری اور امن بخش ہے۔ علماء کرام کا غلط حکمرانوں سے روابط بڑھانا خود ان کے لیے اور اسلام کے لیے کتنا مضر ہے؟ اس بارے میں چند روایات و اقوال ملاحظہ فرمائیے، جنہیں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں نقل فرمایا ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص جنگل میں رہتا ہے جفا کرتا ہے، (یا سخت مزاج ہو جاتا ہے)، اور جو شکار کے پیچھے پڑتا ہے وہ غافل ہو جاتا ہے، اور جو بادشاہوں کے پاس آتا ہے وہ فتنے میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔''[1]

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہی عالم رہیں گے جو بادشاہوں کی زیارت اور ملاقات کو جاتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ امراء کو گھیرتا ہے تو اس سے

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۲۵۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

احتراز کرو، کیونکہ وہ چور ہے۔امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اس عالم سے زیادہ بری نہیں جو حاکم کے پاس جائے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: بدترین علماء وہ ہیں جو امیروں کے پاس جاتے ہیں، اور بہترین حکام وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے ہیں[1] حضرت مکحول دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو شخص قرآن سیکھے اور دین میں تفقہ پیدا کرے، پھر وہ خوشامد اور طمع کی جہت سے سلطان (حکمران) کی صحبت اختیار کرے تو وہ بقدر اپنے قدموں کے جہنم کی آگ میں گھستا ہے۔حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

میں سنتا تھا کہ بزرگوں کا قول ہے: ''جب تم عالم کو دیکھو کہ دنیا سے محبت رکھتا ہے تو تم اس کو دین میں متہم جانو۔''[2]

اس بارے میں روایات واقوال بہت زیادہ ہیں،اور ہمارے اسلاف کے واقعات اس بارے میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔آج وہ لوگ جنہیں دنیا کی محبت مارے جارہی ہے اور حکمرانوں کے ہاں جانے کے لیے ان کے منہ سے رال ٹپکتی ہے،اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں داخلہ اور وہاں کی شاگردی یا استادی حاصل کرنا ان کی زندگیوں کا بڑا مقصد ہے،وہ لوگ اسلام کی تشریحات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔اسی طرح وہ لوگ جنہیں منافق قسم کے حکمرانوں نے اپنے مفادات کے لیے رکھا ہوا ہے،اور وہ ان حکمرانوں کی من مانی تشریحات کو اسلام کا حصہ قرار دیتے ہیں،مسلمانوں کے لیے ہرگز معتبر نہیں ہیں۔ہاں! جو علماء کرام حکام کے سامنے صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر ان حکام کے مال و دولت کا ذرہ برابر رعب نہیں ہوتا اور وہ حق بات کہنے سے بالکل نہیں گھبراتے،ان علماء کرام کے لیے بڑا اجر ہے۔لیکن اس طرح کے علماء کرام کو حکام اکثر پسند نہیں کرتے اور وہ انہیں اپنے سے دور رکھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔

[1] [سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۶:ط:دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [احیاء علوم الدین۔ج:۱، ص:۶۸:ط:دار المعرفۃ، بیروت]

(۸) بعض لوگ اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے دین میں تحریف کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ جب بھی ان کے دل و دماغ میں کوئی ایسی تحقیق یا بات آئے جو اسلاف کی تحقیق کے خلاف ہو، تو اس بات کو پھیلانے یا شائع کرانے اور اسلاف کو برا بھلا کہہ کر اپنی علمیت جتلانے سے پہلے اپنی اس بات یا تحقیق کو وقت کے معتبر اور ثقہ علماء کرام کی خدمت میں پیش کریں۔ اُمید ہے کہ علماء کرام ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور مغالطے کا ازالہ فرمادیں گے۔ دین کے بارے میں دلچسپی رکھنے والے ہر مسلمان کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ دو جملے اچھی طرح یاد رکھنے چاہئیں۔ یہ دونوں جملے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی جلد اول ''کتاب العلم'' میں نقل فرمائے ہیں۔

پہلا جملہ

اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ۔

''یعنی علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔''[۱]

''یعنی علم اس وقت نصیب ہوتا ہے جب اسے باقاعدہ اُستاد سے سیکھا جائے، اس لیے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہ ہو وہ صرف کتابیں دیکھ کر فتویٰ نہ دے۔''[۲]

دوسرا جملہ

لَا یَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْیٍ وَّلَا مُسْتَکْبِرٌ۔

''شرم کرنے والا اور تکبر کرنے والا آدمی علم حاصل نہیں کرسکتا۔''[۳]

---

۱ [صحیح البخاری۔ تحت باب العلم قبل القول و العمل، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [شرح عقود رسم المفتی ص: ۳۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی]

۳ [صحیح البخاری۔ تحت باب الحیاء فی العلم، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

بس خلاصہ یہ ہوا کہ علماء کے پاس جانے سے اور ان سے سوال کرنے سے نہیں شرمانا چاہیے، اور نہ ہی تکبر میں مبتلاء ہو کر کسی کے پاس علم سیکھنے کے لیے جانے کو اپنی توہین سمجھنا چاہیے۔ اگر فضول شرم اور موذی تکبر سے نجات مل گئی تو ان شاء اللہ علم سیکھنا آسان ہو جائے گا، اور اس جہالت کا علاج بھی ہو جائے گا جو کبھی کبھار دین میں تحریف کا سبب بن جاتی ہے۔

آخری گزارش

اس دور کے تحریفی فتنے بہت زیادہ اور بہت خطرناک ہیں۔ چونکہ اس زمانے میں شر غالب ہے اور قرب قیامت کا دور ہے، اس لیے طرح طرح کے دجالی اور تحریفی فتنے آئے دن سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ''عقیدہ اہل سنت و الجماعت'' پر مضبوطی سے قائم رہیں، اور جہاد اور عمل کے میدان میں آگے بڑھیں، فضول بحثوں میں نہ پڑیں، اور نہ ہی ہر گمراہ آدمی کی کتابوں کو پڑھا کریں۔ اور وہ مسلمان جن کو عقیدے اور مسلک کے بارے میں تحقیق کا شوق ہے، وہ سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں کا مکمل سیٹ منگوا کر پڑھیں اور ان کتابوں کو اپنے پاس رکھیں۔ ان کے علاوہ دیگر اکابر اہل سنت و الجماعت کی کتابوں کو بھی پڑھیں۔ مگر اصل فکر یہی ہو کہ اپنا عقیدہ درست کر کے اپنی روحانی اصلاح اور جہاد کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ ہر مسلمان کو اسی کی ضرورت ہے اور یہی وقت اور حالات کا تقاضا بھی ہے۔

۸ جمادی الاُخریٰ ۱۴۲۰ھ
بمطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۹۹ء



یہودیوں کی آٹھویں بیماری

بے صبری

صبر ''ضبطِ نفس'' کو کہتے ہیں۔یعنی نفس کو فضول خواہشات،فضول شہوات،غلط غصے،حرص،بزدلی، گناہوں اور مصیبت کے وقت بے ہمتی اور جزع فزع سے روکنا ''صبر'' کہلاتا ہے۔گویا کہ ایمان کے تقاضوں پر ڈٹے رہنے اور نیک اعمال پر جمے رہنے کا نام ''صبر'' ہے۔پس جس خوش قسمت انسان کو اس بات کی قوت اور طاقت نصیب ہو جائے کہ وہ نیکیوں پر ڈٹا رہے،گناہوں سے بچتا رہے اور مصیبت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے جڑا رہے،وہی شخص ''صابر'' ہے،اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور اس کے لیے بے شمار فضائل ہیں۔اسی وجہ سے صبر کو ''نصف ایمان'' قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ صبر ہی کی بدولت انسان کو ایمان پر استقامت اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے میں پختگی نصیب ہوتی ہے۔وہ شخص جو مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہو جاتا ہو اور زبان سے الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو،صبر سے محروم ہے۔ایسے شخص کو مصیبت کی تکلیف بھی اٹھانا پڑے گی اور وہ بے صبری کی وجہ سے گناہگار بھی ہو گا،اور اسے مصیبت زیادہ ستائے گی،کیونکہ مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا مصیبت سے بدتر مصیبت ہے۔اسی طرح وہ شخص جو نیکیوں پر اور طاعات پر ثابت قدم نہیں رہتا،وہ بھی صبر سے محروم ہے۔ایسے شخص کو کبھی بھی استقامت جو سب سے بڑی کرامت ہے نصیب نہیں ہوتی۔اسی طرح وہ شخص جو گناہوں کے مواقع دیکھ کر بے قابو ہو جاتا ہے اور ان گناہوں میں جا گرتا ہے،وہ بھی صبر سے محروم ہے،ایسے شخص کا ایمان ہمیشہ خطرات میں رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا کی چمک دمک کے پیچھے آنکھیں بند کر کے دوڑتا ہے اور مزید سے مزید کی

خواہش میں مبتلاء رہتا ہے، وہ بھی صبر سے محروم ہے، ایسا شخص دنیا کے ادنیٰ مفاد کی خاطر آخرت کی پائیدار زندگی کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ انسان ''صبر'' کا محتاج ہے اور ''صبر'' ہی انسان کی وہ طاقت ہے جس کے ذریعے وہ ایمان کے تقاضوں کو نباہ سکتا ہے اور شہوت (خواہشات) اور غضب (غصے) کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے اور حبّ دنیا کے خوفناک وبائی مرض پر قابو پا سکتا ہے۔ اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اندر اس ضروری اور عمدہ خصلت و طاقت کو پیدا کرے، اگرچہ اس میں ظاہری طور پر کچھ وقتی تکلیف ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صبر ایک کڑوی دوا ہے اور ناخوشگوار شربت ہے، مگر نہایت بابرکت اور ہر طرح کی منفعت کا موجب اور ذریعہ ہے اور ہر طرح کی مضرت کو دفع کرتا ہے۔ جب دوا ایسی بابرکت اور نافع ہو تو عقلمند انسان طبیعت پر جبر کر کے بھی ایسی دوا استعمال کرتا ہے اور گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے اور اس کی تلخی اور تیزی کو برداشت کرتا ہے، اور یوں کہتا ہے کہ اس دوا کی تلخی تو ایک گھڑی بھر کے لیے ہے مگر اس کا نفع سالہا سال تک باقی رہنے والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ''صبر'' کا حکم دیا ہے، اور ''صبر'' کے تین شعبے ہیں:

1. ''صبر علی الطاعات''...... یعنی اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر جمائے رکھنا۔
2. ''صبر عن المعاصی''...... یعنی اپنے نفس کو حرام و ناجائز کاموں اور گناہ کی تمام باتوں سے روکنا۔
3. ''صبر فی المصائب''...... یعنی دنیا کی آفتوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا، اور ہر مصیبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر اس پر ثواب کا امیدوار رہنا۔

[1] [منہاج العابدین۔ ص: ۲۹۲: ط: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے صبر کا ایک چوتھا شعبہ بھی بیان فرمایا ہے:

''صبر عن فضول الدنیا''......یعنی دنیا کی لالچ اور یہاں کے مال و اسباب کی طمع سے اپنے نفس کو روکنا۔''

صبر کے بارے میں اس مختصر تمہید سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایمان میں کمال حاصل کرنے کے لیے صبر لازمی ہے۔ چنانچہ دیگر اقوام کی طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بھی اپنے نبی کی زبانی صبر کی تلقین فرمائی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝

''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے، اور اچھا انجام تو متقی لوگوں کا ہے۔''[1]

اس آیت میں ظاہری دشمن ''فرعون'' کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ سے استعانت، صبر اور تقویٰ کی تلقین کی گئی۔ چنانچہ صبر کی اس عظیم خصلت کی بدولت بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۝

''اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدۂ نیک پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے، سب کو ہم نے تباہ کر دیا''[2]

قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے داخلی دشمنوں پر قابو پانے کے لیے بھی صبر کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۝

''اور صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں۔''[3]

[1] [الاعراف:۱۲۸] [2] [الاعراف:۱۳۷] [3] [البقرہ:۴۵]

''علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق (یعنی حق ظاہر ہونے کے بعد) بھی آپ ﷺ پر ایمان نہ لاتے تھے، اس کی بڑی وجہ حُب جاہ اور حُب مال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا۔ صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت اور تذلل آئے گا اور حُب جاہ کم ہو گی۔'' [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''صبر دو طرح کا ہے۔ ایک مصیبت پر، یہ اچھا ہے۔ اس سے زیادہ بہتر وہ ہے کہ (انسان) اللہ تعالیٰ کے محارم سے صبر کرے۔'' [2]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''صبر'' کی تفسیر ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

اَلصَّبْرُ: اَلْحَبْسُ لِلنَّفْسِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ۔

''نفس کو اس کی ناپسندیدہ چیزوں پر روکنا (یعنی جمائے رکھنا) ''صبر'' کہلاتا ہے۔ (یعنی وہ اچھے کام جو نفس پر شاق گزرتے ہیں ان پر ضبط پیدا کرنا)۔'' [3]

''صبر'' کی ایک تفسیر ''روزے'' سے بھی کی گئی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَ قِیْلَ: اَلْخِطَابُ لِلْیَھُوْدِ لِمَا عَاقَھُمْ عَنِ الْاِیْمَانِ الشَّرَہُ وَ حُبُّ الرِّیَاسَۃِ، فَأُمِرُوْا بِالصَّبْرِ وَ ھُوَ الصَّوْمُ لِأَنَّہٗ یَکْسِرُ الشَّھْوَۃَ، وَ الصَّلَاۃِ لِأَنَّھَا تُوْرِثُ الْخُشُوْعَ وَ تَنْفِی الْکِبْرَ۔

''بعض کے نزدیک اس آیت میں یہودیوں کو خطاب ہے، کیونکہ انہیں حرص اور حُب جاہ نے ایمان سے روک رکھا تھا، چنانچہ انہیں ''صبر'' کا حکم دیا گیا جو کہ روزہ ہے، کیونکہ وہ شہوت کو توڑتا ہے، اور ''نماز'' کا حکم دیا گیا، کیونکہ وہ عاجزی پیدا کرتی ہے اور تکبر کو ختم کرتی ہے۔'' [4]

یہودی اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے بتائے ہوئے نسخے ''صبر'' کو اپنا لیتے اور اپنے نفس کے

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۷۰،ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [تفسیر ابن کثیر۔ ج:۱، ص:۲۵۱، ط: دار طیبة]
[3] [تفسیر جلالین۔ص:۱۱، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور] [4] [تفسیر جلالین۔ص:۱۱، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

اندر صبر کی ایمانی قوت کو بھر لیتے تو پھر دنیا و آخرت کے اُونچے مقامات اور کامیابیاں ان کے قدم چومتیں۔ مگر یہودی اعلیٰ درجے کے بے صبرے تھے، انہوں نے صبر کے کسی بھی شعبے کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ آزمائش کے کئی مواقع پر جہاں صبر کی بے حد ضرورت تھی انہوں نے صاف اعلان کر دیا کہ ہم صبر نہیں کر سکتے۔ دیکھئے! قرآن مجید کی یہ آیت:

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَبَصَلِهَاؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِؕ

”اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا، پس آپ اپنے پروردگار سے دعاء کیجیے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اگتی ہیں ہمارے لیے پیدا کرے، انہوں نے کہا بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا، اور (آخر کار) ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی، اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔“[1]

اس آیت میں ان کی بے صبری کے کئی مظاہر کو بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ جہاد کر کے شہر میں داخل ہوں۔ طاقتور دشمن کے سامنے ڈٹ کر لڑنا بھی صبر ہے، مگر انہوں نے بے صبری اور بزدلی دکھائی اور جہاد سے انکار کر دیا، اس کی سزا کے طور پر انہیں ”وادیٔ تیہ“ میں سرگرداں کیا گیا، مگر نبی کے ساتھ ہونے کی برکت سے وہاں بھی کھانے کا اعلیٰ انتظام ”من وسلویٰ“ کی صورت میں کیا گیا۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس کھانے پر صبر کرتے اور اپنے نفس کو مزید خواہشات سے روکتے، تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضی دور ہو اور ”وادیٔ تیہ“ میں بھٹکنے کی آزمائش ختم ہو، لیکن مصیبت اور سزا کے لمحات میں بھی ان کے اندر حرص کروٹیں لینے لگا اور طرح طرح کے کھانے

---

[1] [البقرہ:۶۱]

تناول کرنے کی لالچ سے وہ چپٹنے لگے اور بالآخر نبی کو ستانے لگے کہ ہم سے تو ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا، ہمیں تو زمین سے پیدا ہونے والی ترکاریاں اور دالیں چاہئیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں کھیتی باڑی میں جوت دیا اور آسمانی رزق کی برکات اٹھالیں اور ذلت و مسکنت کو ان پر لازم کر دیا۔ جس طرح چوہا پراٹھے کے ایک ٹکڑے کے حرص میں کھڑکی میں پھنس جاتا ہے، ایسے ہی طرح طرح کی غذائیں کھانے کی حرص نے یہودیوں کو بری طرح پھنسا دیا اور لوگوں کا محتاج بنا دیا۔

یہودیوں کی بے صبری کا ایک اور عبرتناک واقعہ قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

وَ سْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ○

”اور ان سے اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں، اسی طرح ہم نے ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا۔“[۱]

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ہفتے کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ یہودیوں کے کچھ افراد ایک دریا کے کنارے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کے پیمانے کو ناپنے کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ ہفتے کے دن مچھلیاں کثرت سے نظر آتیں اور دریا کی سطح پر تیرتی رہتیں۔ ان لوگوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو حرص اور لالچ کی وجہ سے ان کا نفس چپٹنے لگا اور انہوں نے طرح طرح کے حیلے اختیار کر کے ہفتے کے دن بھی شکار شروع کر دیا، جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل بندر بنا کر ہلاک کر دیا اور ان کے اس واقعے کو قیامت تک کے لیے عبرت بنا دیا۔

لالچ اور حرص کی چوکھٹ پر صبر کو ذبح کرنے کے واقعات سے یہودیوں کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ یہی حال ان کا مصیبت کے وقت بھی تھا کہ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے

---

[۱] [الاعراف: ۱۶۳]

اور حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے فوراً چیخنا چلانا شروع کر دیتے تھے، اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھتے تھے، اور نبی کو (نعوذ باللہ) اپنی مصیبتوں کا سبب قرار دیتے تھے۔ان کی اکثریت کا یہی حال تھا۔البتہ ان میں سے کچھ لوگ صبر کی عظیم اور لازمی خصلت اپنے اندر پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔بنی اسرائیل کا یہی صابر طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہا اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا مستحق بنا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○	''(اہل کتاب میں سے جو لوگ قرآن پر ایمان لائے) ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''[1]

ان کا صبر اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ان کے ہر عمل پر دگنا اجر دینے کا وعدہ فرمالیا۔کیونکہ اسی صبر کی بدولت وہ لوگ تورات اور انجیل کے بعد قرآن مجید پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے رہے۔اور پھر انہوں نے ایمان کے راستے میں آنے والی مشقتوں پر بھی صبر کیا اور سابقہ مذاہب کے ساتھ وابستگی اور قوم کی اکثریت کا مؤقف ان کے صبر و استقلال کو کمزور نہ کرسکا۔ماضی میں بھی بنی اسرائیل کے صرف انہی لوگوں کو قوم کی امامت اور پیشوائی کا مقام ملا جو صبر کی نعمت سے مالا مال تھے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ○	''اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو سیدھی) راہ چلاتے تھے، جب وہ صبر کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''[2]

اس آیت مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ بنی اسرائیل کے صرف انہی علماء کو امامت اور پیشوائی کا مقام ملا جن میں دو صفتیں تھیں، ایک ''صبر'' اور دوسری ''یقین''۔صبر سے مراد ''عملی

[1] [القصص:۵۴] [2] [السجدہ:۲۴]

کمال‘‘ اور یقین سے مراد ’’علمی کمال‘‘ ہے۔ پس جس عالم میں یہ دونوں کمال ہوں گے وہی عالم اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہوگا اور اسی عالم کے ذریعے سے دنیا میں نور ہدایت پھیلے گا۔

’’علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

بِالصَّبْرِ وَ الْیَقِیْنِ تُنَالُ الْاِمَامَةُ فِی الدِّیْنِ۔

’’صبر اور یقین ہی کے ذریعے دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔‘‘[1] علیہم الصلوٰۃ والسلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو صبر کا حکم دیا۔ ان میں سے بعض نے اس حکم کو مانا اور اپنے اندر صبر کی خوبصورت خصلت کو پیدا کیا۔ یہی لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث، دین کے علمبردار اور حق کے راستے کے رہنما بنے۔ ان لوگوں نے انجیل کی بھی تصدیق کی اور جب اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید نازل ہوئی تو اسی طبقے کے موجود افراد نے فوراً اسے پہچان لیا اور بلا تاخیر اسے مان لیا۔ لیکن یہودیوں کی اکثریت نے اپنے اندر صبر کی خصلت کو پیدا نہیں کیا، بلکہ وہ حرص اور بے صبری کے مرض میں مبتلاء ہوگئے، اور اس حرص اور بے صبری نے انہیں نہ دنیا کا چھوڑا نہ آخرت کا۔ اس بارے میں پیچھے جن دو مثالوں کو ذکر کیا گیا ہے وہ یہودیوں کی بے صبری کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

اسلامی دعوت

اسلام میں صبر کی بہت زیادہ تاکید و تلقین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور عبادت میں پختگی کے لیے ’’صبر عظیم‘‘ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ’’عبادت‘‘ کہتے ہیں ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کو اور ایمان کی مخالف چیزوں سے بچنے کو، تو جب تک انسان اپنی جان کو مصائب و تکالیف برداشت کرنے کا عادی نہیں بنائے گا، اور اپنے نفس کو نیکیوں پر ہر حال میں ڈٹے رہنے اور گناہوں سے بچے رہنے کا خوگر نہیں بنائے گا، اس وقت تک عبادت کے میدان میں کس طرح سے کامیاب ہوسکتا ہے؟ اسی لیے قرآن و حدیث میں

[1] [تفسیر ابن کثیر ج:۶، ص:۳۷۲، ط: دار طیبہ]

صبر کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اس کی تمام اقسام اور بے شمار فوائد کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور اپنے اندر صبر پیدا کرنے کا بہترین طریقہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ نے صبر پر جو فضائل و فوائد بیان فرمائے ہیں، ان میں یقین کے ساتھ غور کیا جائے، اور خود کو ان فضائل و فوائد کا مستحق بنانے کی کوشش کی جائے۔ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور طاقت پر جتنا زیادہ یقین اور بھروسہ ہوگا وہ شخص اسی قدر اعلیٰ درجے کے صبر پر فائز ہوگا۔

پس جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا، بلکہ وہ تو محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ محبت اپنے بندے سے فرماتا ہے۔ جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اٹل ہے اور موت کا وقت مقرر ہے اور وہ ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو روزی اس کی قسمت میں لکھی گئی ہے وہ اسے مل کر رہے گی۔ جس آدمی کو یقین ہو کہ اس نے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، وہ آدمی بے صبری کے مرض سے محفوظ رہتا ہے، اور حالات جیسے بھی ہو جائیں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی پر قائم و دائم رہتا ہے، اور بڑی سے بڑی مصیبت، مال و دولت کے انبار، آنکھیں مارتے اور دل کو للچاتے گناہ اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے صبر کو "عَزْمِ الْاُمُوْرِ" یعنی "ہمت کا کام" (مردوں کا شیوہ) قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○	"تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔"[1]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"تو گویا اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرما رہا ہے کہ اپنی جانوں کو مصائب و تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنالو۔ اگر تم ان مصائب میں صبر کرو گے تو واقعی تم مردانگی کا ثبوت دو گے اور واقعی تمہارے ارادے مردوں والے ہوں گے۔"[2]

[1] [آل عمران:۱۸۶]　　[2] [منہاج العابدین۔ ص: ۲۷۱: ط: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت]

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سارے کے سارے صبر کے اعلیٰ مقامات پر فائز تھے۔ ان حضرات میں سے بھی جن کو صبر میں فضیلت حاصل تھی ان کو ''اولوا العزم رسول'' کا خطاب دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

''پس جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ بھی صبر کریں اور ان کے لیے (عذاب) جلدی نہ مانگیں۔'' [1]

قرآن مجید میں صبر کے بہت سے فضائل وفوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ اگر ان سب کا احاطہ کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہم صرف چند فوائد پر ہی اکتفاء کرتے ہیں:

1. صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ○

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' [2]

چونکہ صابر آدمی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی پر جما رہتا ہے اور کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ سے منہ نہیں موڑتا تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندے کو اپنا خصوصی قرب اور اپنی خصوصی معیت اور نصرت عطاء فرماتا ہے۔ مؤمن اور مشرک میں ایک بڑا اور طبعی فرق یہ ہے کہ مشرک جن کی پوجا کرتا ہے ان سے اسے کچھ دنیاوی اغراض ہوتی ہیں، چنانچہ اگر پوجا پاٹ کرنے کے باوجود غرض پوری نہ ہو تو مشرک اپنے اس معبود سے ناراض ہو کر کوئی اور بت یا کوئی اور قبر اور آستانہ ڈھونڈتا ہے، لیکن مؤمن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ ظاہری طور پر اس کی حاجتیں پوری ہوں یا نہ ہوں۔ مؤمن کو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے بیمار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے بدگمان نہیں ہوتا، بلکہ اسی کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اسے بھوکا اور پیاسا رکھے یا اسے کسی مصیبت میں مبتلاء کر دے یا زخم لگا دے یا اسے قید و بندگی

[1] [الاحقاف:۳۵] [2] [البقرہ:۱۵۳]

صعوبتوں میں ڈال دے، مؤمن یہ جانتے ہوئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے اور اسی کے آگے سجدے کرتا ہے اور اسی کے گن گاتا ہے اور اسی کے نام کو رٹتا ہے اور اسی کے احکام پر جان دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ظلم نہیں فرماتا، اور اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں سب کچھ ہے اور میں تو بندہ ہوں، غلام ہوں، میرا کام تو آقا کی اطاعت کرنا ہے، اور جس حال میں مالک رکھے اسی میں میں نے خوش رہنا ہے۔ پس بندۂ مؤمن کو جب یہ کیفیتِ صبر نصیب ہوتی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی محبت اور نصرت کے ساتھ ہمیشہ اپنے پاس پاتا ہے۔ تب اسے اپنی مصیبت بھی اچھی لگتی ہے، کیونکہ یہ مصیبت محبوب کے قرب کا ذریعہ بن جاتی ہے ؎

مرض عشق کا کیا مبارک مرض ہے
عیادت کو کیا کیا حسین آ رہے ہیں

(۲) صبر کی بدولت اللہ تعالیٰ کی عمومی اور خصوصی رحمتیں اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

’’اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے، پس صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دیجیے۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خاص خاص رحمتیں ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی، اور یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔‘‘[۱]

’’اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ‘‘ کا ایمان افروز جملہ اظہارِ وفاداری بھی ہے اور دل کے

[۱] [البقرہ: ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷]

زخموں کا علاج بھی۔ کیونکہ عام طور پر مصیبت کے وقت انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اور طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات دیوانگی کی حالت تک جا پہنچتا ہے۔ لیکن صابر آدمی مصیبت کی المناک گھڑیوں میں بھی ''اِنَّا لِلّٰہِ'' کہہ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ ''یا اللہ! میں سب کچھ بھول سکتا ہوں، مگر تجھے نہیں بھلا سکتا اور نہ میں اس بات کو بھول سکتا ہوں کہ میں تیرا بندہ ہوں، پس ان مشکل لمحات میں بھی جیسے بھی بن پڑا تیری بندگی کا حق نبھاؤں گا، کیونکہ بالآخر مجھے تیرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔'' یہ تو ہوا وفاداری کا اظہار جبکہ ''اِنَّا لِلّٰہِ'' دل کے زخموں کا علاج بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ غم اور مصیبت کے وقت انسان ایک طرح کی تنہائی اور بے بسی محسوس کرتا ہے اور اسے کسی سہارے، کسی مددگار اور کسی انیس کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ جب بندۂ مؤمن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو فوراً کہتا ہے: ''اِنَّا لِلّٰہِ'' کہ میں تنہا نہیں ہوں، میرا محبوب حقیقی میرے ساتھ ہے، میں بے بس نہیں ہوں، میرا مولیٰ، میرا مالک، میرا مددگار ہے، وہی میرا سہارا ہے اور وہی میرا انیس ہے۔ پس غمزدہ آدمی ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' کے مبارک کلمات کے ذریعے سے عشق الٰہی کی سکون آور آغوش میں پناہ لے لیتا ہے اور یوں اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے اور اسے تنہائی اور بے بسی کا احساس بھی نہیں ستاتا۔ ادھر غمزدہ اور مصیبت زدہ بندہ روتے ہوئے بلکتے ہوئے، معصوم بچے کی طرح عشق الٰہی کی آغوش محبت کی طرف دوڑتا ہے تو رحمت الٰہی آگے بڑھ کر اسے سینے سے چمٹا لیتی ہے اور اس پر ہدایت و رحمت کے ایسے بوسے نچھاور کرتی ہے کہ وہ سارے غم بھول جاتا ہے اور ایک نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ بے شک! سچ کہا کہنے والوں نے کہ ''صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔''

اَلصَّبْرُ كَاسْمِهٖ مُرٌّ مُذَاقَتُهٗ ◄ لٰكِنْ عَوَاقِبُهٗ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ

صبر اپنے نام کی طرح کڑوا ہوتا ہے ◄ لیکن اس کا انجام شہد سے بھی میٹھا ہوتا ہے

(۳) صبر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ○

’’اور بہت سے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سارے اللہ والے (اللہ کے دشمنوں سے) لڑتے ہیں تو جو مصیبتیں ان پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں واقع ہوئیں ان کے سبب انہوں نے نہ ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی نہ (کافروں سے) دبے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔‘‘[1]

یہاں صبر سے جہاد میں اور کافروں کے مقابلے میں ’’ثابت قدمی‘‘ مراد ہے، جو صبر کا ایک عظیم شعبہ ہے۔ حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’یعنی (ان اللہ والوں نے) مصائب وشدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی، نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا۔ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب وشدائد میں اس قدر صبر واستقلال کا ثبوت دیا تو اس امت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر واستقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔‘‘[2]

اللہ تعالیٰ نے ’’وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ‘‘ فرما کر ’’صابرین‘‘ سے اپنی خصوصی محبت کا اعلان فرمادیا اور اپنی محبت کا شربت پلا کر ان کی محنت، جفاکشی، تکالیف اور تھکاوٹوں میں ان کے لیے سکون کا سامان کردیا۔

(۴) صبر کی بدولت دین کی امامت اور پیشوائی کا مقام نصیب ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت ملتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۟ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ○

’’اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے سیدھی راہ چلاتے تھے، جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔‘‘[3]

اس آیت مبارکہ کی مختصر تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

[1] [آل عمران:۱۴۶] [2] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱ص:۳۳۰،ط: دارالاشاعت، کراچی] [3] [السجدہ:۲۴]

۵ صبر کے ذریعے سے انسان کو خیر اور بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○	’’اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘[1]

اپنی شہوت کو قابو میں رکھنا اور شادی وغیرہ کے معاملات میں اپنی وقتی خواہشات کو ضبط کر کے زیادہ بہتری کی صورت اختیار کرنا بھی صبر ہے اور اس صبر کو سراسر خیر قرار دیا گیا ہے۔ عام طور پر لوگ شہوت کے وقت بے قابو ہو جاتے ہیں اور شادی وغیرہ کے معاملے میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اس خیر عظیم سے محروم ہو جاتے ہیں جو صبر کی صورت میں ملتی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ○	’’اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔‘‘[2]

جب بھی کوئی شخص دعوت و تبلیغ کے میدان میں اترتا ہے تو اسے گمراہی کے سوداگروں کی طرف سے طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اب شریعت نے اس بات کا اختیار دیا ہے کہ اگر طاقت ملنے کے بعد تم ان سے بدلہ لینا چاہو تو برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، لیکن اگر تم نے صبر کیا تو اس میں بڑی خیریں پوشیدہ ہیں، کیونکہ اس کے ذریعے سے تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہو جائے گی اور تمہارا شمار صابرین میں ہوگا۔ یوں دعوت بھی زیادہ پھیلے گی اور تمہیں بھی زیادہ اجر ملے گا۔ البتہ جہاد کا حکم اس کے ہرگز منافی نہیں ہے، کیونکہ جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ خود ایک دعوت اور بہت بڑا صبر ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْعُلَمَاءِ۔

۶ صبر کرنے والوں کے لیے بہترین اجر کا وعدہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] [النساء:۲۵] [2] [النحل:۱۲۶]

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجۡزِيَنَّ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ○	’’جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔‘‘[1]

آج دنیا کی تھوڑی سی تنخواہ، مزدوری اور اُجرت کی خاطر لوگ کیا کیا تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور کس کس طرح کی پابندیاں برداشت کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سپاہیوں اور فوجیوں کو دیکھا کہ وہ گرمیوں کے موسم میں گرم وردی اور گرم لوہے کی ٹوپیاں پہن کر گھنٹوں ایک حالت میں کھڑے رہتے ہیں اور اپنا جسم تک نہیں کھجاتے۔ یہ سب کچھ تھوڑی سی تنخواہ کی خاطر کیا جاتا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کے عظیم خزانوں سے بہترین اجر پانے کے لیے انسان خود کو پابند نہیں کرسکتا؟ اور ضبط نفس کا مظاہرہ نہیں کرسکتا؟ بے شک جو لوگ آخرت کی زندگی کو اصل سمجھتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والے عظیم اجر کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہے، وہ اس موقع پر صبر کرتے ہیں جہاں شریعت ان سے صبر کا تقاضا کرتی ہے۔

٧ صابرین کے لیے جنت کے اونچے اونچے بالاخانوں اور فرشتوں کی طرف سے خوش آمدید اور سلام کی بشارت ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَ يُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا○	’’ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعاء وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔‘‘[2]

صبر اونچی صفت ہے، اس کا بدلہ بھی اونچا ہے۔ صابر آدمی دنیا میں بھی بلند اور آخرت میں بھی بلند ہے۔ پھر چونکہ صابر آدمی اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے، اس لیے فرشتے بھی اس سے پیار کرتے ہیں اور وہ قیامت کے دن جوق در جوق اس کے استقبال کے لیے آئیں گے۔

---

[1] [النحل:٩٦] [2] [الفرقان:٧٥]

(۸) صبر ہی کی بدولت انسان کو وہ اچھی خصلتیں اور عادتیں نصیب ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ ''دعوت الی اللہ'' کے اہم فریضے کو بحسن وخوبی اداء کرسکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○	''یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر (یعنی برداشت) کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہیں۔''[1]

پچھلی آیات میں دعوت الی اللہ کی فضیلت اور اہمیت کا بیان اور داعی کے لیے بعض ضروری صفات کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ عظیم صفات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں جو صبر کرنے والے اور بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ پس وہ شخص جو برداشت کرنے اور سہارنے کی طاقت کے بغیر دعوت دینے نکل کھڑا ہوتا ہے، وہ اس مبارک میدان میں زیادہ دیر نہیں چل سکتا، بلکہ ذاتیات میں پڑ کر اپنے اصلی مقصد کو بھول جاتا ہے، اور بعض اوقات فتنوں کا شکار ہوجاتا ہے، کیونکہ داعی کے ساتھ کئی لوگ ہمیشہ برائی سے پیش آتے ہیں اور بعض لوگ اسے مال اور عزت کی لالچ دے کر پھسلاتے ہیں اور بعض اوقات شیطان اسے خود رائی اور دکھلاوے میں مبتلاء کردیتا ہے۔ ایک داعی میں اگر صبر کی صفت نہ ہو تو وہ کس کس کا مقابلہ کرے گا۔

(۹) صبر کے بدلے جنت کا ریشم ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ○ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ○	''اور (اللہ تعالیٰ) ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطاء فرمائے گا۔ ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔[2]

وہ بیٹا جو اپنی ماں کی خاطر سارا دن دھوپ میں مزدوری اور نوکری کرتا ہے، جب شام کو پیسے

[1] [حم السجدہ:۳۵] [2] [الدہر:۱۲،۱۳]

لے کر ماں کے پاس لوٹتا ہے تو ممتا کی محبت بیٹے کی وفاداری، خدمت اور تکلیف کو دیکھ کر جوش مارتی ہے اور ماں اپنے بیٹے کو نرم سے نرم بستر بچھا کر بٹھاتی ہے اور اسے کھانے پکا پکا کر کھلاتی ہے اور محبت کے مارے اس پر واری جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ماں کی بنسبت اپنے بندوں پر بہت زیادہ شفیق ہے، بس وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کرتا ہے اور عبادت میں خود کو تھکاتا ہے، گناہوں سے بچنے کی مشقت برداشت کرتا ہے، اور دنیا کے غم اور مصیبتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کے ساتھ سہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لیے میدان جہاد میں ڈٹ کر لڑتا ہے اور ہر پہلو پر زخم کھاتا ہے، یہ بندہ جب مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے تو پھر اس کی تھکاوٹوں اور تکلیفوں اور غموں کو دور کرنے کے لیے محبوب حقیقی نے جو انتظام فرمایا ہے، مذکورہ بالا آیات میں اسی کی ایک جھلک کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) صبر کی بدولت انسان دشمنوں کے شر اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّكُمۡ كَیۡدُهُمۡ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ۝

”اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو ان (دشمنوں) کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔“[۱]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال گزرے کہ جب ہم ان (دشمنوں) سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آ کر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہوگا۔ جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان

[۱] [آل عمران: ۱۲۰]

کا تار پود بکھیر کر رکھ دے۔ تم اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صاف رکھو، پھر تمہارے راستہ سے سب کانٹے صاف کر دیئے جائیں گے۔"[1]

(۱۱) صبر ہی کی بدولت اپنے سے طاقتور دشمن پر جہاد میں فتح نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝	"اے نبی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے، اگر تم میں بیس آدمی صابر (یعنی ثابت قدم رہنے والے) ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے، اس لیے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ تم میں کسی قدر کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صابر (یعنی ثابت قدم رہنے والے) ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور ایک ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔"[2]

یہاں صبر سے مراد "قوت قلبی" ہے اور یہی قوت قلبی تائید الٰہی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں اپنے سے کئی گنا زیادہ اور طاقتور دشمن پر غالب کرنے میں مددگار بنتی ہے۔

(۱۲) صبر وہ صفت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی تعریف فرماتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝	"بے شک ہم نے ان کو صبر کرنے والا پایا، بہت خوب بندے تھے، بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔"[3]

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۳۱۵،ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [الانفال:۶۵،۶۶] [3] [ص:۴۴]

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان کے مثالی صبر پر تعریف فرمائی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا۔ گھر والے ہلاک ہوگئے، مال مویشی اور گھر بار تباہ ہوگئے، دوست، احباب سب بچھڑ گئے، اور طرح طرح کی بیماریوں نے جسم پر حملہ کر دیا، سوائے ایک بیوی کے کوئی بھی ساتھ نہ رہا، مگر صبر کا دامن تب بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر دل و جان سے راضی رہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے مصیبتیں دور ہونے کی التجاء کرتے رہے، بالآخر صبر کا میٹھا پھل ظاہر ہوا، اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور پہلے سے دگنی نعمتیں عطاء فرمادیں، اور ان کے واقعے کو ایک ''یادگار'' بنا دیا کہ دنیا میں جب کسی اللہ کے بندے پر مصیبت آئے تو وہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صبر و استقلال کو یاد کرے اور ان کی پیروی کرے، تب وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے گا اور بالآخر اس کی تنگیاں وسعتوں میں اور مصیبتیں راحتوں میں بدل جائیں گی۔

(۱۳) صبر کرنا اور صبر کی نصیحت کرنا ان صفات میں سے ہے جن کی بدولت انسان ہر طرح کے خسارے اور نقصان سے بچ سکتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

''اور قسم ہے زمانے کی! تحقیق تمام کے تمام انسان خسارے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔'' [۱]

انسان کو آخرت کی تیاری کے لیے چھوٹی سی زندگی ملی اور یہ زندگی بغیر رکے گزرتی جاتی ہے اور اس میں ایک لمحہ برابر مہلت نہیں ملتی۔ پس عام لوگ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو فضول کاموں اور گناہوں میں گزار کر بڑے سخت خسارے اور گھاٹے میں جا پڑے ہیں۔ البتہ چار کام ایسے ہیں جن میں انسان کا جتنا وقت گزرے گا وہ وقت بہت قیمتی بن جائے گا اور اس وقت کا گزرنا انسان کے لیے ندامت اور خسارے کا باعث نہیں بلکہ سعادت اور کامیابی

[۱] [العصر، پارہ:۳۰]

کا باعث بنے گا۔ وہ چار کام یہ ہیں:

۱	ایمان	۲	نیک اعمال
۳	حق کی دعوت	۴	ایک دوسرے کو صبر و استقامت کی تلقین

حقیقت میں ان چاروں کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ذریعہ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی تفسیر بہت دلچسپ اور ایمان افروز ہے، مگر یہاں اس کے بیان کا محل نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ چار اعمال جن پر انسانیت کی فلاح کا مدار ہے، صبر اور اس کی تاکید و تلقین بھی انہی میں سے ایک ہے۔ پس اسی سے صبر کی اہمیت، ضرورت اور فضیلت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۴ صبر ''اَبْوَابُ الْبِرّ'' میں سے ہے، یعنی صبر ان نیکیوں میں سے ہے جن کی بدولت انسان کا شمار صادقین اور متقین میں ہوتا ہے اور انہی نیکیوں کی بدولت انسان کے دعویٰ ایمان کو سچا سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

''اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور (دشمنوں سے جہاد میں) لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں، اور یہی لوگ ہیں پرہیزگار۔''[1]

اس آیت مبارکہ کے آغاز میں اور بھی کئی نیکیوں کا تذکرہ ہے، جن کا تعلق عقیدے، اعمال اور اخلاق کے ساتھ ہے۔ ان نیکیوں کے آخر میں صبر کو بیان فرما کر آخر میں یہ بشارت سنا دی گئی کہ جو شخص ان تمام نیکیوں کو اختیار کرے گا اسی کا دعویٰ ایمان سچا ہو گا اور ایسے شخص کو تقویٰ کی دولت بھی نصیب ہو گی۔

۱۵ صبر کی صفت کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت حاصل کرتا ہے، جیسا کہ

[1] [البقرۃ:۱۷۷]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○	’’اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلاؤ، اور اس میں ان لوگوں کے لیے جو صابر و شاکر ہیں نشانیاں ہیں۔‘‘[1]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○	’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی سے کشتیاں دریاؤں میں چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے، بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘[2]

یعنی صبر و شکر کی صفات انسان میں بیداری پیدا کر دیتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے واقعات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ظالموں کے انجام کو دیکھ کر عبرت پکڑتا ہے اور برائیوں سے بچتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○	’’انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘[3]

چونکہ صبر و شکر کا فقدان ہی قوموں کو بدترین تباہی کی طرف لے جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کرنے والے ’’شاکرین‘‘ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے رہنے والے ’’صابرین‘‘ ہی ظالموں کے انجام سے سبق لیتے ہیں، اور صبر و شکر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے تباہی اور بربادی سے محفوظ رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں صبر کا بیان بہت تفصیلی ہے۔ ہم ان پندرہ فضائل و فوائد پر اکتفاء کرتے

[1] [ابراهيم:۵] [2] [لقمان:۳۱] [3] [سبا:۱۹]

ہوئے اب ایک نظر حضور اکرم ﷺ کی مبارک احادیث پر ڈالتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی امت کو اپنے اندر ''صفت صبر'' پیدا کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے اور صبر کے مختلف شعبوں کی اہمیت کو اپنے اثر انگیز جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ آئیے! صبر کے بارے میں چند احادیث مبارکہ پڑھتے ہیں:

(۱) صبر روشنی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ۔

''اور صبر روشنی ہے۔''[۱]

یعنی صبر وہ ''روشنی'' ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور اسے کامیابی کے ایسے راستے سجھاتا ہے جن پر چل کر انسان ناکامی سے بچتا ہے۔ پس جو شخص صبر سے محروم ہے وہ روشنی سے محروم ہے۔ ایسا شخص اپنے نفس کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے اور صراط مستقیم سے بہت دور جا گرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(۲) صبر حاصل کرنے کا طریقہ۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ۔

''اور جو صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطاء فرمادے گا۔''[۲]

اگر انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمت اور خوشی کے ساتھ صبر کا کڑوا گھونٹ پی لے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے اپنے غموں کی شکایت نہ کرے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ صبر عطاء فرما دیتا ہے۔ یعنی اس کے دل کو مطمئن کر دیتا ہے اور صبر کی جزا دنیا و آخرت میں اسے عطاء فرما دیتا ہے۔

---

[۱] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۲۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[۲] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۷۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

(۳) صبر میں خیر ہی خیر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔

''مؤمن کا معاملہ بھی عجیب (یعنی باعث فرحت) ہے۔ اس کے ہر معاملے میں خیر ہی خیر ہے اور یہ صرف مؤمن ہی کی خصوصیت ہے۔ جب اسے خوشی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہوگئی، اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ (بھی) اس کے لیے خیر ہوگئی۔''[1]

یعنی اصل ایمان والا وہی ہے جسے نہ تو اچھے حالات اللہ تعالیٰ کے احکامات سے باغی اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے ہیں اور نہ برے حالات اسے مایوسی اور بدگمانی میں مبتلاء کرتے ہیں، بلکہ وہ تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ رہتا ہے، خواہ اس کے قبضے میں سونے چاندی کے ڈھیر ہوں یا بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہوں۔

(۴) صبر کا بہترین وقت۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى۔

''صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے۔ (یعنی اصل صبر وہ ہے جو غم کے پہلے جھٹکے کے وقت کیا جائے)۔''[2]

یہ جامع الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کی تربیت کے لیے ارشاد فرمائے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو ایک قبر کے نزدیک بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو۔'' اس عورت

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۹۹۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۲۸۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

نے (حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں پہچانا اور) کہا: ''مجھے چھوڑ دیجئے، کیونکہ مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر نہیں آئی اور آپ میری مصیبت کو نہیں جانتے۔'' بعد میں اس عورت کو بتایا گیا کہ وہ (جو تجھے نصیحت فرما رہے تھے) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔ وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر پر حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تھے۔ اس عورت نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے۔''[1]

⑤ خوف کے وقت صبر۔

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَّقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا، يَعْلَمُ أَنَّهٗ لَنْ يُّصِيْبَهٗ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ، إِلَّا كَانَ لَهٗ مِثْلُ أَجْرِ الشَّهِيْدِ۔

''جو شخص طاعون کے پھیل جانے کے وقت اپنے شہر میں صبر (اور اجر کی اُمید) کے ساتھ رکا رہے گا اور اس بات کا یقین رکھے گا کہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے تو ایسے شخص کو شہید کے اجر جیسا ثواب ملے گا۔''[2]

⑥ کسی محبوب کی موت کے وقت صبر۔

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ، إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ، إِلَّا الْجَنَّةُ۔

''میرے پاس میرے اس بندۂ مؤمن کی جزا ''جنت'' کے سوا کچھ نہیں، جس کے دنیا میں کسی پیارے کو میں اٹھالیتا ہوں اور وہ اجر کی امید پر صبر کرتا ہے۔''[3]

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۲۸۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۷۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۲۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

⑦ معذوری میں صبر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ قَالَ: إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ۔ يُرِيْدُ: عَيْنَيْهِ۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں کسی بندہ سے اس کی دو پیاری چیزیں (یعنی آنکھیں) لے لیتا ہوں پھر وہ صبر کرتا ہے تو میں اسے ان دو آنکھوں کے بدلے جنت عطاء فرمادیتا ہوں۔''[1]

⑧ تکلیف میں صبر۔

ایک روایت میں آیا ہے:

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ:

أَلَا أُرِيْكَ امْرَأَةً مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلٰى! قَالَ: هٰذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَتْ: إِنِّيْ أُصْرَعُ وَإِنِّيْ أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ لِيْ۔ قَالَ: إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُّعَافِيَكِ۔ فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّيْ أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ لِيْ أَنْ لَّا أَتَكَشَّفَ، فَدَعَا لَهَا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مجھ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''کیا میں آپ کو ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا: ضرور۔ انہوں نے فرمایا: ''یہ کالی خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھ پر مرگی (بیہوشی) کا دورہ پڑتا ہے اور بے ہوشی کے وقت میرا جسم کھل جاتا ہے، آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے (صحت کی) دعاء فرمادیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم چاہو تو صبر کرو، اس پر تمہیں جنت ملے گی اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کر دیتا ہوں کہ وہ تمہیں صحت دے۔'' اس عورت نے کہا: ''میں صبر کرتی ہوں۔'' پھر اس نے عرض کیا کہ ''بے ہوشی میں

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۶۵۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

میرا جسم کھل جاتا ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ ایسا نہ ہو۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعاء فرمادی۔"[1]

⑨ دعوت الی اللہ کے راستے میں آنے والے مصائب پر صبر۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، يَحْكِيْ نَبِيًّا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، ضَرَبَهٗ قَوْمُهٗ فَأَدْمَوْهُ، وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَيَقُوْلُ:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔"

"گویا کہ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک نبی کا حال بیان فرمارہے تھے کہ قوم نے اس نبی کو اس قدر مارا کہ وہ خون میں لت پت ہوگئے، اور وہ اپنے چہرے سے خون کو صاف کرتے ہوئے فرمارہے تھے:

"اے میرے پروردگار! میری قوم کو بخش دے، کیونکہ یہ انجان ہیں۔"[2]

⑩ بیماری میں صبر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكَيْنِ، فَقَالَ: اُنْظُرَا مَاذَا يَقُوْلُ لِعُوَّادِهٖ؟ فَإِنْ هُوَ إِذَا جَاءُوْهُ حَمِدَ اللّٰهَ رَفَعَا ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ أَعْلَمُ، فَيَقُوْلُ: لِعَبْدِيْ عَلَيَّ إِنْ تَوَفَّيْتُهٗ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَإِنْ أَنَا شَفَيْتُهٗ أَنْ أُبْدِلَ لَهٗ لَحْمًا خَيْرًا مِنْ لَحْمِهٖ، وَدَمًا خَيْرًا مِنْ دَمِهٖ، وَأَنْ أُكَفِّرَ عَنْهُ سَيِّئَاتِهٖ۔

"جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتے ہیں پس وہ کہتے ہیں دیکھو! وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ جب عیادت کرنے والے اس کے پاس آتے ہیں، تب اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ تک یہ بات پہنچاتے

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۶۵۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۴۷۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ (خود) زیادہ بہتر جانتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر میرے بندے کا یہ حق ہے کہ اگر میں نے اسے وفات دی تو اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر شفاء دے دی تو اسے اس کے پہلے گوشت وخون سے بہتر گوشت وخون عطاء کروں گا اور اس کی برائیوں کو معاف کر دوں گا۔"[1]

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، أَنَّهٗ عَادَ مَرِيْضًا وَ مَعَهٗ أَبُوْهُرَيْرَةَ، مِنْ وَعْكٍ كَانَ بِهٖ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

أَبْشِرْ! فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: هِيَ نَارِيْ أُسَلِّطُهَا عَلٰى عَبْدِي الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا لِتَكُوْنَ حَظَّهٗ مِنَ النَّارِ فِي الْآخِرَةِ۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخار میں مبتلاء ایک مریض کی عیادت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابو ہریرہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مریض سے) ارشاد فرمایا:

"تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ (بخار) میری آگ ہے، جسے میں دنیا میں اپنے بندے پر اس لیے مسلط کرتا ہوں تا کہ آخرت میں اس کے حصے کی آگ کا (بدل) ہو جائے۔"[2]

۱۱ لوگوں کی باتوں پر صبر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر جب مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو بعض لوگوں نے اس تقسیم پر کچھ اعتراضات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ (غصے سے) سرخ ہو گیا، مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضبط فرما کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

فَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى قَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔

---

[1] [مؤطا امام مالک۔ رقم الحدیث: ۱۷۰۱، ط: مکتبۃ البشری، کراتشی]

[2] [سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۳۴۷۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''اگر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انصاف نہیں کرتے تو پھر کون انصاف کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر کہ انہیں اس سے بھی زیادہ ایذاء پہنچائی گئی مگر انہوں نے صبر کیا''۔[1]
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صبر کو یاد فرما کر لوگوں کی باتوں پر صبر فرمایا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَ إِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَ مَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔

''اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو انہیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے، بس جو راضی رہتا ہے (یعنی صبر کرتا ہے) تو اس کے لیے (اللہ تعالیٰ کی) رضا ہے، اور جو ناراض ہوتا ہے (یعنی بے صبری کرتا ہے) اس کے لیے (اللہ تعالیٰ کی) ناراضی ہے''۔[2]

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى، شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ، كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

''جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے، کانٹا چبھنے کی یا اس سے زیادہ، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی برائیوں کو مٹا دیتے ہیں، (اور اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں) جس طرح درخت اپنے پتے گراتا ہے''۔[3]

ایک اور روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ۔

''اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے مصیبت میں مبتلاء فرما دیتے ہیں''۔[4]

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۱۵۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۹۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[3] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۶۴۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[4] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۶۴۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَوَلَدِهٖ وَمَالِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ۔

''ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت پر برابر آزمائشیں آتی رہتی ہیں، اس کی جان، اس کی اولاد اور اس کے مال میں، یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے تو اس پر کوئی گناہ (باقی) نہیں ہوتا۔''[1]

(۱۳) غصے میں صبر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

''طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے، (بلکہ) طاقتور تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اُوپر قابو رکھے (یعنی صبر کرے)۔''[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ أَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔

''جس نے غصے کو نافذ کرنے (یعنی انتقام لینے) پر قدرت کے باوجود اسے دبایا (اور صبر کیا) تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ حورعین میں سے جسے چاہے لے لے۔''[3]

(۱۴) اپنے حقوق کے بارے میں صبر کرنا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو فرمایا:

سَتَكُوْنُ أَثَرَةٌ وَأُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا۔

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۹۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۱۱۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۴۹۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

قَالُوْ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ:

"تُؤَدُّوْنَ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَیْکُمْ وَتَسْأَلُوْنَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَکُمْ۔"

"میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی اور ایسے کام بھی ہوں گے جنہیں تم برا جانو گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "(ان حالات میں) آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم وہ حقوق اداء کرتے رہنا جو تمہارے ذمے ہیں اور اپنے حقوق کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا۔" [1]

۱۵ جہاد میں صبر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَیُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَ سَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَةَ، فَإِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا، وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ۔

"اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر (یعنی استقلال) کے ساتھ لڑو اور جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔" [2]

جہاد میں صبر و استقامت کے فضائل اور ضرورت پر وارد ہونے والی احادیث بہت زیادہ ہیں، کیونکہ مجاہد کے لیے صابر ہونا ضروری ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "فضائل جہاد"، تلخیص "مشارع الاشواق"۔

۱۶ صابرین کے لیے "بیت الحمد"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰہُ لِمَلَآئِکَتِهٖ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَیَقُوْلُ: قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَیَقُوْلُ: مَاذَا قَالَ

[1] [صحیح البخاری۔ حدیث رقم: ۳۶۰۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۹۶۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

عَبْدِیْ ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: حَمِدَكَ وَ اسْتَرْجَعَ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ: اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ، وَسَمُّوْهُ بَیْتَ الْحَمْدِ۔

''جب کسی کا بچہ انتقال کرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: ''تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ''جی ہاں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم نے اس کے دل کے پھل کو چھین لیا؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ''جی ہاں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میرے بندے نے کیا کہا؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ''اس نے آپ کی حمد بیان کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھی۔'' اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام 'بیت الحمد' رکھ دو۔'' [1]

حدیث شریف میں صبر کے اور بھی فضائل وفوائد بیان فرمائے گئے ہیں۔ ہم فی الحال انہی سولہ فوائد پر اکتفاء کرتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''صبر تین طرح پر ہے۔ ایک تو ''اللہ کے لیے'' اور وہ اس طرح کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے، جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہے۔ دوسرا صبر ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ'' ہوتا ہے، یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صابر وشاکر رہے۔ تیسرا صبر ''اللہ تعالیٰ پر'' ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے روزی دینے، مددگار ہونے اور آخرت کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اس پر صبر کے ساتھ انتظار کرے۔'' [2]

صبر کس قدر اعلیٰ نعمت اور کس قدر عظیم خصلت ہے؟ اس کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبارک الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَمَا أُعْطِیَ أَحَدٌ عَطَاءً خَیْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔

''کسی انسان کو صبر جیسی بھلی اور کشادہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔'' [3]

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۰۲۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [غنیة الطالبین۔ ج: ۲، ص: ۳۲۷، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت]

[3] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۴۶۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں اور عطائیں نصیب ہوئی ہیں ان میں سے سب سے بہتر اور سب سے کشادہ نعمت صبر ہے۔

ایک عجیب نکتہ

پیچھے گزر چکا ہے کہ بعض مفسرین حضرات رحمۃ اللہ علیہم نے ''صبر'' کی تفسیر ''روزہ'' سے کی ہے اور بعض روایات میں صبر کو ''نصف ایمان'' اور روزہ کو ''نصف صبر'' قرار دیا گیا ہے۔ (کما فی احیاء العلوم للغزالی رحمۃ اللہ علیہ) اس سے معلوم ہوا کہ روزے کا صبر پیدا کرنے میں بہت بڑا دخل ہے۔ کیونکہ روزے کا مطلب ہے نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہمبستری سے خود کو روکنا۔ اس میں ایک طرف تو خود صبر پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان کو فطری طور پر جن چیزوں کی حاجت ہے اور وہ چیزیں حلال بھی ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خود کو باز رکھنا بہت بڑا صبر ہے، دوسری طرف اس تربیت کے ذریعے سے انسان کو اپنے اندر خصلت صبر پیدا کرنے کا طریقہ بھی سکھلا دیا گیا۔ کیونکہ روزے میں تین چیزیں ہیں اور یہی تین چیزیں انسان میں خصلت صبر پیدا کر سکتی ہیں۔ روزے میں پہلی چیز ''نیت'' ہے، پس نیت اور عزم کے ذریعے سے صابر بن سکتا ہے۔ روزہ دار صبح صادق سے پہلے یہ نیت کر لیتا ہے کہ آج میں کھانے پینے سے دور رہوں گا اور بیوی کے پاس بھی نہیں جاؤں گا، اس نیت اور عزم کی وجہ سے سارا دن اسے یہ پابندیاں برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ نیت اور عزم کا اثر انسان کی فطرت اور طبیعت پر پڑتا ہے، اور جب نیت اور عزم پختہ ہو تو انسان کی طبیعت اور فطرت بھی اس کے مطابق بن جاتی ہے، جیسا کہ ہر مسلمان اس بات کا پختہ عزم رکھتا ہے کہ وہ خون نہیں پیئے گا اور خنزیر کا گوشت نہیں کھائے گا۔ مسلمان کے اس پختہ عزم اور نیت کا اثر اس کے مزاج اور طبیعت پر ایسا پڑتا ہے کہ اسے طبعی طور پر خون سے اور خنزیر کھانے سے نفرت ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر اسے مجبور بھی کیا جائے تو یہ

کام آسانی سے نہیں کرسکتا۔ بس اسی طرح اگر کوئی انسان اس بات کا پختہ عزم اور نیت کرلے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ڈٹے رہنا ہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے رہنا ہے تو اس کی طبیعت اور مزاج کے اندر صبر اور پختگی پیدا ہو جائے گی۔ روزے میں دوسری چیز کھانے پینے اور ہمبستری سے خود کو روکنا ہے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ خود کو حلال کاموں سے بھی روک سکتا ہے۔ اور جب تک وہ اپنے آپ کو روکے گا نہیں، اس وقت تک وہ روزے دار نہیں ہوسکتا۔ بس اپنے نفس کو روکنا ہی اونچے مقامات پانے کا ذریعہ ہے، اور صبر کی خصلت بھی تبھی پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنے نفس کو حرام سے اور برائیوں سے روکے۔ اس طرح سے روزے نے انسان کو صابر بننے کا طریقہ سکھا دیا، بس جو شخص اپنے نفس کو جتنا زیادہ روکے گا وہ اتنا ہی بڑا صابر ہوگا۔ روزے میں تیسری چیز وقت کا تعین ہے کہ غروب آفتاب تک خود کو بعض کاموں سے روکے، اور یہ بات واضح ہے کہ جب کسی پابندی کے لیے وقت مقرر کیا جاتا ہے تو اس پابندی کو نبھانا آسان ہو جاتا ہے۔ روزے دار کو معلوم ہوتا ہے کہ غروب آفتاب تک میں خود کو کھانے پینے سے روکوں گا، لیکن جب سورج غروب ہو جائے گا تو پھر طرح طرح کی نعمتیں مجھے ملیں گی اور ان نعمتوں سے وقتی دوری کی وجہ سے ان کے لطف اور مزے میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ روزے میں وقت کے تعین سے یہ سبق ملا کہ جب صابر آدمی اپنے نفس کو برائیوں اور غفلتوں سے روکتا ہے تو اس کا نفس پوچھتا ہے کہ یہ پابندیاں کب تک لگی رہیں گی؟ صابر آدمی روزے سے سبق سیکھ کر کہتا ہے کہ یہ پابندیاں موت کے وقت تک ہیں اور اگر تم موت کی گھڑی تک رکے رہے تو موت کے فوراً بعد تم پر سے ساری پابندیاں اٹھالی جائیں گی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی نصیب ہوگی اور ایسی ایسی نعمتیں بھی ملیں گی جن کا تم نے تصور بھی نہیں کیا۔ اگر تم دنیا میں زنا سے رکو گے تو تمہیں آخرت میں حوروں کا سحر انگیز قرب نصیب ہوگا، یہاں حرام کھانے سے رکو گے تو جنت کے لذیذ کھانے تمہارا مقدر بنیں گے، یہاں مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے جھیلو گے تو آخرت میں میدان حشر کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اس دن جب

تمہیں ان مصیبتوں پر اجر وثواب سے نوازا جائے گا تو دنیا میں عافیت کے ساتھ رہنے والے لوگ تمنا کریں گے کہ ہائے کاش! دنیا میں ان کے جسم لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جاتے تا کہ انہیں بھی آخرت میں یہ اَجر ملتا۔جس طرح روزے دار کی پیاس افطار کے وقت ٹھنڈے شربت کے گھونٹ کے ساتھ ہی لذت میں بدل جاتی ہے،اسی طرح موت کے بعد سے ہی صابرین کے لیے بے حساب اجر کی لذت شروع ہوجاتی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ جوصبر کرنیوالے ہیں اُن کو بے شمار ثواب ملے گا۔[1]

خلاصہ یہ ہوا کہ روزے میں موجود تینوں چیزیں یعنی عزم، نفس کو روکنا اور وقت کا تعین، صبر سیکھنے کا طریقہ اور صبر کا نصاب ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو یہ پیاری خصلت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبرت و موعظت

''صبر''ایک نعمت اور''بے صبری''ایک بیماری ہے۔یہودیوں نے اپنے اندر صبر کی خصلتِ حمیدہ کو پیدا نہیں کیا، چنانچہ وہ حرص و بے صبری کے مرض میں مبتلاء ہوئے، جبکہ ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کے ہر شعبے میں عروج حاصل کیا اور وہ اپنے صابرانہ طرز عمل کے ذریعے ان بلندیوں تک جا پہنچے جہاں انہیں''رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ'' کا عظیم مقام نصیب ہوگیا۔ حضرت طالوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر میں موجود اکثر یہودی تو پانی کے چند گھونٹوں سے صبر نہ کر سکے اور بے تحاشا پانی پی کر ڈھیر ہو گئے، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ کے ساتھ لگے ہوئے شراب کے جام پھینک دئیے،اور جب شراب کی حرمت کے بارے میں آنے والا حکم ان کے کانوں میں پہنچا تو پھر شراب کا کوئی قطرہ ان کے ہونٹوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔یہودی تو من و سلویٰ جیسے لذیذ کھانے پر صبر نہ کر سکے اور چیخنے چلانے لگ گئے، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

[1] [الزمر:۱۰]

بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے، درختوں کے پتے چبائے اور کئی کئی دنوں تک کھجور کی گٹھلیاں چوس کر گزارہ کیا، مگر ان کی زبانوں سے شکوہ نہیں، شکر ہی کے زمزمے سنے گئے۔ یہودی تو دریا کی سطح پر ابھری ہوئی چند مچھلیاں دیکھ کر پھسل گئے اور انہوں نے ان چند مچھلیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حکم کو پامال کر دیا، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، ان کو بادشاہوں نے طرح طرح کی لالچیں دیں مگر وہ راہ مستقیم سے نہ ہٹے، روم و فارس کے تخت و تاج اور خزانے ان کے قدموں کے نیچے آئے مگر وہ ان کے قدموں میں ہی رہے، ان کے دل میں جگہ نہ پاسکے۔ یہودیوں نے تو مچھلیوں جیسے ادنیٰ مال کی خاطر مالک حقیقی سے منہ موڑا، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اس مال کو بھی اپنے سے جدا کر دیا جو ایک لمحہ بھی مالک کی طرف ان کی توجہ میں حائل ہوا۔ یہودی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چند دن انتظار نہ کر سکے اور انہوں نے بچھڑے کے آگے اپنی پیشانیاں جھکا دیں، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گرم ریت پر لٹائے گئے، ان کے سینے پر پتھر اور گلے میں رسے ڈالے گئے، مگر ان کی زبانوں سے "احد احد" کے علاوہ کچھ نہیں نکلا، انہیں سولیوں پر لٹکایا گیا وہاں بھی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی وفاداری اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا ڈنکا بجایا، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رخصت ہو گئے تب بھی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوڑے ہوئے ایک ایک نقش کی حفاظت میں زندگیاں کھپاتے رہے۔ یہودیوں نے تو توحید کا پیغام سن کر بھی اسے دل میں نہیں اتارا، بلکہ جب انہوں نے کچھ اور لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو صبر کھو بیٹھے اور اپنے نبی کو تنگ کرنے لگے کہ ہمیں بھی ایسے ہی بت بنا کر دو، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب توحید کا پیغام سنا تو پھر انہوں نے ان تمام بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑا جن کی عظمت اور ہیبت جہالت کے زمانے میں ان کے دلوں پر سوار تھی، مگر ایک بار کلمہ توحید پڑھ لینے کے بعد ان کے دلوں سے شرک کے تمام اثرات دھل گئے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صابر تھے، وہ جو کچھ کہتے تھے وہ اٹل ہوتا تھا۔ یہودیوں نے اپنے دشمن کو جب اپنے سے زیادہ طاقتور پایا تو نبی کے سمجھانے کے باوجود

میدان جنگ میں صبر کے ساتھ نہ ڈٹ سکے، بلکہ انہوں نے جہاد سے بھاگنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا، مگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان جہاد میں ایسے صبر و استقلال کے ساتھ لڑے کہ دنیا کی تاریخ ان کے صبر و استقلال کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے ہر میدان میں اپنے سے بہت زیادہ طاقتور دشمن کو للکارا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ یہودی جب کسی مصیبت یا دشمن کو اپنے سر پر دیکھتے تھے تو نبی کو طعنے دینے لگتے تھے، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مصیبت یا دشمن کو اپنے سر پر دیکھتے تو ان کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی اور وہ خود کو بھول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں نچھاور کرتے تھے، اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ بن جاتے تھے۔ یہودی مال و دولت اور کھانے پینے کے حرص میں مبتلاء تھے، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مال و دولت اور کھانے پینے کی حرص سے پاک اور اس بارے میں مثالی صبر کرنے والے تھے۔

ایک نظر گریبان پر

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر اور یہود کی بے صبری کی مختلف جھلکیاں ہمارے سامنے ہیں۔ پچھلے صفحات میں ہم صبر کے فضائل اور اس کی ضرورت اور بے صبری کے نقصانات بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں پڑھ چکے ہیں۔ اب ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی ذات، اپنے متعلقین اور اپنے معاشرے پر ایک نظر ڈالیں اور اس بات کا محاسبہ کریں کہ کیا ہم صبر کی عظیم خصلت سے مالا مال ہو کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چل رہے ہیں یا خدانخواستہ ہم نے بھی یہودیوں کی طرح زندگی کے ہر شعبے میں بے صبری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے صابرین کی کمی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر خم ٹھونک کر جمے ہوئے ہیں اور نہایت ثابت قدمی کے ساتھ میدان جہاد میں صبر کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اور

معاشرے میں کینسر کی طرح پھیلے ہوئے گناہوں سے بھی اپنا دامن بچائے ہوئے ہیں اور سخت سے سخت مصیبتوں کو بھی ایمان اور خندہ پیشانی سے جھیل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک اور صابر بندے خوش نصیب ہیں اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لیکن آج معاشرے کا عمومی رجحان بے صبری کی طرف ہے۔ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کا راستہ چھوڑ دیا ہے، اور جو لوگ عبادت واطاعت کرتے ہیں وہ بھی پوری نہیں کرتے۔ اسی طرح ہر گناہ کے کام پر آج کے اکثر مسلمان اسی طرح جھپٹتے ہیں جس طرح میٹھے پر مکھیاں جھپٹ جھپٹ کر جمع ہو جاتی ہیں، اور مصیبت کے وقت تو اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں، اور اپنی مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے بعض اوقات کفر اور شرک تک میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ کسی کو اولاد نہیں ملتی تو وہ جا کر کسی قبر پر جھک جاتا ہے، یا کسی آستانے پر جا کر غیر اللہ کے نام کی نذر نیاز مانتا ہے۔ کوئی مقدمے میں پھنس جاتا ہے تو طرح طرح کے شرکیہ وظائف اور شرکیہ اعمال میں لگ جاتا ہے۔ کسی پر بیماری آتی ہے تو وہ اس قدر ناشکری اور جزع فزع کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہی نہیں، اور پھر بیماری سے چھٹکارے کے لیے نا معلوم کیا کیا غلط پاپڑ بیلے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو مالی تنگی میں مبتلاء ہوتے ہیں وہ بھی صبر کی بجائے بھیک مانگنے کو یا حرام ذرائع اختیار کرنے کو یا کافروں کی غلامی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہر طرف بے صبری ہی کا دور دورہ ہے۔ بے صبری نے آج انسانیت کو اجتماعی ہلاکت کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ مالداروں کی بے صبری نے دنیا کے معاشی نظام کو غیر متوازن کر دیا ہے، جس کی وجہ سے غریب ''غریب تر'' ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج کافروں نے بھانپ لیا ہے کہ مسلمان بھی بے صبری کا شکار ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے مسلمانوں کو لوٹ رہے ہیں۔ کبھی رنگا رنگ کھانے کھلا کر، کبھی طرح طرح کے مضر صحت مشروبات پلا کر اور کبھی طرح طرح کے کپڑے، جوتے اور فیشن کا سامان پھیلا کر۔

بے صبری نے انسانی ضروریات اور اس کے حرص کو بڑھا دیا ہے، جس کی وجہ سے ہر

آدمی مال اور پیسے کا محتاج بنتا جا رہا ہے۔ چنانچہ صحت کے نام پر بیماری اور ترقی کے نام پر معاشی عدم توازن کو پھیلایا جا رہا ہے۔ لوگوں کی خواہشات اس قدر بے صبری کا شکار ہیں کہ ایک نشے کے بعد دوسرا نشہ لوگوں میں عام ہوتا جا رہا ہے مگر خواہش ہے کہ کہیں پوری نہیں ہوتی۔ آج اگر صرف شادی کے موقع پر ہونے والی بے صبری کو لے لیا جائے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، چنانچہ کہیں زیادہ جہیز کا سانپ پھن اٹھائے بیٹھا ہے تو کہیں زیادہ مہر کے نام پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرہ پاکدامنی سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کاش! طبیعتوں میں صبر اور نفوس میں ضبط ہوتا تو یہ مسائل منٹوں میں حل کیے جا سکتے تھے۔ مگر آج ہر طرف بے صبری اور افراتفری کا عالم ہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اندر صبر کی انمول خصلت کو پیدا کریں اور دنیا و آخرت کے غموں سے نجات پائیں۔ ورنہ وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب صبر بھی کام نہیں آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جائے گا:

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اس جہنم میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے حق میں برابر ہے۔ جو کام تم کیا کرتے تھے، (یہ) انہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔''[۱]

یا اللہ! ان حروف کے راقم کو اور تمام مسلمانوں کو صبر کی خصلتِ حمیدہ عطاء فرما اور دنیا و آخرت میں اپنی رحمت اور عافیت سے سرفراز فرما۔ آمین ثم آمین۔

۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ
۲۸ ستمبر ۱۹۹۹ء لیلۃ الاربعاء
بعد صلوٰۃ المغرب سجن کوت بلوال بجامو، الھند
(کوٹ بھلوال جیل جموں، ہند)

---

۱ [الطور:۱۶]

یہودیوں کی نویں بیماری

جھوٹ اور گناہ کی عادی زبانیں

''زبان'' انسان کی ترجمان ہے۔ اگر انسان اسے سدھار لے تو اس کی قدر و قیمت آسمانوں پر بھی بڑھ جاتی ہے اور زمین پر بھی، اور اس کا ایک ایک جملہ قیمتی بن جاتا ہے، اور وہ ایمان و عرفان کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ لیکن اگر زبان کو نہ سدھارا جائے تو انسان کی روح ناپاک اور منزل کھوٹی ہو جاتی ہے اور وہ ذلت کے تحت الثریٰ میں جا گرتا ہے، جہاں ناکامیاں اس کا استقبال کرتی ہیں۔ یوں تو زبان گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے، لیکن اس کی ایک ایک حرکت پر پہاڑ لرز اُٹھتے ہیں اور سمندروں میں تلاطم آ جاتا ہے۔ انسان چاہے تو زبان کی ایک حرکت کے ذریعے خود کو رحمت کا مستحق بنا لے اور چاہے تو زبان کی تھوڑی سی حرکت کی بدولت لعنت کا مستوجب قرار پائے۔ زبان کی ایک جنبش امن قائم کر دیتی ہے اور اسی زبان کی ایک حرکت فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکا دیتی ہے۔ زبان کی شہادت کے بغیر ایمان تک معتبر نہیں ہوتا، مگر اسی زبان سے نکلا ہوا ایک جملہ ایمان کو کفر میں بھی بدل دیتا ہے۔ انسان اگر چاہے تو زبان سے نکالے ہوئے ایک کلمے کے ذریعے فرشتوں سمیت اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کو اپنا ایسا گرویدہ بنا لے کہ ساری مخلوق مل کر اس کے لیے استغفار اور رحمت کی دعاء کرنے لگے، اور اگر چاہے تو زبان سے ایک کلمہ ادا کر کے فرشتوں سمیت ساری مخلوق کو اپنا ایسا دشمن بنا لے کہ ساری مخلوق اس پر لعنت بھیجنے لگے۔ زبان کے ذریعے ہی انسان کو تولا جاتا ہے اور اس کے وزن کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اور زبان ہی کے ذریعے سے انسان کے ایمان اور اس کے دل کی کیفیت کو پہچانا جاتا ہے:

کسی عاقل کا قول ہے:

اَلْمَرْءُ بِاَصْغَرَیْهِ قَلْبِهٖ وَلِسَانِهٖ۔

”انسان (کا مرتبہ اور مقام) اس کے جسم کی دو چھوٹی چیزوں یعنی دل اور زبان کے ذریعے سے پہچانا جاتا ہے۔“

ایک شاعر اس مفہوم کو یوں ادا کرتا ہے ؎

لِسَانُ الْفَتٰی نِصْفٌ وَنِصْفٌ فُؤَادُهٗ ◄ فَلَمْ یَبْقَ اِلَّا صُوْرَةُ اللَّحْمِ وَالدَّمِ

”مرد کی زبان اس کا نصف حصہ ہے اور دوسرا نصف اس کا دل ہے، ان دو کے علاوہ باقی تو گوشت اور خون کا ایک پتلا ہے۔“

اچھی زبان آدمی کو معتبر بناتی ہے جبکہ زبان کی خرابی آدمی کو غیر معتبر کر دیتی ہے۔ سچی زبان انسان کی روح کو خوشبوؤں سے بھر دیتی ہے جبکہ جھوٹی زبان سے آدمی کی روح گندی اور بدبودار ہو جاتی ہے۔ زبان کی درستگی انسان کو باوقار بناتی ہے جبکہ زبان کی خرابی آدمی کو بے عزت کر دیتی ہے۔ اگر دل میں ایمان اور تقویٰ ہو تو زبان پر اس کا اثر چھلکتا ہے اور شریعت کی لگام زبان کو سنبھالے رکھتی ہے۔ لیکن اگر دل میں کفر و نفاق بھرا ہو تو زبان بے لگام ہو جاتی ہے اور اس کی ایک ایک حرکت باعث ہلاکت بن جاتی ہے۔ مسلسل سچ انسان کو ایسا سچا بناتا ہے کہ پھر چاہتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولا جا سکتا اور مسلسل جھوٹ آدمی کو ایسا جھوٹا بناتا ہے کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے سے بھی نہیں چوکتا اور چاہتے ہوئے بھی سچ نہیں بول سکتا۔

قرآن مجید نے یہودیوں کی جو بیماریاں عبرت و نصیحت کے لیے بیان فرمائی ہیں ان میں ایک بیماری زبان کی خرابی بھی ہے۔ چونکہ یہودیوں کے دل گندے تھے اس لیے ان کی زبانیں بھی جھوٹ اور گناہ کی عادی ہو چکی تھیں۔ زبان کی اس خرابی نے انہیں بے وقعت، بے قدر اور گندا بنا دیا تھا اور ان کا معاشرہ اپنی اعتباریت کھو چکا تھا، اور جھوٹ کے عام ہو جانے کی وجہ سے وہ ایک

دوسرے پر بھی اعتبار نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی اجتماعیت کھوکھلی ہو چکی تھی، اور چونکہ ان کی زبانیں گناہ کی عادی ہو چکی تھیں اور ان زبانوں سے خیر کی باتیں نہیں نکلتی تھیں اس لیے ایمان والوں کو سمجھایا گیا کہ وہ یہودیوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہودی اپنی زبان کو سدھارتے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تعلیمات کے ذریعے اپنے دل اور زبانوں کی اصلاح کرتے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ تو جھوٹ بولنے اور جھوٹ پھیلانے کے مواقع ڈھونڈتے رہتے تھے، اور ان محفلوں میں بیٹھ کر بھی ہدایت نہیں پاتے تھے جن محفلوں میں نور ہدایت موسلا دھار بارش کی طرح برستا تھا۔ آئیے! یہودیوں کے جھوٹ اور ان کی زبان کے دوسرے گناہوں کا کچھ احوال قرآن مجید کی روشنی میں پڑھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ	''اور وہ جو یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے، وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو آپ کے پاس نہیں آتے۔''[۱]

اس آیت میں یہودیوں کے جھوٹ کے ساتھ گہرے تعلق کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان کے ''احبار'' یعنی ''مذہبی پیشوا'' جھوٹ بولتے تھے اور عام یہودی اس جھوٹ کو خوب سنتے تھے اور اس کی پیروی کرتے تھے۔ اسی طرح کچھ یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سن کر اپنے سرداروں اور پیشواؤں تک پہنچائیں، اور وہ ان باتوں میں تحریف کر کے اور ان میں جھوٹ ملا کر لوگوں کو گمراہ کریں اور اسلام کے بارے میں فتنے ڈالیں۔ ایک مطلب ان آیات کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آتے ہی اس لیے تھے تاکہ آپ کی باتوں کو سنیں اور پھر ان میں کچھ جھوٹ ملا کر ان کو عیب دار کر کے لوگوں کو بتائیں، اور بعض یہودی ان باتوں کو من وعن یاد کر کے اپنے استاذوں تک پہنچاتے تھے، پھر ان میں جھوٹ شامل کرنے کا کام ان کے سردار خود کر لیتے تھے۔ اگلی آیت میں اسی مفہوم کو پھر ان الفاظ

[۱] [المائدہ:۴۱]

میں دہرایا گیا ہے:

② سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۔	”(یہ یہودی) جھوٹ کو بہت ماننے والے اور بڑے حرام کھانے والے ہیں۔“[1]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سَمّٰعُوْنَ“ کے معنیٰ بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے۔ پھر ”بہت زیادہ سننا“ کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنیٰ ہوتے ہیں بہت زیادہ قبول کرنے والا۔ جیسے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ میں سننے کے معنیٰ قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) نے پہلے معنیٰ مراد لیے ہیں (جیسا کہ آیت: ۴۱ کے ترجمے سے واضح ہے)، لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنیٰ پر حمل کیا ہے۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ۔ یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے (جیسا کہ آیت: ۴۲ کے ترجمے سے واضح ہے)۔“[2]

مذکورہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ یہودیت پوری کی پوری جھوٹ کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے بڑے جھوٹ بولتے ہیں، ان کے چھوٹے جھوٹ سننے کے عادی اور شوقین ہیں اور جھوٹ کو خوشی سے قبول بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ یہودی حق بات کو صرف اس لیے سنتے ہیں تاکہ اس میں جھوٹ ملائیں، اور ان کے اندر جاسوسی کا مستحکم نظام بھی صرف اور صرف جھوٹ کو پھیلانے اور باطل کی تشہیر کے لیے ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

③ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ	”اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینہ (منورہ) میں جھوٹی خبریں اُڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے

[1] [المائدہ: ۴۲] [2] [تفسیر عثمانی۔ ج: ۱، ص: ۵۲۹، ط: دارالاشاعت، کراچی]

لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ○ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○

لگادیں گے، پھروہ آپ کے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔(وہ بھی) پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مارے گئے۔''[1]

''اَلْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ'' مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے کون تھے؟ حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ غالباً یہود ہیں، جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے، اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔''[2]

جھوٹی خبریں اور خوفزدہ کرنے والی افواہیں اور بزدلی پھیلانے والے شوشے یہودی بھی چھوڑتے تھے اور ان کے اثر یافتہ شاگرد منافقین بھی اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔لیکن افسوس! آج مسلمانوں میں یہودیوں اور منافقین کے جھوٹ کو ماننے، قبول کرنے اور اس کا اثر لینے کا رواج پڑ گیا ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۴) لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○

''کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے؟ بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔''[3]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ'' کی تفسیر ''اَلْكِذْب'' (جھوٹ) سے فرماتے ہیں۔ (جلالین۔ص:۱۴۹،ط:دارالحدیث،القاہرۃ) یعنی یہ مطلب ہوا کہ یہودیوں کے مذہبی پیشوا انہیں جھوٹ اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ اس آیت سے بھی واضح ہوگیا کہ جھوٹ اور حرام خوری ان کے معاشرے کا حصہ بن چکی تھی اور عوام وخواص سب اس میں مبتلاء تھے۔اس آیت کی مزید اور

[1] [الاحزاب:۶۰۔۶۱] [2] [تفسیر عثمانی۔ج:۳،ص:۱۴۹،ط:دارالاشاعت،کراچی] [3] [المائدہ:۶۳]

مفصل تفسیر ہم ان شاء اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بیان میں آگے چل کر ذکر کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

۵ وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

”اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس (روپوں کا) ڈھیر امانت رکھ دو تو تم کو (فوراً) واپس دے دے اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اس کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھو تو جب تک اس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو تمہیں دے ہی نہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ”اُمّی“ لوگوں کا حق لینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر محض جھوٹ بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے ہیں۔“[1]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اہل کتاب کی دینی خیانت ونفاق کے سلسلہ میں دنیوی خیانت کا ذکر آ گیا۔ جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کر لیں اور امانت داری نہ برت سکیں، ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ دینی معاملات میں امین ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ان میں بہت سے وہ ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں اور جب تک کوئی تقاضہ کے لیے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے اور پیچھا کرنے والا نہ ہو، امانت ادا نہ کریں۔ بے شک ان میں سب کا حال ایسا نہیں، بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں۔ لیکن یہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں جو یہودیت سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ...... یعنی پرایا حق کھانے کو یہ مسئلہ بنا لیا کہ عرب کے ”اُمّی“ جو ہمارے مذہب پر ہیں ان کا مال جس طرح

[1] [آل عمران: ۷۵]

ملے روا ہے۔غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں۔خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں،اللہ تعالیٰ نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔یعنی جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر رہے ہیں۔امانت میں خیانت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔آج بھی اسلامی فقہ کا مسئلہ یہی ہے کہ مسلم ہو یا کافر کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں۔"[1]

اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کے دو گناہ بیان کیے گئے جو وہ اپنی زبانوں سے کرتے تھے۔پہلا گناہ امانت میں خیانت ہے کہ پہلے تو جب کوئی ان کے پاس امانت رکھوانے آتا تو اس بات کا اقرار کر لیتے کہ یہ واقعی امانت ہے اور ہم یہ واپس لوٹا دیں گے،لیکن جب ان سے اس امانت کی واپسی کا تقاضا کیا جاتا تو اپنی بات سے مکر جاتے اور طرح طرح کے بہانے بناتے اور ٹال مٹول سے کام لیتے۔یہودی اپنی اس گندی عادت کو کل بھی اپنی عقلمندی سمجھتے تھے اور آج بھی وہ اسے اپنی عقلمندی سمجھ رہے ہیں،چنانچہ یہ عادت اور زبان کا یہ ہیر پھیر یہودیوں کی سرشت بن چکا ہے۔دوسرا گناہ جھوٹ بولنا ہے اور یہ جھوٹ وہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ پر بولا کرتے ہیں۔کیونکہ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تم اس طرح دھوکہ دے کر لوگوں کا مال کیوں لوٹتے ہو؟ تو فوراً ایک شرعی مسئلہ گھڑ لیتے تھے کہ ان اَن پڑھ اور جاہل لوگوں کے اموال ہمارے لیے حلال ہیں اور ان کا حق کھانے کی ہمیں شرعی طور پر اجازت ہے۔چونکہ شریعت اور دین کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، اس لیے کوئی غلط شرعی مسئلہ جان بوجھ کر گھڑ لینا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے،جو کہ بدترین گناہ ہے۔مگر یہودی چند ٹکوں کی خاطر یہ عظیم گناہ بھی کر گزرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

⑥ وَ اِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ	"اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تا کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ

[1] [تفسیر عثمانی۔ج:۱،ص:۲۸۹،ط:دارالاشاعت،کراچی]

مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا، اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔"[1]

اس آیت مبارکہ میں بھی ان کے ایک جھوٹ کا تذکرہ ہے۔ جھوٹ خود بھی ایک گناہ ہے لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ پر بولا جائے تو اس کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ یہودیوں نے دین وشریعت کے بارے میں بھی جھوٹ کو شعار بنایا اور اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بولا۔ یہاں تک کہ ان کی عبادت گاہوں اور ان کی مذہبی کتاب تک میں جھوٹ گھس گیا۔ جب سچ کے مراکز جھوٹ کے ہاتھوں تباہ ہو جائیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس آیت کی مزید تشریح تحریف کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

(۷) كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

"بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں مگر وہ جو (حضرت) یعقوب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کرلی تھیں، آپ کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (یعنی دلیل پیش کرو)۔ جو اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ جوڑے تو ایسے لوگ ہی بے انصاف ہیں۔"[2]

ان دو آیات میں یہودیوں کے ایک جھوٹ کا تذکرہ ہے۔ وہ یہ کہ یہودی مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ تم لوگ خود کو "دین ابراہیم" پر بتلاتے ہو، جبکہ وہ چیزیں بھی کھاتے ہو جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھرانے پر حرام تھیں۔ مذکورہ بالا آیات میں یہودیوں کے اس جھوٹے اعتراض کی قلعی کھول دی گئی اور انہیں چیلنج کیا گیا کہ اپنے اس اعتراض کی دلیل اپنی آسمانی

[1] [آل عمران:۷۸] [2] [آل عمران: ۹۳، ۹۴]

کتاب تورات سے لاؤ، مگر جھوٹ کی دلیل کہاں سے ملتی؟ آیت کی مکمل تفسیر سمجھنے کے لیے ''فوائد فتحیہ'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ کو دعویٰ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق پر چلنے کا ہے، لیکن جو چیزیں خاندان یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے تھے، حرام تھیں ان کو آپ کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی سب چیزیں یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حلال تھیں مگر وہ جو انہوں نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں ان کو ''عرق النساء'' کا مرض ہوگیا، جس کی وجہ سے ان کو بہت تکلیف تھی، تو انہوں نے نذر مانی کہ جو چیز مجھے زیادہ محبوب و مرغوب ہے وہ ترک کردوں گا، چنانچہ اُونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں نے بھی ان کی اتباع میں اُونٹ کا گوشت ترک کر دیا تھا۔ غرض تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی سب چیزیں یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حلال تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان پر حرام نہیں کیا تھا۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے پیغمبر! یہود سے کہہ دو، اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور دکھاؤ کہ اس میں کہاں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں اُونٹ حرام تھا؟'' ہاں! یہودیوں کی نافرمانیوں اور گناہوں کے سبب کچھ چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں اور اس سے ان کو شرارتوں کی سزا دینی مقصود تھی۔''[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿٨﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ

''وہ (یہودی) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم بھیجا کہ جب تک کوئی پیغمبر ہمارے پاس ایسی نیاز لے کر نہ آئے جس کو آگ (آکر) کھا جائے تب تک ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے، (اے پیغمبر ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر

[1] [فوائد فتحیہ، ص:۷، ف:۷۴]

بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ | تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو تو اگر سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟"۔[1]

اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کے ایک اور جھوٹ کا تذکرہ ہے۔ پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطاء فرمایا تھا کہ وہ قربانی اور اللہ تعالیٰ کے لیے نذر و نیاز کا سامان رکھ دیتے تھے، تب آسمان سے ایک آگ آتی تھی جو اسے جلا دیتی تھی۔ آگ کا اس مال کو جلا دینا اس کے بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے کی نشانی ہوتی تھی۔ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انہی واقعات کو لے کر یہودیوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی نبی ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے ہم اس پر ایمان نہ لائیں۔ حالانکہ یہ جھوٹ تھا، کیونکہ اس طرح کا کوئی حکم ان کی کتابوں میں موجود نہیں تھا اور نہ آج موجود ہے، مگر یہودیوں نے یہاں بھی اللہ تعالیٰ پر ایک بڑا جھوٹ بولنے میں کوئی تکلف یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ قرآن مجید نے ان کے اس دعوے پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے لیے آسمانی آگ کا صدقات کو کھانا بڑی علامت ہے تو تم نے ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کیوں جھٹلایا اور کیوں شہید کیا جو تمہارے پاس یہی معجزہ لے کر آئے تھے؟ یعنی حق کی جستجو نہ تمہیں کل تھی نہ آج ہے۔ تمہارا مقصد آسمانی دعوت کو ٹھکرانا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرنا ہے، وہ تم کرتے رہتے ہو، کبھی کوئی بہانہ بنا کر اور کبھی کوئی۔

یہودیوں کی زبانیں جھوٹ اور گناہ کی عادی ہوتی ہیں، اس کی آٹھ شہادتیں قرآن مجید سے ہم نے پیش کر دیں۔ اس موضوع پر مزید شہادتیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں۔ کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے سے نہ رکتے ہوں، ان کے اندر جھوٹ کی عادت کس قدر سرایت کر چکی ہوگی؟ اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

[1] [آل عمران: ۱۸۳]

اسلامی دعوت

اسلام نے زبان کی حفاظت اور اس کی اصلاح کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ سچائی کو لازم پکڑنا، سچائی پر قائم رہنا اور سچائی کو پھیلانا اسلامی دعوت کا اہم موضوع ہے۔ اسلام جھوٹ سے بے انتہاء نفرت کرتا ہے اور اسے منافقین کا شیوہ اور بہت ساری برائیوں کی جڑ مانتا ہے۔ قرآن مجید اور ذخیرۂ احادیث ''سچ'' کی اہمیت، سچ کے نصاب اور سچوں کے فضائل کے تذکرے سے بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح جھوٹ کی مذمت پر بھی درجنوں آیات اور احادیث موجود ہیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر آدمی صرف اور صرف سچ بولے، سچ سنے، سچ کو قبول کرے، سچ کو عام کرے اور سچائی کی دعوت دے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان جھوٹ تو کیا اس کے ادنیٰ سے شائبے سے بھی بچے، اور نہ ہی جھوٹ کو سنے اور نہ جھوٹ کو پڑھے اور نہ جھوٹ کو قبول کرے۔ اسلامی معاشرہ صادقین اور صدیقین کا معاشرہ ہوتا ہے۔ سچا عقیدہ، سچا عمل، معاملات میں سچائی، معاشرت میں سچائی اور معیشت میں سچائی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، کیونکہ جھوٹ بولنا تو کافروں اور منافقوں کا شیوہ ہے۔ مسلمان منبر پر ہو یا دکان پر، مسجد میں ہو یا گھر میں، وہ مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کر رہا ہو یا کافروں کے ساتھ، وہ جہاد میں مشغول ہو یا تجارت میں، وہ اپنوں کے بارے میں گواہی دے رہا ہو یا غیروں کے بارے میں، وہ ہر حال میں سچائی کو لازم سمجھتا ہے، اور کسی بھی منفعت یا مصلحت یا خوف کی وجہ سے سچ کا دامن نہیں چھوڑتا۔ مسلمان جس رب کو مانتے ہیں وہ سچا ہے، مسلمان جس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں انہیں مشرک اور کافر بھی صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے، مسلمان جس کتاب کو پڑھتے ہیں وہ بھی سچ بیان کرتی ہے اور سچائی کی دعوت دیتی ہے، پھر مسلمان کس طرح سے جھوٹا ہو سکتا ہے؟ قرآن و حدیث میں سچ کی اہمیت اور فضیلت اور جھوٹ کی مذمت اور خباثت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ آج جھوٹ

بہت زیادہ پھیل رہا ہے اور اب تو جھوٹ کو گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا، اس لیے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اس موضوع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا جائے، تاکہ دلوں میں بات اتر جائے اور ہمارا معاشرہ جھوٹ کی لعنت سے پاک ہو جائے، لیکن کتاب کو بہت زیادہ طوالت سے بچانے کے لیے ہم سچ اور جھوٹ کے بارے میں قرآن وحدیث میں مذکورہ تفصیلات کا خلاصہ عرض کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو اور تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔

صداقت یعنی سچ

قرآن مجید میں سچ کے متعلق تاکیدی تفصیلات کا خلاصہ ہم ''چودہ عنوانات'' سے ذکر کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدھی بات کہنے اور سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کیا کرو۔ وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔''[1]

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ﴿قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے...... اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''سیدھی بات'' اور بعض نے کہا: ''سچی بات''، مگر یہ سب معنیٰ اپنے اپنے موقع پر ٹھیک ہیں۔[2]

---

[1] [الاحزاب: ۷۰، ۷۱] [2] [تفسیر ابن کثیر۔ ج: ۶، ص: ۴۸۸، ط: دار طیبہ]

روح البیان میں کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے:

''قول سدید'' وہ ہے جو سچا ہو جھوٹ کا اس میں شائبہ نہ ہو، صواب (درست) ہو جس میں خطاء کا شائبہ نہ ہو، ٹھیک بات ہو ہزل یعنی مذاق و دل لگی نہ ہو، نرم کلام ہو دلخراش نہ ہو۔'' [1]

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو سیدھی بات کا عادی ہونے پر اصلاحِ اعمال کا وعدہ ہے، وہ صرف دینی اعمال ہی نہیں بلکہ دنیا کے سب کام بھی اس میں داخل ہیں۔ جو شخص ''قول سدید'' کا عادی ہو جائے، یعنی کبھی جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر کلام کرے جو خطاء ولغزش سے پاک ہو، کسی کو فریب نہ دے، دل خراش بات نہ کرے، اس کے اعمال آخرت میں بھی درست ہو جائیں گے اور دنیا کے کام بھی بن جائیں گے۔ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ ہے کہ: ''کہو بات سیدھی کہ سنوار دے تم کو تمہارے کام۔'' [2]

ان آیات میں زبان کی درستگی اور سچ بولنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ زبان کی اصلاح اور سچ کو لازم پکڑے بغیر نہ تو تقویٰ نصیب ہو سکتا ہے اور نہ انسان کے دوسرے اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس سے ان لوگوں کی بات کی تردید ہو گئی جو جھوٹ بھی بولتے ہیں اور زبان کو دوسرے غلط کاموں میں بھی مبتلاء رکھتے ہیں اور ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہمارے دل صاف ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے سچوں کے ساتھ رہنے اور ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔'' [3]

---

[1] [روح البیان۔ ج:۱، ص:۲۴۸، ط: دارالفکر، بیروت]

[2] [معارف القرآن۔ ج:۷، ص:۲۴۲، ط: مکتبہ معارف القرآن، کراچی] [3] [التوبہ:۱۱۹]

’’اس آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ سچوں کی صحبت میں رہو اور ان جیسے کام کرو، کیونکہ سچوں کی صحبت میں رہنے سے ہی سچائی نصیب ہوگی اور تم خود بھی سچے عقیدے، سچے عمل اور سچے اخلاق پر قائم رہو گے۔ اس آیت کریمہ کے پس منظر میں ایک بہت اہم واقعہ ہے، جس میں صرف سچ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس کی رحمت میں تبدیل ہوگئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر تین مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ تین حضرات حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن اُمیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ یہ حضرات بغیر کسی شرعی عذر کے اس غزوے میں جانے سے محروم رہ گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ واپس تشریف لائے تو ان تین حضرات نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کرنے کی بجائے اپنے قصور اور غلطی کا اعتراف کرلیا اور خود کو بطور مجرم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ان تین حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور میری غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کرکے اپنے کو صاف بچا لیتا، مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کرلوں تو تھوڑی دیر کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لیے آپ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی، لیکن اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا، اور آخر کار سچ بولنا ہی

مجھے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے نجات دلائے گا۔''[1]

اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی غیر حاضری کی وجہ صاف صاف بتا دی اور اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیا۔ یہی حال باقی دو مخلص حضرات کا بھی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان حضرات کے ساتھ مسلمانوں کے ''عمومی مقاطعہ'' (بائیکاٹ) کا حکم صادر فرمایا۔ یہ قطع تعلق پچاس دن تک جاری رہا۔ ان ایام میں ان حضرات پر ایسی سخت حالت گزری کہ اسے موت سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ اس دوران ان حضرات پر طرح طرح کی آزمائشیں آئیں۔ بعض کافر بادشاہوں نے بھی پھندے ڈالنے کی کوشش کی۔ گھر والوں سمیت تمام مسلمانوں نے ان سے سلام وکلام تک بند رکھا۔ مگر ان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قطع تعلق تھا کہ جس ذات کی خاطر انہوں نے سب کچھ چھوڑا تھا آج وہ ذات بھی ان سے چہرہ پھیر رہی تھی۔ قرآن مجید نے ان تین سچوں کے درد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''زمین ان پر باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی تھی۔'' مگر سچ بہت بڑی چیز ہے۔ بالآخر یہی سچ کام آیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوشی سے دمکتے چہروں کے ساتھ ان تینوں کا استقبال کیا اور انہیں گلے سے لگایا۔ قرآن مجید ان تین حضرات کا واقعہ بیان کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو ان تینوں کو سچ نے کتنا فائدہ پہنچایا اور کس طرح سے ان کی توبہ قبول ہوگئی جبکہ جھوٹ بولنے والے منافق کس طرح سے ناکام ہوئے اور جہنم کے مستحق بنے۔ بس مسلمانوں کو چاہیے کہ سچ پر قائم رہیں اور سچوں کی صحبت اختیار کریں۔ کاش! دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ فائدے کی خاطر جھوٹ بولنے، جھوٹ لکھنے اور جھوٹ کو پیشہ بنانے والے لوگ مذکورہ بالا واقعے اور اس آیت میں مذکور اللہ تعالیٰ کے حکم پر غور فرمائیں۔ اسی طرح دینی مصلحتوں کو آڑ بنا کر جھوٹ کا دروازہ کھولنے والے بھی اس واقعے سے عبرت پکڑ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۲،ص:۳۴۳،ط: دارالاشاعت، کراچی]

''یہ تین شخص سچ کہنے سے بخشے گئے۔ نہیں تو منافقوں میں ملتے۔''[1]

یعنی سچ بولنا انسان کو نفاق کے گڑھے میں گرنے سے بچاتا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بِاَنْ تَلْزَمُوا الصِّدْقَ۔ (سچوں کے ساتھ ہونے مطلب یہ ہے کہ) ''تم سچ کو لازم پکڑو۔''[2]

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص سچ کو لازم نہیں پکڑتا، بلکہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی جھوٹا آدمی متقی نہیں ہوسکتا۔

اس آیت کی مزید تشریح اصلاح نفس کے بیان میں پیچھے گزر چکی ہے۔

۳ سچا کون ہے؟ سچا بننے کا نصاب کیا ہے؟

اس بارے میں قرآن مجید کی تین آیات مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

(الف): اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی	''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور فرشتوں پر اور (اللہ تعالیٰ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں، اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (قیدیوں اور غلاموں کو چھڑانے) میں (خرچ کریں)، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں، اور سختی اور تکلیف میں اور معرکۂ کارزار کے وقت

[1] [موضح قرآن۔ص:۲۶۶،ط:ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی]

[2] [تفسیر جلالین۔ص:۲۰۲،ناشر:مکتبہ رحمانیہ،لاہور]

الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○	ثابت قدم رہیں، یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں، اور یہی ہیں جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والے ہیں۔“[1]

یہودی جھوٹے تھے، ایمان کے دعوے میں بھی اور دنیاوی معاملات میں بھی۔مگر جھوٹوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ چند مسائل کو اپنی طرف سے حق و باطل کا معیار قرار دے دیتے ہیں، اور پھر ان مسائل کو آڑ بنا کر خود کو دین دار اور سچا اور اصل اہل حق کو بد دین اور جھوٹا ثابت کرتے ہیں۔یہودیوں نے اسی طرز کو اپناتے ہوئے قبلہ کے معاملے کو اٹھایا اور مسلمانوں کو جھوٹا اور باطل پرست ثابت کرنے کی کوشش کی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں نہایت کرارا جواب عطاء فرمایا کہ تم لوگ پہلے اپنے دعویٰ ایمان کا سچا ہونا ثابت کرو اور سچ اور تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو معیار مقرر فرمایا ہے اس پر خود کو تولو، تب تمہیں علم ہو جائے گا کہ نیکی صرف ان مسائل میں بند نہیں ہے جن کا تم نے شور مچا رکھا ہے۔اس آیت مبارکہ میں عقائد، اعمال اور اخلاق سے تعلق رکھنے والی سترہ نیکیوں کو بیان فرمایا گیا ہے، پس سچا آدمی وہی ہو گا جو ان سترہ امور کو سرانجام دے گا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اپنے اندر سچائی پیدا کرنی ہے تو مذکورہ بالا سترہ امور کو سرانجام دو، تب تمہیں مکمل سچائی نصیب ہو گی اور یہ سترہ امور تمہاری اس طرح سے اصلاح کر دیں گے کہ تمہاری زبان سچ کی عادی اور تمہارا دل تقویٰ کا خوگر ہو جائے گا۔وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

(ب): اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○	”مؤمن تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے، یہی لوگ سچے ہیں۔“[2]

جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا ہو گا وہی لوگوں کے ساتھ بھی سچ بولے گا، مگر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ سچا نہیں ہے اور ایمان کے بارے میں شک رکھتا ہے اور

[1] [البقرہ:۱۷۷] [2] [الحجرات:۱۵]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے دعوے کے باوجود جان و مال سے جہاد نہیں کرتا، وہ شخص سچا نہیں ہے، اور اس پر اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہے تو وہ مخلوق کو کہاں بخشے گا؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے ایمان اور بزدل لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور سچا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایمان میں پختگی حاصل کرے اور جہاد میں قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیا جائے، تب سچائی دل میں اُترے گی اور جھوٹ سے طبعی نفور اور دوری ہو جائے گی۔

(ج): لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○

"(اور مال فئے) ان مفلس وطن چھوڑنے والوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مال سے جدا کر دیئے گئے (اور وہ) اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔" [1]

سچے کون ہیں؟ وہ ایثار پیشہ حضرات جو ضرورت پڑنے پر اپنا ایمان بچانے کے لیے ہجرت جیسا کٹھن اور مشکل کام بھی کر گزرتے ہیں، اور وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی جستجو اور محنت میں لگے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ سچے ہیں اور سچائی حاصل کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفادار، اس کی رضا کا طلبگار اور اس کے دین کا بے لوث مددگار ہو۔



مذکورہ بالا تین آیات سے مسلمانوں کو کئی اسباق ملتے ہیں۔ جن میں سے دو اہم سبق یہ ہیں:

الف

آج دنیا میں جھوٹ بہت پھیل چکا ہے۔ ہر طرف جھوٹی سیاست، جھوٹی معاشرت اور جھوٹی

[1] [الحشر:۸]

معیشت کے خوفناک سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ جھوٹ پھیلانے کا کام کرتے ہیں اور جھوٹ جدید دنیا کا جدید فیشن بن چکا ہے۔ جھوٹے ڈائجسٹ، جھوٹے افسانے، جھوٹی کتابیں اور جھوٹے رسالے ہر طرف پھیلے پڑے ہیں۔ آج پیسے دے کر جھوٹ سنا جاتا ہے، جھوٹ دیکھا جاتا ہے اور جھوٹ خریدا جاتا ہے، چنانچہ جھوٹ کے بیوپاریوں کی تجارت ظاہری طور پر خوب نفع مند ہو رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔ لیکن چونکہ جھوٹ کی نفرت اور اس کا خوف لوگوں کے دلوں سے نکل چکا ہے، اس لیے اب دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگوں کے جھوٹ کو سچ سمجھا جاتا ہے۔ آج ظاہری ترقی کی منازل طے کرنے والے اور نام نہاد مہذب یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر افراد ہی سب سے بڑے جھوٹے اور مکار ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا تین آیات میں سچوں کے لیے جو معیار اور اعمال بتائے گئے ہیں، جو ان پر قائم نہیں ہوگا وہ سچ سے دور ہوگا۔ بس مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر بددین کی بات کو سچا ماننے کی بجائے بات کرنے والے کو مذکورہ بالا معیار پر پرکھیں اور پھر اس کا فیصلہ کریں کہ اس کی بات کو سنا جائے یا نہیں؟ اور اس کی بات کو مانا جائے یا نہیں؟ یاد رکھیے! جھوٹ سننا اور جھوٹ ماننا دونوں خطرناک بیماریاں ہیں۔ یہی حکم بلا ضرورت جھوٹ پڑھنے کا بھی ہے۔



دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ سچ بہت بڑی دولت ہے۔ اور یہ دولت اللہ تعالیٰ کے قرب اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کی بدولت نصیب ہوسکتی ہے۔ پس ہم ان اعمال کو اختیار کریں اور ان اعمال پر پختہ رہنے والوں کی صحبت کو اختیار کریں، کیا عجب ہے کہ ہمیں بھی صادقین کی پیاری جماعت میں شامل کرلیا جائے۔

۴ سچ وہ عمل ہے جو قیامت کے دن نفع دے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بنے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ انہیں میں بستے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں، یہی ہے بڑی کامیابی۔" [1]

دیکھیے! سچ کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ آیت مبارکہ میں جس سچ کے قیامت کے دن نافع ہونے کا تذکرہ ہے، یہ دنیا میں بولا گیا اور اختیار کیا گیا سچ ہے، اور یہی قولی اور عملی سچ قیامت کے دن نفع دے گا۔ لیکن جو لوگ دنیا میں جھوٹ بولتے رہے اور جھوٹ پر قائم رہے انہیں قیامت کے دن ہزار بار سچ بولنا بھی نفع نہیں دے گا۔

۵ سچے لوگ ہی آزمائشوں میں کامیاب ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝

"کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا بس اللہ تعالیٰ ان کو ضرور معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔" [2]

عام حالات میں بظاہر جھوٹ سے بھی گزارہ چل جاتا ہے، لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آتا ہے تو پھر جھوٹ کسی کام نہیں آتا، بلکہ اس وقت جھوٹ صرف اور صرف رسوائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ دنیا کے عام معاملات اور مقدمات میں غور کریں تو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جھوٹ کی عمر

[1] [المائدہ:۱۱۹]   [2] [العنکبوت:۲،۳]

بہت تھوڑی ہوتی ہے اور بالآخر اس کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ ایمان کا دعویٰ بھی بہت سارے لوگ کر لیتے ہیں، لیکن جب آزمائشیں اور امتحانات شروع ہوتے ہیں تب صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو ایمان کے دعوے میں سچے ہوتے ہیں۔ اسی طرح موت کے امتحان کے وقت بھی سچ کام آئے گا۔ قبر کی آزمائش میں بھی سچ ہی فائدہ دے گا، اور قیامت کے دن حشر کے میدان کی سخت آزمائش میں بھی سچ اور سچائی ہی کام آئے گی، اور جھوٹ ان تمام مقامات پر رسوائی و ذلت کے سوا کچھ نہیں دے گا۔ تو پھر کیوں نہ سچ اور سچائی کو لازم پکڑا جائے اور جھوٹ سے اسی طرح نفرت کی جائے جس طرح غلاظت کھانے سے نفرت کی جاتی ہے۔

٦ سچ ایمان کی نشانی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی بدلہ ملتا ہے، جبکہ جھوٹ منافقوں کا شیوہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

”ایمان والوں میں کتنے ہی ایسے فرد ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا، تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں، اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا (چاہے تو) ان پر مہربانی کرے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“[1]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا، پچھلے رکوع میں گزر چکا ﴿وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ﴾ (یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میدان جہاد

---

[1] [الاحزاب: ٢٣، ٢٤]

سے پیٹھ نہیں پھیریں گے) اسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ان کے برعکس کتنے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہدو پیمان سچا کر دکھلایا، بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا اور اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو زبان دے چکے تھے پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی، جیسے شہداء بدر و احد، جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے، اور بہت سے مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ ''موت فی سبیل اللہ'' کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے چکے اور جو مشتاق شہادت ہیں) اپنے عہدو پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔

فائدہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے)، گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ۔ ﴿لِیَجْزِیَ اللّٰہُ الصّٰدِقِیْنَ﴾ یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغا باز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے، اس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔''[1]

سچ بولنے کے عادی سچ ہی بولتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اور بندوں کے سامنے بھی۔ جبکہ منافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد پر بھی جھوٹے اترتے ہیں۔سچوں کے لیے بہترین

[1] [تفسیر عثمانی۔ج:۳،ص:۱۲۴،ط:دارالاشاعت، کراچی]

بدلہ یقینی ہے، جبکہ منافقوں کے لیے عذاب ہے۔ اسی بات کو مدنظر رکھ کر اپنے اندر سچائی پیدا کرنی چاہیے اور جھوٹ سے بچنا چاہیے۔

⑦ سچ سے ہی تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝

”تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے، کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ جو چاہیں گے ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس (موجود) ہے، یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا۔“[1]

”یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کہیں اور سچ کی تصدیق کریں۔“[2]

”جو سچ لایا وہ نبی اور جس نے سچ مانا وہ مؤمن۔“[3]

جلالین میں بھی یہی تفسیر مذکور ہے۔[4]

امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے:

”سچ لانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔“[5]

علامہ محلّی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اَلصِّدْق“ (سچائی) کی تفسیر ”قرآن مجید“ سے کی ہے۔[6]

---

[1] [الزمر: ۳۲، ۳۳، ۳۴] [2] [تفسیر عثمانی۔ ج: ۳، ص: ۲۹۹، ط: دار الاشاعت، کراچی]
[3] [موضح قرآن۔ ص: ۵۹۹، ط: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی]
[4] [تفسیر جلالین۔ ص: ۴۴۱، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور] [5] [حاشیہ جلالین۔ ص: ۴۴۱، ط: مکتبہ رحمانیہ، کراچی]
[6] [جلالین۔ ص: ۳۸۷، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

توجہ فرمائیے! قرآن سچا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے، ایمان والے سچے، پھر ایک مسلمان کے لیے کہاں جائز ہے کہ جھوٹ کو زبان پر لائے یا جھوٹ کی پیروی کرے؟ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ فرما کر یہ بات بھی سمجھا دی کہ متقی ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور جھوٹ کہاں جمع ہو سکتے ہیں؟

٨ اللہ تعالیٰ سچ کی تعریف فرماتے ہیں اور سچائی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝	”اور کتاب میں اسماعیل (علیہ الصلوۃ والسلام) کا بھی ذکر کیجیے وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے۔“[1]

آیت مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی صفت ”صادق الوعد“ کی تعریف وثناء بیان کی گئی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی سچائی اور وعدے کی پابندی بہت مشہور تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ سے یابندوں سے جو وعدہ فرماتے تھے، اسے پورا کرتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ وعدہ کیا کہ تم بازار سے زادِ راہ خرید کر لاؤ اور میں یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔ وہ شخص بازار جا کر بھول گیا۔ ایک سال کے بعد اس شخص کا گزر وہاں سے ہوا تو اس نے حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو وہیں پایا۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام وعدے کے مطابق ایک سال سے اس کا اسی جگہ انتظار فرما رہے تھے۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ زبان کی مضبوطی اور سچائی بہت عالی صفت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ سچائی کی تعریف فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سچ اور سچائی کی عظمت ہر مسلمان کے دل میں پیدا فرمائے۔ آمین

٩ قیامت کے دن سچائی کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

---

[1] [مریم:٥٤] [2] [حاشیہ جلالین۔ص:٢٩٨، ط: مکتبہ رحمانیہ، کراچی]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ○	''تا کہ (اللہ تعالیٰ) سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[1]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا، تاکہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا واضح اور ظاہر ہو جائے اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ آگے جنگ احزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مؤمنین اور ان کے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور ان کے ظاہر ثمرات و نتائج ذکر کیے ہیں۔''[2]

۱۰ سچ میں ہی خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ○	''(خوب کام تو) فرمانبرداری اور بھلی بات کہنا (ہے)، پھر جب (جہاد کی) بات پختہ ہوگئی تو اگر یہ لوگ سچے رہیں اللہ تعالیٰ سے تو ان کے لیے بھلا ہے۔''[3]

یعنی منافقین زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب جہاد کا تاکیدی حکم آتا ہے تو اس وقت خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سچا نہیں کرتے۔ حالانکہ ایسے حالات میں اگر وہ سچے ثابت ہوں تو ان کے لیے بڑی خیر اور بھلائی کی بات ہے۔

﴿لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ﴾ کی تفسیر میں بعض مفسرین لکھتے ہیں:

''سچ ان کے لیے بہتر تھا جھوٹ سے، نفاق سے اور جہاد چھوڑ بیٹھنے سے۔''[4]

۱۱ سچ کے بدلے اللہ تعالیٰ کی سچی بیٹھک۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ○	''سچی بیٹھک میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں (رہیں گے)۔''[5]

[1] [الاحزاب:۸] [2] [تفسیر عثمانی۔ج:۳،ص:۱۱۵،ط:دارالاشاعت،کراچی]

[3] [سورۂ محمد:۲۱] [4] [حاشیہ جلالین۔ص:۴۸۲،ط:مکتبہ رحمانیہ،لاہور] [5] [القمر:۵۵]

یعنی سچوں کو ان کی سچائی کی بدولت اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں سچی بیٹھک نصیب ہوگی۔ سبحان اللہ!

(۱۲) سچائی ان اعمال اور اسباب میں سے ہے، جن پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"[1]

(۱۳) کسی کے ساتھ رشتے داری یا کسی کے ساتھ دشمنی تمہیں سچ بولنے سے نہ روکے۔ ہر حال میں سچی گواہی دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو، اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ تعالیٰ ان کا خیر خواہ ہے، تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل نہ چھوڑ دینا، اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا

[1] [الاحزاب:۳۵]

وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ○	(شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“[1]

یعنی ہر حال میں سچی گواہی دو، اگر چہ یہ گواہی خود تمہارے یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف جارہی ہو۔ اسی طرح کسی مالدار کی اعانت کرکے یا کسی فقیر پر ترس کھا کر سچ کو نہ چھوڑو بلکہ سچ ہی بولو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری نسبت ان کا زیادہ خیرخواہ ہے۔ اسی طرح زبان مروڑ کر سچ میں جھوٹ کا شائبہ شامل کرنے کی کوشش بھی نہ کرو، بلکہ گواہی سچی، صاف اور مکمل دیا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ○	”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو، اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف (یعنی سچائی) کو چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے۔“[2]

آج کل عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ محبت اور دشمنی میں جھوٹ جائز ہے۔ مذکورہ بالا دونوں آیات کریمہ پر غور فرمائیں کہ کس قدر وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا گیا کہ نہ تو کسی کے ساتھ تعلق تمہیں سچ اور انصاف سے باز رکھے اور نہ کسی کی دشمنی تمہیں سچ اور انصاف سے روکے۔ آج کل خاندانی اور علاقائی جھگڑوں یا مسلکی نفرت اور دشمنی کی وجہ سے معلوم نہیں کتنا جھوٹ بولا جاتا ہے؟ اور اس جھوٹ کو لکھا بھی جاتا ہے اور اسے خوب پھیلایا بھی جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے اور جھوٹ کی عادت بد سے سب کی حفاظت فرمائے کہ یہ ظالم بیماری اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت کو اپنے سے دور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(۱۴) ہمیشہ سچ بولنے، سچ کو قبول کرنے اور سچ کو اختیار کرنے سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ”صدیق“ لکھا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ اور قرآن مجید میں ”صدیق“ کے کئی

---

[1] [النساء:۱۳۵]   [2] [المائدہ:۸]

فضائل بیان کئے گئے ہیں، مثلاً وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات یقینی ہیں، اور صدیق کے لئے قیامت کے دن خصوصی نور ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے:

سورۂ نساء، آیت: ۶۹ اور سورۂ حدید، آیت: ۱۹۔

حقیقت یہ ہے کہ سچائی انسان کو ایمان کی بلندیوں تک لے جاتی ہے، جبکہ جھوٹ انسان کو فسق وفجور اور نفاق کی طرف لے جاتا ہے۔

یہاں تک ہم نے چودہ عنوانات کے ذیل میں سچ کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں بعض قرآنی آیات کا تذکرہ کیا ہے۔ اب قرآن مجید کی روشنی میں جھوٹ کی مذمت اور خرابی کو بیان کرتے ہیں۔

جھوٹ

قرآن مجید میں جھوٹ کی مذمت پر درجنوں آیات موجود ہیں۔ ہم جھوٹ کے بارے میں قرآنی آیات کا خلاصہ دس عنوانات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

۱ شرک سے اور جھوٹ سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ○	’’پس بتوں کی گندگی سے بچو اور بچتے رہو جھوٹ بولنے سے۔‘‘[۱]

’’قول زور‘‘ سے مراد جھوٹ ہے۔ حق کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور جھوٹ میں داخل ہے، خواہ عقائد فاسدہ شرک وکفر ہوں یا معاملات میں یا شہادت میں جھوٹ بولنا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سب کبیرہ گناہوں میں سے بڑے کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور عام باتوں میں

[۱] [الحج: ۳۰]

جھوٹ بولنا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری لفظ "قَوْلَ الزُّوْرِ" کو بار بار فرمایا۔"[1]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت (یعنی گواہی) دینا، اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کر کے ذبح کرنا، کسی چیز کو بلا دلیل شرعی حرام کہنا سب "قَوْلَ الزُّوْر" ہیں۔"قَوْلَ الزُّوْر" کی برائی کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔"[2]

(۲) اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں "عباد الرحمٰن" کی صفات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ جھوٹ سے بہت دور رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○	"اور (عباد الرحمٰن وہ ہیں) جو شامل نہیں ہوتے جھوٹ کے کام میں اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔"[3]

"یعنی نہ جھوٹ بولیں، نہ جھوٹی شہادت دیں، نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔"[4]

وہ لوگ جو دن رات جھوٹی فلمیں، جھوٹے ڈرامے اور جھوٹے ناٹک دیکھتے ہیں اور جھوٹے قصے، کہانیاں اور افسانے پڑھتے ہیں، یا دین کے معاملے میں یا دنیا کے معاملے میں جھوٹ بولتے ہیں، وہ اس آیت مبارکہ پر غور فرمائیں اور اپنی روش سے باز آئیں۔تفسیر "جلالین" میں ﴿لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے:

لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اَیْ: اَلْكِذْبَ وَ الْبَاطِلَ۔

"وہ جھوٹ اور باطل کاموں میں شریک اور حاضر نہیں ہوتے۔"[5]

---

[1] [معارف القرآن۔ج:۶،ص:۲۶۳،ط:مکتبہ معارف القرآن، کراچی]

[2] [تفسیر عثمانی۔ج:۲،ص:۶۰۵،ط:دارالاشاعت، کراچی]

[3] [الفرقان:۷۲] [4] [تفسیر عثمانی۔ج:۲،ص:۷۳۳،ط:دارالاشاعت، کراچی]

[5] [تفسیر جلالین۔ص:۳۵۱،ط:مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

(۳) جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے بچنے کے لئے قرآن کا یہ اہم حکیمانہ اعلان کہ انسان جو کچھ بولتا ہے وہ سب کچھ لکھ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○	’’کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر اسے لکھنے کے لئے ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔‘‘[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں جو انسان کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات لکھتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے سب کچھ لکھتے ہیں اور پھر جمعرات کے دن اس پر نظر ثانی کرتے ہیں اور جن باتوں میں خیر یا شر یا نیکی یا گناہ ہو تو انہیں محفوظ رکھتے ہیں اور باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بہت شرم کا مقام ہے کہ انسان اپنی زبان سے جھوٹ بولے اور اللہ تعالیٰ کے پاک فرشتے اسے لکھیں اور پھر وہ لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے، جس نے زبان کی نعمت اس لئے نہیں دی کہ اس سے جھوٹ بولا جائے، گالی دی جائے، یا غیبت کی جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اے ابن آدم! تیرے لئے اعمال نامہ بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں، ایک تیری دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔ دائیں جانب والا تیری حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو۔ اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر اور کم کر یا زیادہ۔ یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامۂ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا اور وہ تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔

[1] [ق:۱۸]

''یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا۔'' [1]

(۴) جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے بچانے کے لئے قرآن کریم کا یہ حکم کہ ''بلا تحقیق کوئی بات زبان سے نہ نکالو''۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○	''اور (اے بندے!) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس چیز کے پیچھے نہ پڑ، کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔'' [2]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر۔ آدمی کو چاہئے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے۔ سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد نہ شروع کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا (یعنی کسی کے بارے میں کوئی بات سن کر اس کو تنگ کرنا) یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تعظیم یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی ہوئی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں، یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا۔'' [3]

---

[1] [معارف القرآن۔ ج:۸، ص:۱۴۲، ط: مکتبہ معارف القرآن، کراچی] [2] [بنی اسرائیل:۳۶]
[3] [تفسیر عثمانی۔ ج:۲، ص:۳۸۹، ط: دارالاشاعت، کراچی]

یہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد کسی مسلمان میں یہ جرأت باقی نہیں رہتی کہ وہ زبان سے جھوٹ نکالے یا کوئی گناہ کا کام کرے۔

۵ جھوٹ کی وجہ سے محرومی یا بھاری کفارہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ○	”جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں)، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے، بے شک وہ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔“[1]

بیوی کو ماں کہنا ایک جھوٹی اور نامعقول بات ہے اور اس پر بڑا بھاری کفارہ رکھا گیا ہے جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ اس مسئلے کی تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں تو اتنا عرض کرنا ہے کہ ایک جھوٹا جملہ زبان سے نکالنے کی وجہ سے آدمی اپنی شریک حیات سے دنیا میں محروم ہو جاتا ہے یا اسے بھاری کفارہ اداء کرنا پڑتا ہے۔ جب دنیا میں یہ حال ہے تو آخرت میں جھوٹ کی سزا کتنی خطرناک ہوگی؟ آگے احادیث کے بیان میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا کچھ تذکرہ آجائے گا۔

۶ جھوٹا ناشکرا شخص ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ○	”بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔“[2]

چونکہ ایمان کی بنیاد سچ پر ہے اور کفر اور نفاق کی بنیاد جھوٹ پر ہے، اس لئے جسے جھوٹ کی عادت پڑ جائے اور وہ جھوٹ ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے ایسے شخص کا دل کالا ہو جاتا ہے، اور بالآخر وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جھوٹا آدمی جھوٹ اور ناحق کے ساتھ چمٹ جاتا

[1] [مجادلہ:۲] [2] [الزمر:۳]

ہے اور سچ اور حق کو چھوڑ دیتا ہے۔

⑦ جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ○

”پھر اگر یہ لوگ اس بارے میں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں) تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو (ان سے) کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ، پھر دونوں فریق (اللہ تعالیٰ سے) دعاء والتجاء کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں“۔[1]

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کے الفاظ پڑھ کر انسان کی روح کانپ جاتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے کلام پر یقین آجائے تو محض یہی الفاظ انسان کو جھوٹ سے باز رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ اگرچہ آیت مبارکہ میں جس جھوٹ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا تذکرہ ہے اس جھوٹ کا تعلق عقائد سے ہے، لیکن جھوٹ بہر حال جھوٹ ہوتا ہے، خواہ وہ عقائد میں سے ہو یا معاملات میں اور چھوٹا جھوٹ انسان کو بڑے جھوٹ کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ معاملات میں، جھوٹ پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○

”اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں (بار) یہ (کہے) اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت“۔[2]

[1] [آل عمران:٦١] [2] [النور:٦،٧]

ان آیات میں ''لعان'' کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کی تفصیل کتب تفسیر وفقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں تو صرف اس بات کی دعوت دینا مقصود ہے کہ اسلام میں کسی مسلمان پر لعنت بھیجنے کی سختی سے ممانعت آئی ہے اور مسلمان پر لعنت بھیجنے کو اس کے قتل کی طرح قرار دیا گیا ہے، مگر جب یہی مسلمان جھوٹ بولنے لگ جائے اور جھوٹی تہمتیں لگانے لگے تو پھر اس پر لعنت بھیجنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کے ترجمے سے واضح ہو رہا ہے۔

⑧ نفاق اور جھوٹ لازم وملزوم۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○	''اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔'' [1]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○	''اگر مال غنیمت کا ملنا آسان ہوا اور سفر بھی ہلکا ہوتو (یہ منافق لوگ) آپ کے ساتھ (شوق سے) چل دیتے لیکن لمبی نظر آئی ان کو (تبوک کی) مسافت، اور اب اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے اگر ہم سے ہوسکتا تو ہم آپ کے ساتھ ضرور نکل پڑتے، یہ (جھوٹے عذر کر کے) خود کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔'' [2]

غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد سے بچنے کے لئے منافقوں نے جھوٹ کے ریکارڈ قائم کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں ان کے جھوٹے ہونے کا علم ہے اور اس جھوٹ اور نفاق کا وبال خود انہی پر پڑنے والا ہے۔

[1] [المنافقون:۱] [2] [التوبہ:۴۲]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

''اور جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور ایمان والوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے جنگ کر چکے ہیں ان کے لئے گھات کی جگہ (یعنی سازشوں کا اڈہ) بنائیں، اور یہ (منافق لوگ) قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی، مگر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔''[1]

ان تین آیات میں جھوٹ کا منافقین کی خاص صفت ہونا ثابت ہوگیا، اور ان کے مختلف طرح کے جھوٹ بھی سامنے آگئے۔ پس مسلمانوں کو جھوٹ سے بچنا چاہئے، کیونکہ جھوٹ مسلمانوں کی صفت ہرگز نہیں ہے۔

(۹) جھوٹ نیکیوں سے محرومیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''اور صحرا نشینوں میں سے کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (آپ کے پاس) آئے کہ ان کو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے، سو جو لوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں ان کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔''[2]

غزوہ تبوک کے موقع پر کچھ لوگ تو سچے اور جھوٹے عذر بتا کر جہاد سے رکنے کی اجازت مانگ رہے تھے، لیکن جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولنے کے عادی تھے اور نفاق ان کے دلوں میں اتر چکا تھا وہ بے باک ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔ بے شک جھوٹ کی عادت انسان کو اس حد تک گرا دیتی ہے کہ پھر فرائض چھوڑنے پر بھی دل میں کوئی کڑھن یا شرم محسوس

[1] [التوبہ:۱۰۷] [2] [التوبہ:۹۰]

نہیں ہوتی۔(العیاذ باللہ)

۱۰ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی مذمت۔

ہم نے پیچھے پڑھ لیا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بولتے تھے۔ چونکہ یہ بہت بدترین جرم ہے، اس لئے قرآن مجید کی بیسیوں آیات میں اس کی مذمت اور قباحت کا بیان ملتا ہے۔ اگر ان آیات کو لکھا جائے تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔ اس لئے ہم ان آیات کے عنوانات اور آیات نمبر کا ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ جو تفصیل سے دیکھنا چاہے وہ قرآن مجید میں ان آیات کو دیکھ لے۔

- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں سے بڑھ کر کون ظالم ہے؟ الانعام:۲۱، الصّف:۷، یونس:۱۷، ھود:۱۸، الکہف:۱۵، عنکبوت:۶۸، الانعام:۹۳، الانعام:۱۴۴ وغیرھا۔
- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا کافروں کا شیوہ ہے۔ مائدہ:۱۰۳
- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کبھی فلاح اور کامیابی نہیں پاتے۔ یونس:۶۹، نحل:۱۱۶
- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کے منہ قیامت کے دن سیاہ ہوں گے۔ الزمر:۶۰
- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کے خلاف فرشتے گواہی دیں گے۔ ھود:۱۸
- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ دردناک عذاب کا ذریعہ ہے۔ البقرہ:۱۰

احادیثِ مبارکہ

یہاں تک ہم نے سچ اور جھوٹ کے بارے میں قرآنی دعوت کا خلاصہ پڑھ لیا۔ اب آتے ہیں صادق و مصدوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک فرامین کی طرف۔ یہ اس امت کی خوش نصیبی ہے کہ امت کے غم خوار، ہمدرد اور اس کی نجات اور کامیابی کی خاطر تڑپنے والے پاک نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداہ ابی وامی کے مبارک کلمات محفوظ ہیں، اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت محفوظ رہیں

گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آج بھی امت سے خطاب فرماتے ہیں اور امت کو کامیابی کا راستہ بتاتے ہیں اور اپنے اثر انگیز بیانات کے ذریعے سے امت کو ہلاکت کے راستوں سے بچاتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک صحبت کا شرف تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کرلیا اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال کے بعد یہ شرف کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیانات،خطبات،کلمات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت آج بھی محفوظ ہے،اور اس کے ذریعے سے امت قیامت تک رہنمائی حاصل کرسکتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیانات کا اثر آج بھی زندہ ہے۔کوئی انسان جس قدر گناہوں میں ڈوب چکا ہو اور گناہ اس کی مجبوری بن چکے ہوں،لیکن جب وہ اس گناہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلمات سنتا ہے تو اسے خود بخود اس گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو شخص سستی اور غفلت کی دلدل میں جس قدر پھنسا ہوا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اثر انگیز بیانات اس کا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور اسے اس دلدل سے نکال کر صراط مستقیم کے صاف اور کشادہ راستے پر کھڑا کر دیتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین آب حیات ہیں،ان سے مُردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے، مایوس لوگوں میں ایمان کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور غفلت کے پردے چاک ہو جاتے ہیں اور گناہوں کی غلاظت دُھل جاتی ہے۔آئیے! سچ کو اختیار کرنے اور جھوٹ جیسی گندی بیماری سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے امت کو عطاء فرمودہ آب حیات کے چند قطرے نوش جاں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کی برکت سے ہمیں ساری زندگی سچ کی توفیق دے کر صدیقین میں شامل فرمائے گا اور جھوٹ سے بچا کر کذاب بننے سے محفوظ رکھے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زبان کی حفاظت کی بہت تاکید فرمائی ہے اور بولنے سے زیادہ خاموش رہنے کو ترجیح عطاء فرمائی ہے مگر یہ کہ خیر کی بات بولی جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ اور سچائی کو لازم پکڑنے اور جھوٹ سے بچنے کی بے حد ترغیب دی ہے، اور ہر طرح کے جھوٹ سے

امت کو بچانے کے لئے اثر انگیز بیانات فرمائے ہیں۔ ہم ذیل میں چالیس احادیث مبارکہ ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں سے پہلے ان احادیث کا تذکرہ ہوگا جن میں عمومی طور پر زبان کی حفاظت کا بیان ہے، اور ان کے بعد سچ اور جھوٹ کے متعلق احادیث کا بیان ہوگا۔

یہ احادیث مبارکہ امت کے نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب ہے۔ جس کے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا وہ ان کو محبت اور عقیدے کے ساتھ پڑھے گا، اور یہ خیال کرے گا کہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا ایک فرد ہوں پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ میرے لئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب مجھ سے ہے، اور مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم پر دل و جان سے عمل کروں۔

۱ اچھی بات بولو یا خاموش رہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے۔“[۱]

شارح مسلم ”علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ“ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ صَرِيْحٌ فِيْ أَنَّهٗ يَنْبَغِيْ أَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ إِلَّا إِذَا كَانَ الْكَلَامُ خَيْرًا، وَهُوَ الَّذِيْ ظَهَرَتْ مَصْلَحَتُهٗ، وَمَتٰى شَكَّ فِيْ ظُهُوْرِ الْمَصْلَحَةِ فَلَا يَتَكَلَّمْ۔

”اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ انسان کو کلام خیر کے سوا کچھ نہیں بولنا چاہئے، اور کلام خیر وہ ہے جس کی بھلائی ظاہر ہو اور جب بھلائی میں شک ہو تب بھی نہ بولے۔“[۲]

۱ [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۷۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [ریاض الصالحین۔ رقم الحدیث: ۱۵۰۹، ط: مکتبۃ البشری، کراتشی]

دوسری جگہ "علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ" زبان کے استعمال کے بارے میں اسلام کے عمومی قانون کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّهُ يَنْبَغِيْ لِكُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَّحْفَظَ لِسَانَهُ عَنْ جَمِيْعِ الْكَلَامِ إِلَّا كَلَامًا ظَهَرَتْ فِيْهِ الْمَصْلَحَةُ، وَ مَتَى اسْتَوَى الْكَلَامُ وَ تَرْكُهُ فِي الْمَصْلَحَةِ. فَالسُّنَّةُ الْإِمْسَاكُ عَنْهُ، لِأَنَّهُ قَدْ يَنْجَرُّ الْكَلَامُ الْمُبَاحُ إِلَى حَرَامٍ أَوْ مَكْرُوْهٍ، وَ ذٰلِكَ كَثِيْرٌ فِي الْعَادَةِ، وَ السَّلَامَةُ لَا يَعْدِلُهَا شَيْءٌ.

"ہر مکلف شخص کو چاہئے کہ وہ ہر طرح کی باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے سوائے ان باتوں کے جن کی بھلائی بالکل واضح ہو۔ اور جب کسی بات کے کرنے اور نہ کرنے کی بھلائی برابر ہو تو ایسی بات نہ کرنا سنت ہے، کیونکہ کبھی کبھی ایک مباح بات انسان کو حرام اور مکروہ تک پہنچا دیتی ہے، اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے، اور (گناہوں سے) سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں۔ (پس سلامتی کے راستے کو اختیار کرنا چاہیے)۔"[1]

جب آدمی ہر بات بولنے سے پہلے اس پر غور کرے گا کہ اس بات کی بھلائی اور خیر یقینی ہے کہ نہیں اور پھر وہی بات بولے گا جس کی بھلائی یقینی ہوگی تو ایسا انسان جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے بہت زیادہ محفوظ رہے گا۔

۲ زبان کی حفاظت جنت کی ضمانت۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.

"جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی (حفاظت کی) ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"[2]

یعنی جو شخص زبان اور شرمگاہ کو شریعت کے مطابق استعمال کرنے اور خلاف شریعت

[1] [ریاض الصالحین۔ کتاب الأمور المنهی عنها، باب تحریم الغیبة والأمر بحفظ اللسان، ط: مکتبة البشری، کراتشی]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۷۴، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

کاموں سے روکنے کا عزم کرلے، اس شخص کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کی ضمانت دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضمانت سے بڑھ کر کس کی ضمانت ہو سکتی ہے؟

۳ افضل مسلمان کون؟

عَنْ أَبِي مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:

''مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔''

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لوگوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! مسلمانوں میں افضل کون ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''[1]

جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کی زبان کا شر دوسرے مسلمانوں تک پہنچتا ہے۔ پس زبان کو جھوٹ اور ہر طرح کے گناہوں سے روکنا اسلام کا تقاضا ہے، اور اسی عمل کے ذریعے مؤمن ''مجسمہ خیر'' بن جاتا ہے۔ لیکن جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ ہوں ایسا آدمی ''مجسمہ شر'' ہوتا ہے اور وہ اسلام سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

۴ اچھا اسلام کس کا ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔

''آدمی کے اسلام کی اچھائیوں میں سے بے کار باتوں کا چھوڑنا بھی ہے۔''[2]

بے شک! ایک اچھا مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی تیاری کے کاموں سے اتنی

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۱۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

فرصت کہاں پاتا ہے کہ فضول اور بے کار باتوں میں اپنا سرمایہ حیات ضائع کرے، جھوٹ بولنا تو بہت دور کی بات ہے۔

(۵) زبان سے نکلا ہوا صرف ایک کلمہ قابل رشک عروج یا خطرناک زوال کا باعث۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ. وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ. فَيَكْتُبُ اللهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔

”انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا کوئی کلمہ بولتا ہے اور اس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا (مگر) اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی رضائے دائمی قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے، اور ایک انسان کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا زبان سے نکال دیتا ہے اس کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کا وبال کہاں تک پہنچے گا (مگر) اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لئے لکھ دیتا ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ کی رضا کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مرتے دم تک اپنی رضا کے کاموں میں لگائے رکھتا ہے اور اس کی نیکیوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتا ہے اور اپنی رحمت اور اجر کے خزانے اس پر برساتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا مطلب اس کے برعکس ہے۔ غور فرمائیے کہ زبان سے نکلے ہوئے ایک کلمے کا اثر انسان کو کہاں تک پہنچاتا ہے۔

”معارف القرآن“ میں ابن کثیر کے حوالے سے حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

”اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں زبان سے نکالنے سے روک دیا ہے۔“ [2]

اسی طرح ایک اور روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۱۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [تفسیر ابن کثیر۔ ج: ۷، ص: ۳۹۸، ط: دار طیبة]

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ، مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْمَشْرِقِ۔

"ایک شخص اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے جس پر وہ غور نہیں کرتا، (مگر) وہ اس بات کی وجہ سے جہنم میں اتنی دور جا گرتا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔"[1]

۶ زبان کا زیادہ فضول استعمال اللہ تعالیٰ سے دوری کا ذریعہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ، وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ۔

"اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں دل کو سخت کر دیتی ہیں، اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد تلاوت کلام پاک، تمام طرح کے اذکار و درود اور تمام طرح کے دینی علوم اور دینی باتوں کا مذاکرہ ہے۔ ان کے علاوہ جو شخص زیادہ باتیں کرے گا اس کا کلام گناہوں سے محفوظ نہیں رہے گا اور زبان کے یہ گناہ اس کے دل کو سخت کر دیں گے اور دل کی سختی اسے اللہ تعالیٰ سے دور کر دے گی، جو کہ ایک بندے کے لئے بہت بڑا عذاب اور وبال ہے۔ العیاذ باللہ!

۷ زبان کی حفاظت ذریعہ نجات ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: "اِمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! راہِ نجات کیا ہے؟"

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۷۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۴۱۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنی زبان کو روکے رکھو، اور تمہارا گھر تمہارے لئے کافی رہے، اور اپنی خطاؤں پر گریہ وزاری کرتے رہو۔''[1]

غور کیا جائے تو یقین کامل نصیب ہوتا ہے کہ واقعی اگر انسان مذکورہ بالا تین امور کا اہتمام و التزام کرے تو وہ نجات پاتا ہے، دنیا کے فتنوں سے بھی اور آخرت کے عذاب سے بھی۔

⑧ جو زبان اور شرمگاہ سے بچا وہ جنتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وَّقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زبان اور شرمگاہ کے شر سے بچالیا وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔''[2]

دراصل یہی دو اعضاء گناہوں کا مرکز ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو تو یہی دو اعضاء نیکیوں کا مرکز اور انسان کی نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے۔

⑨ سب سے زیادہ خوف زبان سے۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! حَدِّثْنِيْ بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهٖ، قَالَ: قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ، فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتادیجئے جسے میں لازم پکڑوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۴۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۴۵۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''کہو میرا ربّ اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ میرے بارے میں سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟''

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا: اس سے۔'' [1]

یعنی ایمان کے بارے میں سب سے زیاد خطرہ زبان سے رہتا ہے۔ کیونکہ زبان کے گناہ بے شمار اور خطرناک ہیں، اور جو ان گناہوں میں پڑ جاتا ہے وہ ایمان سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے ایمان کی حفاظت کے لئے زبان کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔

(۱۰) زبان کا پھسلنا قدموں کے پھسلنے سے زیادہ بدتر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَقُوْلُ الْكَلِمَةَ لَا يَقُوْلُهَا إِلَّا لِيُضْحِكَ بِهَا أَهْلَ الْمَجْلِسِ يَهْوِيْ بِهَا أَبْعَدَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَزِلُّ عَلٰى لِسَانِهٖ أَشَدَّ مَا يَزِلُّ عَلٰى قَدَمَيْهِ

''آدمی کوئی بات کہتا ہے اور اس کا مقصد صرف لوگوں کو ہنسانا ہوتا ہے، (مگر) وہ اس بات کی وجہ سے اتنا نیچے گر جاتا ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے، اور آدمی اپنی زبان کے ذریعے اپنے قدموں کی بہ نسبت زیادہ سخت پھسلتا ہے۔'' [2]

پاؤں کے پھسلنے سے تو صرف جسمانی چوٹ آتی ہے یا زیادہ سے زیادہ موت آجاتی ہے، لیکن زبان کے پھسلنے سے بعض اوقات ایمان تک چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زبان کے پھسلنے سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

(۱۱) خاموشی میں بھلائی ہے۔

[1] [سنن الترمذی۔رقم الحدیث: ۲۴۱۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث: ۴۴۹۲، ط: مکتبۃ الرشد، الریاض]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ ”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔“[1]

چونکہ خاموشی کی وجہ سے آدمی جھوٹ اور زبان کے دوسرے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے خاموشی کو نجات قرار دیا گیا ہے۔

⑫ خاموشی سالہا سال کی نفل عبادت سے افضل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَقَامُ الرَّجُلِ لِلصَّمْتِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔

”آدمی کا خاموشی پر قائم رہنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔“[2]

⑬ خاموشی شیطان کو بھگانے والی اور دینی کاموں میں معاونت کرنے والی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ، فَإِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ، وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰى أَمْرِ دِيْنِكَ۔

”طویل خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی ہے اور دینی کاموں میں تمہاری مددگار ہوگی۔“[3]

⑭ فضول باتیں آخرت کے لئے خطرہ۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ فَقَالَ -يَعْنِيْ رَجُلًا-: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

أَوَلَا تَدْرِيْ فَلَعَلَّهٗ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهٗ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص وفات پا گئے تو ایک (دوسرے) صاحب نے فرمایا:

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۵۰۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [شعب الایمان للبیهقی۔ رقم الحدیث: ۴۶۰۲، ط: مکتبة الرشد، الریاض]

[3] [شعب الایمان للبیهقی۔ رقم الحدیث: ۴۵۹۲، ط: مکتبة الرشد، الریاض]

تمہیں جنت کی مبارک ہو۔"

اس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"تمہیں کیا معلوم کہ شاید اس نے کوئی فضول بات کی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کے پاس کم نہیں ہوتی تھی۔"[1]

⑮ دوسرے اعضاء کی زبان سے منت سماجت۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اِتَّقِ اللهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔

"جب آدمی صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کی منت کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، کیونکہ ہم تیرے ساتھ منسلک ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔"[2]

انسانی جسم کے تمام اعضاء زبان کے ساتھ منسلک ہیں، کیونکہ زبان کا کیا ان سب کو بھگتنا پڑتا ہے، اور زبان کی اچھائی کا بدلہ بھی ان سب کو ملتا ہے، اسی وجہ سے تمام اعضاء زبان کی منت سماجت کرتے ہیں۔

⑯ زبان کی وجہ سے اوندھے منہ جہنم میں۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی درخواست پر انہیں کچھ قیمتی اور تفصیلی نصیحتیں فرمائیں۔ ان نصائح کے آخر میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ؟ قُلْتُ: بَلٰى يَا نَبِيَّ اللهِ! فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ قَالَ: كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا۔ فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ! وَ إِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ:

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۱۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۴۰۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ! وَ هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ أَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ۔

"(اے معاذ!) کیا میں آپ کو اس (دین کے) معاملے کا نچوڑ نہ بتاؤں؟ (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا:

"ضرور بتایئے یارسول اللہ!"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا اور ارشاد فرمایا:

"اسے قابو میں رکھو۔"

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! جو کچھ ہم اس زبان سے بولتے ہیں کیا اس پر بھی ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفقت آمیز عتاب کے بعد فرمایا:

"لوگوں کو ان کی زبان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔"[1]

۱۷ جہنم میں جانے کے دو سبب......منہ اور شرمگاہ۔

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ: تَقْوَى اللّٰهِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ۔ وَ سُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ: اَلْفَمُ وَ الْفَرْجُ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو جنت میں سب سے زیادہ داخل کرنے والی چیزیں کون سی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"(وہ چیزیں) اللہ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق ہیں۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو جہنم میں سب سے زیادہ داخل کرنے والی

[1] [سنن الترمذی۔رقم الحدیث:۲۶۱۶، ط:دار الکتب العلمیہ، بیروت]

چیزیں کونسی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''منہ اور شرمگاہ ہیں۔''[1]

منہ میں زبان بھی شامل ہے، جو بہت سے لوگوں کے جہنم میں جانے کا باعث بنے گی، جیسا کہ حدیث: ۱۶ سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس لئے زبان کو اچھا اور سچا بنانا ہر مسلمان پر لازم ہے، تا کہ وہ جہنم سے بچ سکے۔

یہاں تک ہم نے وہ احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان کی حفاظت، اس کی اصلاح اور اس کے روکے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے اور زبان کے شر اور بری زبان کے انجام سے آگاہ فرمایا ہے۔ آگے ہم ان احادیث کو بیان کر رہے ہیں جن میں سچ کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت کا بیان ہے اور جھوٹ کی کئی اقسام کا بھی ذکر ہے۔

۱۸ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق کون، کذاب کون؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ، وَ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يَكُوْنَ صِدِّيْقًا۔ وَ إِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ، وَ إِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔

''سچ نیکی تک پہنچا تا ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ''صدیق'' لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور برائیاں جہنم تک پہنچاتی ہیں اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ''کذاب'' لکھ لیا جاتا ہے۔''[2]

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۰۰۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۰۹۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ہر مسلمان کو اس بات کی بھرپور محنت کرنی چاہیئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ''صدیق'' لکھا جائے، یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اور سچ کو لازم پکڑنے سے یہ سعادت نصیب ہو جاتی ہے، اور سچ میں فائدے ہی فائدے ہیں۔ اور ہر مسلمان کو اس بات کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب نہ لکھا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کے جھوٹ کو چھوڑ دے، حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور نہ ہی بچوں کو بہلانے کے لئے جھوٹ بولے۔ ویسے بھی جھوٹ میں نقصان ہی نقصان ہے۔

(۱۹) سچ ''آسمانی تحفہ'' ہے، جس کی دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسلام لانے سے پہلے ایک تجارتی سفر کے دوران رومی بادشاہ ''ہرقل'' نے انہیں طلب کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھا۔ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا:

قَالَ: مَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ: يَقُوْلُ: اُعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَ اتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَ الصِّلَةِ۔

''ہرقل نے پوچھا کہ وہ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ (ابوسفیان کہتے ہیں) میں نے کہا، وہ کہتے ہیں: ''ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہارے باپ دادا (شرک کرنے کے بارے میں) جو کچھ کہتے ہیں اسے چھوڑ دو، اور وہ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں حکم دیتے ہیں نماز کا، زکوٰۃ کا اور سچ بولنے کا اور پاکدامنی کا اور صلہ رحمی کا۔'' [1]

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ''ہرقل'' جو سابقہ مذہبی کتابوں کا ماہر عالم تھا، اس نے حضرت ابوسفیان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ اس روایت سے سچ کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ یہ وہ صفت اور عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے، اور اپنے مقرب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے اس کی دعوت دیتا

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ہے۔مگر افسوس! آج اس سچ کو ہر جگہ ذبح کیا جارہا ہے،ادنیٰ سے ادنیٰ جھوٹ کے قدموں پر اسے بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔

۲۰ سچ میں اطمینان اور سکون ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ، وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ۔

''چھوڑ دو ان چیزوں کو جو تمہیں شک میں ڈالتی ہیں، ان چیزوں کو کرو جو شک میں نہیں ڈالتیں۔بے شک سچ میں سکون ہے اور جھوٹ میں شک (اور بے قراری) ہے۔''[1]

بے شک سچ میں ہر طرح کا سکون اور اطمینان ملتا ہے، کیونکہ اس کا حال بھی اچھا ہے اور انجام بھی، جبکہ جھوٹ انسان کو پریشان کرتا ہے اور بے قراری میں مبتلاء کرتا ہے، اور جھوٹ کی پریشانی میں آدمی مزید سو جھوٹ بولتا ہے۔اور جھوٹ کا انجام بھی بہت شرمناک اور برا ہوتا ہے۔

۲۱ سچ کی بدولت روزی میں برکت۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا - أَوْ قَالَ: حَتّٰى يَتَفَرَّقَا - فَإِنْ صَدَقَا وَ بَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَ كَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔

''خریدنے اور بیچنے والا جب تک جدا نہ ہو جائیں انہیں (خرید و فروخت منسوخ کرنے کا) اختیار رہتا ہے۔پھر اگر دونوں سچ بولتے ہیں اور (سامان وغیرہ کا) عیب بتاتے ہیں تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ان کی خرید و فروخت میں برکت ڈال دی جاتی ہے، (لیکن) اگر وہ (عیب) چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت سے برکت کو اٹھالیا جاتا ہے۔''[2]

آج کا تاجر اور خریدار اپنی چرب لسانی اور جھوٹ پر بھروسہ کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اسی ذریعے سے وہ نفع حاصل کرسکتا ہے، جبکہ صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تجارت

[1] [سنن الترمذی۔رقم الحدیث: ۲۵۱۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔رقم الحدیث: ۲۰۸۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

میں برکت سچ کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سچا ہے اور روزی میں برکت کا راز سچ اور معاملے کی صفائی میں پوشیدہ ہے۔ وہ لوگ جو جھوٹ اور دھوکے کے ذریعے مال کماتے ہیں، ان کا مال ان کے جسم میں بیماری بن کر اترتا ہے اور جلد ہی دوسرے لوگوں کی جیبوں میں جا پہنچتا ہے اور اس طرح سے کمایا ہوا مال کبھی بھی سکون اور صحت کا باعث نہیں بنتا۔

(۲۲) سچ کو لازم پکڑنے والا تاجر قیامت کے دن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ۔

''پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''[1]

تاجر عام طور سے جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور امانت داری سے ڈرتے ہیں، اسی لئے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ تاجروں کا حشر قیامت کے دن فاسقوں کے ساتھ ہوگا، سوائے ان کے جو سچ اور نیکی پر قائم رہیں۔ بس جو تاجر بازار کے آپا دھاپی والے ماحول میں جا کر بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے اور نفع ونقصان کی پرواہ کئے بغیر سچائی اور امانتداری کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں، ایسے تاجر اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے ہیں جن کا حشر قیامت کے دن ان حضرات کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا برسنا یقینی ہے۔ چنانچہ یہ تاجر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش کے مستحق ہو جائیں گے اور میدان حشر کی مشکلات اور ہولناکیوں سے محفوظ رہیں گے۔

(۲۳) منافق کی چار نشانیاں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۲۰۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا۔ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَ إِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔

''جس میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) ﴿۱﴾ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔ ﴿۲﴾ جب کوئی بات بیان کرے تو جھوٹ بولے۔ ﴿۳﴾ جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔ ﴿۴﴾ جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔''[1]

اس حدیث شریف میں عملی نفاق کی چار علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں، اور ان امور کو نفاق قرار دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اچھا ایمان اور اچھا عقیدہ انسان کو اچھے اعمال پر لاتا ہے۔ پس جس کا ایمان اسے جھوٹ، دھوکے، خیانت اور گالیوں سے نہیں روک سکتا وہ ایمان عذاب قبر اور آخرت کے عذاب کو کس طرح روک سکے گا؟ جب ایمان اور عقیدے کی کمزوری ہوتی ہے تو انسان سے یہ چاروں بدتر گناہ سرزد ہوتے ہیں، اور ان چاروں گناہوں کی وجہ سے آدمی مخلوق کے درمیان اسی طرح غیر معتبر ہو جاتا ہے جس طرح وہ اپنے ایمان اور عقیدے میں کھوٹ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر معتبر ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

﴿۲۴﴾ جھوٹ کی بدبو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِیْلًا مِّنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ۔

''جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے اس سے ایک میل دور ہٹ جاتا ہے۔''[2]

جھوٹ میں سے جو بدبو اٹھتی ہے وہ فرشتوں کو بہت ناگوار گزرتی ہے اور وہ جھوٹ بولنے

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۰۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۹۷۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

والے سے دور ہٹ جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس بدبودار جھوٹ کی وجہ سے انسان کی روح پر کیسے اثرات پڑتے ہوں گے اور اس کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟

(۲۵) جھوٹا خواب گھڑنے کی سزا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ أَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَّفْعَلَ۔

''جس شخص نے ایسا خواب گھڑلیا جو اس نے نہیں دیکھا تو قیامت کے دن اسے دو ''جو'' کے دانوں کو آپس میں گرہ لگانے کا کام سونپا جائے گا جسے وہ نہیں کر سکے گا۔'' [۱]

قیامت کے دن ایک ایک لمحہ بہت سخت ہوگا اور ہر شخص کی تمنا ہوگی کہ جلد از جلد اپنے حساب سے فارغ ہو۔ ایسے وقت میں جھوٹے خواب گھڑنے والوں کو کہا جائے گا کہ ''جو'' کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگاؤ۔ چونکہ یہ کام ناممکن ہے پس وہ بہت طویل عرصے تک عذاب میں مبتلاء رہیں گے۔ (العیاذ باللہ)

(۲۶) اَن دیکھی کو دیکھی بتانا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرٰى أَنْ يُّرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَ۔

''سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا۔'' [۲]

یعنی کسی ایسی چیز کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے خود دیکھی ہے جو حقیقت میں اس نے نہ دیکھی ہو بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اور ایسے جھوٹ کا وبال بہت سخت ہوگا۔ آج کل واقعات سنانے میں عام طور پر احتیاط نہیں کی جاتی اور اس طرح کے جھوٹ دھڑلے کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

---

۱ [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷۰۴۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

(۲۷) جھوٹ کی سزا۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایک بار خواب میں کچھ گناہوں کی سزا کے خوفناک مناظر دکھائے گئے۔ اس واقعے کے دوران آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک شخص کو دیکھا جو چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ہاتھ میں لوہے کی ایک ایسی سلاخ لئے کھڑا تھا جس کا سرا مڑا ہوا تھا، وہ سلاخ والا آدمی اس لیٹے ہوئے آدمی کے منہ کی ایک طرف آتا اور اس کے جبڑے میں سلاخ ڈال کر گدی تک چیر دیتا، پھر دوسری جانب جا کر ایسے ہی کرتا۔ پھر اس آدمی کا منہ ٹھیک ہو جاتا اور چیرنے والا شخص دوبارہ چیرنے کا عمل شروع کر دیتا۔ بس یہی سلسلہ جاری رہتا۔ بعد میں اس شخص کے بارے میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بتایا گیا:

> ''وہ شخص جسے آپ نے اس حالت میں پایا کہ اس کے جبڑے، اس کا گلا اور اس کی آنکھیں اس کی گدی تک چیری جاتی ہیں تو یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھر سے نکل کر کوئی جھوٹی بات کہتا تھا اور وہ جھوٹ دور دور تک پہنچ جاتا تھا۔''[1]

آج ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے جھوٹ پھیلانے والے اور پرنٹر مشینوں میں جھوٹ چھپوا کر بیچنے والے اس حدیث شریف پر غور فرمائیں اور اپنی اس روش سے باز آئیں جس کا بڑا نقصان خود انہوں نے ہی اُٹھانا ہے۔

(۲۸) جھوٹے کی نشانی۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔

''ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ سنی ہوئی ہر بات کو نقل کر دے۔''[2]

جس آدمی میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور سچائی کا التزام ہوتا ہے وہ ہر سنی ہوئی بات کو شریعت اور

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷۰۴۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيثِ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

عقل پر جانچتا ہے، اور پھر صرف وہی بات آگے نقل کرتا ہے جس کے سچا اور اچھا ہونے کا اسے یقین ہوتا ہے۔ لیکن جھوٹے آدمی کو تو بولنے کے لئے کوئی نہ کوئی موضوع چاہئے، چنانچہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بلاتحقیق آگے نقل کر دیتا ہے، اور اس طرح سے کئی اور جھوٹی باتوں میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

(۲۹) مسلمان کا حق۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَخُوْنُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ۔

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور نہ اس کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ نہ تو دھوکہ بازی کرسکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے، اور نہ اسے رسوا کرسکتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ جو ان حقوق کو پامال کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حقوق العباد کو تلف کرنے کا مجرم بنتا ہے۔

(۳۰) لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ۔

"ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی بات کرتا ہے، ہلاکت ہے اس کے لئے، ہلاکت ہے اس کے لئے۔" [2]

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین بار ہلاکت اور بربادی کی وعید اس شخص کے لئے سنائی ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ آج وہ کام جسے ایک فن اور آرٹ سمجھا جاتا ہے

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۹۲۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۱۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

انسان کے لئے کس قدر ہلاکت خیز ہے؟ اس بات کا اندازہ مذکورہ بالا روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۳۱) معتبر اور نیک لوگوں کا جھوٹ بولنا بہت بڑی خیانت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَ أَنْتَ لَهٗ بِهٖ كَاذِبٌ۔

''یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی سے کوئی بات کہو، وہ تمہیں سچا جانتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔''[1]

وہ افراد جو لوگوں کی نظر میں نیک اور معتبر ہوتے ہیں ان کے بارے میں اس بات کا یقین کیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ لیکن اگر وہ بھی جھوٹ بولیں تو یہ بہت بڑی خیانت اور دھوکہ ہوگا، کیونکہ لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ سچ بول رہے ہیں۔ پس ایک گناہ میں کئی گناہ جمع ہو گئے، جھوٹ کا وبال الگ اور خیانت کا الگ اور لوگوں کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا وبال الگ گردن پر پڑا۔

(۳۲) جھوٹ غیر فطری عمل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَ الْكَذِبَ۔

''مؤمن ہر طرح کی خصلتوں پر پیدا کیا جاتا ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔''[2]

یعنی جھوٹ اور خیانت غیر فطری اور غیر طبعی اعمال ہیں، جن میں بعض انسان مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی فطرت اور جبلت میں جھوٹ اور خیانت نہیں رکھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کی اس بارے میں خصوصی تربیت کرنی چاہئے، تاکہ وہ اپنی فطرت کے مطابق سچ اور امانت پر قائم رہیں اور بیرونی اثرات کی وجہ سے جھوٹ اور خیانت جیسے غیر فطری افعال نہ سیکھ سکیں۔

(۳۳) مؤمن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

---

[1] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۴۹۷۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [مسند احمد۔ رقم الحدیث: ۲۲۱۷۰، ط: مؤسسۃ الرسالۃ]

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، أَنَّهٗ قَالَ: قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: أَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهٗ: أَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهٗ: أَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ: لَا۔

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا:

''کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟''

ارشاد فرمایا: ''ہاں۔''

پھر پوچھا گیا:

''کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟''

ارشاد فرمایا: ''ہاں۔''

پھر پوچھا گیا:

''کیا مؤمن کذاب ہوسکتا ہے؟''

فرمایا: ''نہیں۔''[1]

طبعی طور پر کوئی مسلمان بزدل یا بخیل ہو تو یہ ممکن ہے اور ایسا مسلمان جب مجاہدہ کر کے اور زور لگا کر بزدلی اور بخیلی کو چھوڑتا ہے تو اسے دوسروں کی نسبت زیادہ اجر وثواب ملتا ہے، لیکن ایمان اور جھوٹ جمع نہیں ہوسکتے اور کوئی مؤمن کذاب نہیں ہوسکتا۔

(۳۴) کسی کی نقل اتارنا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا أُحِبُّ أَنِّيْ حَكَيْتُ أَحَدًا وَأَنَّ لِيْ كَذَا وَ كَذَا۔

''مجھے یہ پسند نہیں کہ کسی کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا کچھ ملے۔''[2]

[1] [مؤطا امام مالک۔ رقم الحدیث: ۱۹، ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۵۰۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

چونکہ نقل اتارنے میں بعض اوقات دوسرے شخص کی تذلیل وتحقیر بھی ہوتی ہے اور اس میں جھوٹ کا بھی بہت زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی مجھے دنیا کا بہت سامال دے تب بھی کسی کی نقل نہیں اتاروں گا۔''

اس طرح کا جملہ عام طور پر کسی کام کے گناہ اور فضول ہونے پر بولا جاتا ہے۔

(۳۵) سچ پر قائم رہنے کی تاکید۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ أَنْفُسِکُمْ أَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ: اُصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُّمْ، وَأَدُّوْا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ، وَغُضُّوْا أَبْصَارَکُمْ، وَ کُفُّوْا أَيْدِيَکُمْ۔

''تم مجھے اپنی چھ چیزوں کی ضمانت دے دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں:

(۱) ......جب بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) ......جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔

(۳) ......جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے اداء کرو۔

(۴) ......اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ (۵) ......اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔

(۶) ......اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔''[۱]

(۳۶) کسی کی تعریف اور مدح سرائی میں مبالغہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ۔

''جب تم زیادہ تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔''[۲]

کسی کی تعریف جب زیادہ کی جائے تو اس میں جھوٹ اور مبالغے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جس

[۱] [السنن الکبری للبیھقی۔ رقم الحدیث: ۱۲۶۹۱، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

[۲] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۳۰۰۲، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت]

کی تعریف کی جارہی ہے اس کے بگڑنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے،اس لئے اس پر اتنی سخت وعید فرمائی گئی ہے۔مبالغے کے اس دور میں اس حدیث پر بہت زیادہ غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آج جس طرح سے شخصیات کو بڑھایا چڑھایا جاتا ہے وہ کسی بھی طرح درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ عام طور پر تعریف اور مدح سرائی میں جھوٹ اور مبالغے کو شامل کیا جاتا ہے۔(العیاذ باللہ)

(۳۷) فاسق کی تعریف اور مدح سرائی پر عرش لرز اُٹھتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ۔

''جب کسی فاسق کی تعریف (ومدح سرائی) کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو غضب آتا ہے اور عرش لرز اٹھتا ہے۔''[۱]

فاسق یعنی اللہ تعالیٰ کا کھلم کھلا نافرمان اس قابل کہاں ہوتا ہے کہ اس کی تعریف اور مدح سرائی کی جائے۔لیکن جب کچھ لوگ اپنے مقاصد کی خاطر کسی فاسق کی جھوٹی تعریف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو بہت غصہ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عرش کانپنے لگتا ہے۔آج کتنے ہی فاسقوں کی تعریف اور مدح سرائی کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور سیاسی اور دنیاوی مقاصد کے لئے ان کے حضور بناوٹی سپاسنامے پیش کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان فاسقوں کو خوب بڑھایا چڑھایا جاتا ہے۔ ان حالات میں اسلام کی دعوت کیا ہے؟ ہمیں مذکورہ بالا حدیث نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ سمجھارہی ہے۔اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(۳۸) جھوٹے کے لئے آگ کی زبان۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ۔

[۱] [شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث: ۴۵۴۴، ط: مکتبۃ الرشد، الریاض]

''جو شخص دنیا میں دو منہ والا ہو گا قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔''[1]

دو منہ والا یعنی جھوٹا اور منافق جو کبھی کچھ بولتا ہے اور کبھی کچھ، کسی کے سامنے کچھ بولتا ہے اور اس کی پیٹھ پیچھے کچھ، ایسے شخص نے دنیا میں ہمیشہ اپنے منہ میں دو زبانیں رکھیں اور ان کا غلط استعمال کیا، جس کے بدلے اس کی آخرت میں دو آگ کی زبانیں ہوں گی۔ جبکہ مؤمن سچا اور زبان کا پکا ہوتا ہے تو اس کی ایک ہی زبان ہوتی ہے، جو اس کے لئے نیکیوں کا مرکز بنی رہتی ہے۔

۳۹ شیطان جھوٹا ہے اور جھوٹ پھیلاتا ہے۔

قَالَ عَبْدُاللّٰہِ: إِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَیَأْتِی الْقَوْمَ، فَیُحَدِّثُھُمْ بِالْحَدِیْثِ مِنَ الْکَذِبِ، فَیَتَفَرَّقُوْنَ، فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْھُمْ: سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْھَهٗ وَلَا أَدْرِیْ مَا اسْمُهٗ یُحَدِّثُ۔

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''شیطان آدمی کی صورت اختیار کر کے لوگوں کے پاس آتا ہے اور انہیں کوئی جھوٹی بات سناتا ہے۔ لوگ متفرق ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی سے سنا جس کو میں چہرے سے پہچانتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا، وہ یہ بات سناتا ہے۔''[2]

۴۰ بہت سخت کبیرہ گناہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلَا أُنَبِّئُکُمْ بِأَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ؟ ثَلَاثًا، قَالُوْا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ- وَجَلَسَ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَقَالَ- أَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ، قَالَ: فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی قُلْنَا: لَیْتَهٗ سَکَتَ۔

''کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے زیادہ بڑے گناہ نہ بتاؤں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا: ''ضرور بتائیے یا رسول اللہ!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

1. [مسند الدارمی۔ رقم الحدیث: ۲۷۹۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
2. [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔(یہ فرمانے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے جبکہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر ارشاد فرمایا:”اور جھوٹی بات“۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس آخری کلمے (جھوٹی بات کہنا) کو بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بس فرما دیں۔“[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب جھوٹ کا تذکرہ فرما رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تکلیف اور ناگواری کے اثرات محسوس ہو رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس موذی مرض سے امت کو بچانے کے لیے بار بار تاکید فرمائے جارہے تھے، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تمنا کی کہ کاش! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بس فرمائیں اور زیادہ تکلیف نہ اٹھائیں۔

کاش! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ بار بار تاکید فرمانا اُمت مسلمہ کے ہر فرد پر اثر کرے اور ہر مسلمان جھوٹ کو چھوڑنے کا مکمل عزم کرلے۔

عِبرت و مَوعِظت

یہودی جھوٹے تھے اور آج تک انہوں نے جھوٹ کا اور جھوٹ نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہودی چاہتے ہیں کہ پوری دنیا کو جھوٹ اور دھوکے سے بھر دیں۔ان کے اس مشن میں مشرک اور عیسائی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔چنانچہ آج دنیا میں ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ پھیلا پڑا ہے اور جھوٹ ایک نفع بخش تجارت اور ایک قابل اعتبار فن بن چکا ہے۔جبکہ ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچ کے خوگر اور سچائی کے عاشق تھے۔وہ خود اور ان کی عورتیں اور ان کے بچے جھوٹ سے بہت زیادہ نفرت رکھتے تھے اور اس سے بچنے کی ہر حال میں کوشش کرتے تھے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

[1] [صحیح البخاری۔رقم الحدیث: ۲۶۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

سچ پر قائم رہنے کے بعض واقعات اشارۃً پیچھے گزر چکے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت بری معلوم نہ ہوتی تھی“۔[1]

”حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سچائی کی یہ عادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی کی بدولت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ جب تک جھوٹ بولنے والا شخص نئے سرے سے توبہ نہ کر لیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل مبارک سے کدورت ختم نہ ہوتی تھی“۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زبان پر پہرے بٹھا دیئے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے کہا: ”دسترخوان لاؤ کہ ہم اس میں مشغول ہوں (یعنی کچھ کھائیں پئیں)“۔ یہ سن کر آپ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی نے کہا: ”میں نے آپ سے اس جیسا کلمہ جب سے آپ کے ساتھ رہا ہوں نہیں سنا“۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میرے منہ سے کبھی کوئی کلمہ جب سے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوا ہوں بغیر لگام اور نکیل چڑھائے ہوئے نہیں نکلا (یعنی جو کلمہ نکلا ناپا تلا نکلا)، اور اللہ کی قسم! بس یہی ایک کلمہ ایسا نکلا ہے“۔[3]

اتنی احتیاط کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زبان کے بارے میں اپنا محاسبہ فرماتے رہتے تھے، جیسا کہ اس روایت میں ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى أَبِي بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ وَ هُوَ يَجْبُذُ لِسَانَهُ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَهْ! غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ۔ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ:

[1] [مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۱۸۳۔ مؤسسۃ الرسالۃ]

[2] [مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۱۸۳۔ مؤسسۃ الرسالۃ]

[3] [حلیۃ الأولیاء۔ ج: ۱، ص: ۲۶۵، ط: السعادۃ بجوار محافظۃ، مصر]

إِنَّ هٰذَا أَوْرَدَنِيَ الْمَوَارِدَ۔

''حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے، بس کیجئے۔'' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسی نے تو مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈالا ہے۔''[1]

''حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ صفا پہاڑی پر چڑھے اور اپنی زبان کو پکڑا اور زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''بھلی بات بولا کر غنیمت جمع کرے گی، شرارت سے سکوت کر محفوظ رہے گی، اس سے قبل کہ تجھے پشیمان ہونا پڑے۔'' اس کے بعد فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اولاد آدم کی زیادہ تر خطائیں زبان سے ہوتی ہیں۔[2]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زبانوں پر سچائی کو لازم کیا، اس وجہ سے انہیں معتبر قرار دیا گیا، اور ان کو معیارِ حق بتایا گیا۔ دین کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط کا اندازہ اس روایت سے لگایئے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

''جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت کرتا ہوں تو مجھے آسمان سے گرنا اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں جھوٹ بولنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔''[3]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سچ کے معاملے میں یہودیوں کے ساتھ تقابل ممکن ہی نہیں ہے۔

---

[1] [موطأ امام مالک۔ رقم الحدیث: ۳۶۲۱، ط: مؤسسة زايد بن سلطان، أبو ظبي]

[2] [حلية الأولياء۔ ج: ۴، ص: ۱۰۷، ط: السعادة بجوار محافظ، مصر]

[3] [صحيح البخاری۔ رقم الحديث: ۳۶۱۱، ط: دار الكتب العلميه، بيروت]

کیونکہ یہودیوں کے ہاں سچ شجرہ ممنوعہ رہا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ یہودی مسلسل جھوٹ میں ترقی کرتے رہیں گے اور ان کے جھوٹ اور فریب کا عروج دجال یہودی کی صورت میں ہوگا۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو صدیقین میں سے تھے، اور قرآن مجید خود ان کی صداقت کی گواہی پیش فرماتا ہے اور انسانوں میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے زیادہ افضل اور سچے فرد یعنی ''صدیق اکبر رضی اللہ عنہ'' بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

ایک نظر گریبان پر

ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چل رہے ہیں یا خدانخواستہ یہودیوں کی عادتِ بد کو اختیار کر چکے ہیں؟ اس میں شک نہیں ہے کہ آج کے دور میں بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے والے ان مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جو صرف سچ بولتے ہیں، سچ سنتے ہیں، سچ کو قبول کرتے ہیں اور سچ ہی کو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن یہ بات بھی افسوس ناک ہے کہ آج بہت سے مسلمانوں کو بھی جھوٹ سے پرہیز نہیں رہا۔ ان مسلمانوں نے یہ جملہ بھلا دیا ہے کہ ''مسلمان جھوٹا نہیں ہوسکتا''۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں میں جھوٹ پھیلایا ہے اور جھوٹ کو ایک فن اور پیشہ بنا کر اسے لوگوں کی مجبوری بنانے کی کوشش کی ہے، لیکن دکھ تو اس بات کا ہے کہ مسلمانوں نے کافروں کی ان کوششوں کو کامیاب ہونے دیا ہے اور انہوں نے جھوٹ کے راستے کو روکنے کی بھرپور کوشش نہیں کی۔

❁ ہمارے مسلمان بچے آج کل بچپن سے، ٹی وی[1] دیکھتے ہیں۔ وہی ٹی وی[2] جس میں جھوٹے ڈرامے، جھوٹی فلمیں اور نامعلوم کیا کیا جھوٹ دکھایا جاتا ہے اور یوں ہم اپنے بچوں کو جھوٹ جیسے غیر فطری جرم میں مبتلاء کر دیتے ہیں، حالانکہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی

[1] اور سمارٹ موبائل، [2] اور وہی سمارٹ موبائل۔

فطرت میں سوائے سچ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو غارت کرے جو ہمارے معصوم بچوں کی فطری خوبیوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ اسی طرح بچپن ہی سے بچوں کو جھوٹے ناول، جھوٹی کہانیاں، جھوٹے لطیفے اور طرح طرح کے جھوٹ گھول کر پلائے جاتے ہیں، اور حالت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ ان بچوں کے ہاں جھوٹ کوئی برائی نہیں رہتی۔ حالانکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو جھوٹ سے اسی طرح نفرت دلائیں جس طرح ہر مسلمان اپنے بچوں کو خون اور پیشاب کے پینے سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ باپ ہرگز اپنے بچوں کا ہمدرد نہیں ہے جو خود ان کے لیے ٹیلی ویژن[1] جھوٹے ناول اور کہانیاں خرید کر لاتا ہے۔ وہ ماں اپنے بچوں کی ہرگز ہمدرد نہیں ہے جو انہیں جھوٹ سکھاتی ہے، تاکہ لوگ اس بچے کی جھوٹی بکواس سن کر داد دیں۔ وہ والدین جو اپنے بچوں کو سچ کی تعلیم نہیں دیتے اور جھوٹ پر ان کی مناسب سرزنش نہیں کرتے اور زبان کے غلط استعمال سے نہیں روکتے ایسے والدین بچوں کے ہمدرد نہیں ہوتے۔ یاد رکھیے! ہر بچہ سچا پیدا ہوتا ہے اور اس کو سچ پر قائم رکھنا اس کے والدین کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے۔

 آج گلی گلی میں سینما گھر کھل گئے ہیں،[2] جو جھوٹی فلمیں دکھاتے ہیں۔ آج کے سسپنس، جاسوسی اور طرح طرح کے جنسی ڈائجسٹوں کا ہر لفظ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ جھوٹے لطیفے اور جھوٹے ڈرامے سنائے اور دکھائے جاتے ہیں۔ تفریح کے نام پر جھوٹ کا زہر ہر جگہ گھولا جاتا ہے، سیاستدان جھوٹ بولتے ہیں، ذرائع ابلاغ جھوٹ چھاپتے ہیں۔ ان حالات میں جھوٹ سے اپنا دامن بچانا بہت مشکل ضرور ہے، مگر ہمت والوں کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ جھوٹ یہودیوں کی خصلت ہے۔ جھوٹ منافقین کا شیوہ اور ان کی بنیادی علامت ہے۔ آپ نے جھوٹ کے بارے میں دل دہلانے والی وعیدیں

[1] سمارٹ موبائل۔ [2] اور بچے بچے کے ہاتھ میں سمارٹ موبائل ہیں۔

پڑھ لی ہیں۔پس ہمیں چاہیئے کہ ہم عزم کرلیں کہ ہماری زبان صرف اور صرف سچ بولے گی، اور ہم عزم کرلیں کہ ہم فلمیں نہیں دیکھیں گے، ٹیلی ویژن کو اور سمارٹ موبائل کے غیر ضروری اور غلط استعمال کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھیں گے، جھوٹے ڈائجسٹ، جھوٹے افسانے اور جھوٹی شاعری نہیں پڑھیں گے۔اگر ہم نے ان باتوں کا عزم کرلیا تو ان شاء اللہ پھر جھوٹ کے ہر مرکز سے ہمیں نفرت ہوجائے گی اور سچائی کا میٹھا شہد ہمیں ہر لمحے نصیب ہوگا۔

❁ شریعت نے بعض مقامات پر جھوٹ کی اجازت دی ہے، مثلاً دشمنان اسلام کو جنگ میں دھوکہ دینے کے لیے (اس میں عہد توڑنا شامل نہیں ہے، بلکہ عسکری اور جنگی چالیں مراد ہیں)۔مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے، اور میاں بیوی میں جوڑ پیدا کرنے کے لیے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ شریعت کی اس رخصت کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں، بلکہ ان مقامات پر بھی صرف ضرورت کے وقت اور ضرورت کے مطابق اس اجازت کا استعمال کریں، اور جھوٹ کو اپنی عادت اور مجبوری نہ بننے دیں، اور جب جھوٹ کے بغیر یہ مقاصد حل ہوتے ہوں تو خواہ مخواہ جھوٹ نہ بولیں۔البتہ کسی موذی دشمن کے شر سے بچنے کے لیے اور لوگوں کے شخصی عیوب چھپانے کے لیے بقدر ضرورت جھوٹ کی اجازت ہے۔اور یہ اس طرح ہے جس طرح بھوک سے مرنے والے آدمی کو تھوڑا سا حرام کھانے کی اجازت ہوتی ہے، اور اس وقت ایک خاص مقدار میں وہ حرام چیز اس کے لیے شریعت نے حلال کردی ہے۔

❁ آج کل بعض لوگ جھوٹ کو اپنا پیشہ بنالیتے ہیں۔ یہ چیز بہت زیادہ خطرناک ہے۔جھوٹی فنکاری ہو یا جھوٹی قلمکاری، یہ سب چیزیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو اختیار کیا جائے، بلکہ یہ قابل نفرت چیزیں ہیں۔مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں سے دور رہیں جو جھوٹ کے ذریعے مال کماتے ہیں اور اپنے پیٹ کی خاطر جھوٹ پھیلاتے ہیں۔

❁ آج کل بعض نوکریاں اور ملازمتیں ایسی ہیں جن میں جھوٹ نے لازمی حیثیت حاصل کرلی

ہے۔مثلاً حکومت کے خفیہ محکموں کی ملازمت، پولیس کی نوکری وغیرہ۔حقیقت یہ ہے کہ ان نوکریوں میں خواہ مخواہ جھوٹ عام ہو چکا ہے، ان محکموں میں کام کرنے والے افراد جھوٹ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں، اور جھوٹ ان کی ایسی عادت بن جاتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھی سچ نہیں بول سکتے۔ان میں سے بعض افراد بعد میں دین دار بن جاتے ہیں، مگر تب بھی جھوٹ اور ان کے ہونٹوں کا رشتہ قائم و دائم رہتا ہے۔ یہ بہت خطرناک صورتِ حال ہے۔ان محکموں میں کام کرنے والے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جھوٹ سے بچیں اور جھوٹ کو اپنی عادت نہ بننے دیں، اور اگر خدانخواستہ جھوٹ ان کی عادت بن چکا ہو تو اس کی فوری اصلاح کی کوشش کریں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جھوٹ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ''کذاب'' لکھوا دے اور ان کی روح بالکل بدبودار اور متعفن ہو جائے۔

 آج تجارت اور جھوٹ لازم وملزوم ہوتے جا رہے ہیں۔ایک عام خوانچہ فروش سے لے کر بڑے بڑے کاروباری لوگ بلا جھجک جھوٹ بولتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ معاف فرمائے جھوٹی قسمیں تک کھانے سے گریز نہیں کرتے۔دلّالی (بروکری) کا پیشہ کرنے والے لوگوں میں یہ عادت بہت زیادہ سرایت کر چکی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح وہ اپنی قسمت سے زیادہ مال کما لیں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ جس کی قسمت میں جتنی روزی لکھی ہے اسے اتنی ہی ملتی ہے۔اب لوگوں کی مرضی ہے کہ حلال طریقے سے لیں یا جھوٹ بول کر اس روزی کو گندا کریں۔ البتہ جھوٹ کی وجہ سے روزی میں سے برکت چلی جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

اَلْکِذْبُ یُنْقِصُ الرِّزْقَ۔

''جھوٹ روزی کو کم کرتا ہے۔(یعنی اس میں سے برکت اُٹھ جاتی ہے)۔''[1]

[1] [الفوائد لأبی الشیخ الاصبہانی رقم الحدیث: ۲۷، ط: دار الصمیعی، الریاض]

وہ تاجر جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتے ہیں وہ مندرجہ ذیل روایت پر غور کریں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں فرمائے گا، نہ ان پر نظر شفقت ہوگی اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے:

(۱) وہ جو شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھے۔

(۲) وہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچے۔

(۳) وہ جو کسی کو کچھ دے کر احسان جتائے۔''[۱]

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر (کوئی بات) کہے اور مچھر کے پر کے برابر اس میں اپنی طرف سے کوئی چیز ملا دے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ قیامت تک رہے گا۔''[۲]

مسلمان تاجروں کو چاہئے کہ سچ اور امانت کو لازم پکڑیں۔ اسی میں ان کا بھلا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور ہر مسلمان تاجر جھوٹ اور خیانت سے پکی اور سچی توبہ کرے۔

❁ آج کل حکمران طبقے نے جھوٹ کو اپنے لیے ضروری سمجھ لیا ہے۔ اس طبقے کے اکثر لوگ چند دن کے عارضی ٹھاٹھ کی خاطر اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہیں اور آخرت بھی۔ حالانکہ اس طبقے میں سب سے زیادہ سچ اور امانتداری ہونی چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

''تین اشخاص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان پر شفقت کی نظر فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک فرمائے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے:

(۱) بوڑھا زانی (۲) جھوٹا حکمران (۳) متکبر فقیر۔''[۳]

---

[۱] [سنن النسائی۔ رقم الحدیث: ۲۵۶۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[۲] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۳۰۲۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[۳] [مسند احمد۔ رقم الحدیث: ۱۰۲۲۷، ط: مؤسسہ الرسالۃ، بیروت]

حکمران طبقے کا فرض بنتا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ سچ اور سچائی کا التزام کرے، ورنہ یوم حساب زیادہ دور نہیں ہے۔

- آج کل لطیفوں پر مشتمل ایسی ویڈیوز کی بھرمار ہے جن میں جھوٹے لطیفے سنائے جاتے ہیں، اور ان لطیفوں میں سے بعض میں اللہ تعالیٰ، آخرت اور دین کی بہت سی باتوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ لوگ اس طرح کے جھوٹ کو سنتے ہیں اور نادانستہ طور پر بعض ایسی باتوں پر ہنستے اور خوش ہوتے ہیں جو کفریہ ہوتی ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی توہین یا گستاخی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اس خوفناک وباء سے بچنا چاہئے۔
- آج کل صحافت اور ادب کے نام سے جھوٹ کو خوب رواج دیا جارہا ہے۔ ہر وہ شخص جس کے قلم کی تحریر کو لوگ پڑھتے ہیں، اسے چاہئے کہ وہ جھوٹ کے گندے مرض سے بچے، ورنہ اس کا پھیلایا ہوا جھوٹ خود اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وبال بن جائے گا۔ خصوصی طور پر دینی اور تحریکی مضامین لکھنے والوں کو اور دینی اور تحریکی رسالے نکالنے والوں کو بہت زیادہ سچ کا اہتمام کرنا چاہئے اور اپنے مضامین اور رسائل کو جھوٹ اور مبالغے کی لعنت سے پاک رکھنا چاہئے۔
- یاد رکھیے! دین کا کام اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی کہ وہ جھوٹ بول کر یا جھوٹ لکھ کر اللہ تعالیٰ کے کام کو بڑھائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے کام میں جھوٹ بولنے اور لکھنے والے زیادہ بڑے مجرم ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی ذمہ داری تو سچ پھیلانے کی ہوتی ہے نہ کہ جھوٹ پھیلانے کی۔ آپ کسی شخصیت کی تعریف میں لکھیں یا کسی کی مذمت میں، آپ کسی جنگ کی رپورٹنگ کریں یا میدان جہاد کا کوئی واقعہ بیان کریں، سچائی ہر حال میں آپ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ دشمن کے جتنے افراد مجاہدین کے ہاتھوں مرے ہوں اتنے ہی لکھیں، کیونکہ زیادہ لکھنے سے نہ جہاد کا کوئی فائدہ ہے نہ مجاہدین کا۔ اسی طرح کارروائیوں کی تفصیل اور افراد کے کارناموں کے بیان کو بھی مبالغے سے پاک رکھیں۔ یاد

رکھیے! سچ ہی میں برکت ہے اور سچائی پر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ ہم پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری فرض ہے، اور اللہ تعالیٰ سچ کا حکم دیتا ہے اور جھوٹ سے نفرت فرماتا ہے۔

 بعض افراد اسلامی ناول لکھنے اور پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ ان ناولوں میں بھی حسبِ استطاعت جھوٹ لکھا جاتا ہے، خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کی جاتی ہے جو انہوں نے نہیں فرمائیں۔ یہ بہت بدترین جھوٹ ہے، جس کی سزا بہت سخت ہے۔ اسی طرح ان اسلامی ناولوں میں عشق بازی کے جو جھوٹے مناظر دکھائے جاتے ہیں وہ پڑھنے والوں پر بہت بُرا اثر ڈالتے ہیں، اور ان سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ہر مجاہد کے لیے کسی نہ کسی سے عشق کرنا لازمی ہے، اور پھر اس عشق کو "پاک عشق" قرار دیا جاتا ہے، گویا کہ غلاظت کو خوشبو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی غیرت مند مسلمان اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ اس کی بہن یا بیٹی کسی طرح کے نام نہاد پاک عشق میں مبتلاء ہو۔ لیکن یہ نام نہاد اسلامی ناول اپنے قارئین میں خبیث عشق کے جراثیم پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے بعض ناول اپنے قارئین میں کچھ غلط نظریات پیدا کرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ناول کسی گہری سازش کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً بعض ناولوں میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت تعریف کی گئی ہے، لیکن درمیان میں یہ بات بھی اڑا دی گئی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میں کافی اختلافات تھے۔ چونکہ ناول کا موضوع حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارنامے ہوتے ہیں، اس لیے پڑھنے والے کی محبت اور ہمدردی ان کے ساتھ ہوتی ہے، ایسے وقت میں جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اختلافات تھے تو اس کا ذہن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف چلا جاتا ہے، اور یوں ناول نگار اپنا ایک مذموم مقصد حاصل کر لیتا ہے، اور

ناول پڑھنے والا شخص سو دوسو روپے اور کئی گھنٹے کا قیمتی وقت خرچ کر کے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بغض کی لعنت اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔اسی طرح بعض ناولوں میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ بغداد کے سقوط کے وقت علماء کرام مناظروں میں مشغول تھے،اور ہندوستان کی تقسیم کے وقت علماء کرام ہندوؤں کے ہمنوا اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ان ناولوں کے پڑھنے والے شخص کو مناظرے سے بھی نفرت ہو جاتی ہے اور علماء کرام سے بھی۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حق کے دفاع کے لیے مناظرہ کرنا ایک بہت بڑی عبادت ہے۔خود قرآن مجید کا ایک موضوع مناظرہ ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود مناظرے فرمائے ہیں۔اسی طرح حضرات علماء حق ہر دور میں حق کی حفاظت کے لیے سینہ سپر رہے ہیں۔اگر علماء کرام نے کسی دور میں بھی حق کی حفاظت سے غفلت برتی ہوتی تو یہ پورا اور مکمل دین ہم تک کیسے پہنچتا؟ اگر ان ناول نگاروں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ علماء کرام ہی دین کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں تو دین کی حفاظت کس نے کی ہے؟ جھوٹے ناول نگاروں نے؟ یا انگریز کے گماشتوں نے؟ یا دین سے ناواقف لوگوں نے؟ مگر ہمارے سادہ دل مسلمان ان ناولوں کو پڑھ کر یہ بات بخوشی اور بآسانی قبول کر لیتے ہیں کہ تقسیم برصغیر کے وقت وھسکی کے عادی بے نمازی اور انگریزی تہذیب وتمدن میں رنگے ہوئے کچھ لیڈر تو مسلمانوں کی حفاظت کر رہے تھے،جبکہ سر بکف تہجد گزار،قرآنی علوم میں رنگے ہوئے علماء کرام مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے تھے۔یہ ہے جھوٹ کا نتیجہ اور یہ ہے جھوٹ کا وبال۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ان جھوٹے ناولوں کو پرے پھینک دیں،اور جھوٹ کی بجائے حقائق کا مطالعہ کریں،کیونکہ جھوٹ بولنے کی طرح جھوٹ پڑھنا بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔

 اس زمانے میں ایسے ظالم لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔لوگوں کو بدعات کی یا دین کے نام پر مادہ پرستی کی دعوت دیتے ہیں اور اسلام کی غلط تشریح

کرتے ہیں۔ایسے لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطاء فرمائے اور ان کے شر سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

❁ وہ مسلمان جو جھوٹ سے نفرت رکھتے ہیں، مگر جھوٹ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے۔واقعہ سناتے وقت ایک کو دو اور سو کو ہزار بنا جاتے ہیں یا ہر بات کا جواب دینے کے شوق میں جھوٹ بول جاتے ہیں، ایسے مسلمان کو چاہئے کہ وہ تین کام کریں:

① روزانہ جھوٹ کی مذمت میں وارد ہونے والی آیات اور احادیث کو پڑھا کریں اور دوسروں کو پڑھ کر سنایا کریں، اور زیادہ خاموش رہنے کی کوشش کیا کریں۔

② اپنی جیب میں ایک کاغذ رکھیں اور جب بھی زبان سے جھوٹ نکلے فوراً نوٹ کرلیں اور شام کو گنیں کہ آج کتنی بار جھوٹ بولا ہے۔پھر اس پر استغفار کریں۔ان شاءاللہ تعالیٰ چند دن میں ہی فرق محسوس ہوگا۔

③ اگر زبان سے جھوٹ نکل جائے تو مخاطبین کو بتا دیں کہ فلاں بات جو میں نے کی ہے وہ جھوٹی ہے اور سچ اس طرح ہے۔اگر کوئی باہمت شخص اس طریقے کو اختیار کرے تو وہ بہت جلد جھوٹ کے موذی مرض سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ وہ راقم الحروف اور تمام قارئین اور تمام مسلمانوں کو جھوٹ سے اور زبان کے تمام گناہوں سے مرتے دَم تک محفوظ رکھے۔اور ہم سب کو حسن خاتمہ عطاء فرمائے۔آمین ثم آمین

۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ
بمطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۹ء یوم السبت
سجن کوت بلوال بجامو، الھند
(کوٹ بھلوال جیل جموں، ہند)

یہودیوں کی دسویں بیماری

بخل اور ترغیب بخل

''بخل'' ایک مہلک اور خطرناک مرض ہے۔اسی مرض کی وجہ سے قومیں ہلاکت میں پڑیں اور اسی مرض کی وجہ سے خون بہتا ہے اور حرمتیں بے حرمت کی جاتی ہیں۔بخل پیدا ہونے کی پہلی وجہ ''مال کی محبت'' ہے جو یہودیوں میں بہت زیادہ پائی جاتی تھی۔بخل کی دوسری وجہ ''لمبی زندگی کا شوق اور طرح طرح کی امیدیں باندھنا ہے'' اور یہ کام بھی یہودیوں میں بہت زیادہ تھا۔ اور بخل کی تیسری وجہ ''بیوقوفی'' ہے اور یہودی تو ہوتے ہی بے وقوف ہیں۔بس جب یہودیوں میں مال کی محبت، لمبی زندگی اور طرح طرح کی تمناؤں کا شوق اور بے وقوفی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ بخل اور کنجوسی کے مرض میں مبتلاء ہوں۔

بخیل آدمی کو مال اچھا لگتا ہے، لیکن اس پر اس مال کا خرچ کرنا گراں گزرتا ہے۔بخیل آدمی اس سانپ کی طرح ہوتا ہے جو مال کے خزانے پر بیٹھ کر دن رات پہرہ دیتا ہو، نہ خود اس مال سے فائدہ اٹھاتا ہو اور نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتا ہو۔جس طرح مال کا خزانہ سانپ کے کسی کام نہیں آتا اور بالآخر وہ سانپ یہ سارا مال چھوڑ کر مر کھپ جاتا ہے اور مال دوسروں کے ہاتھ لگ جاتا ہے، اسی طرح کا حشر بخیل آدمی کا ہوتا ہے۔وہ دنیا میں سانپ بن کر مال کی حفاظت کرتا ہے اور آخرت میں یہی مال سانپ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔بخل ایسا گندا اور مہلک مرض ہے جو انسان سے زندگی کا چین اور سکون چھین لیتا ہے، اور انسان ہر

وقت مال بنانے، مال سنبھالنے، اس کی حفاظت کرنے اور اسے نقصان سے بچانے کے لیے گھلتا اور مرتا رہتا ہے، اور ایک ایک پائی اسے سانس سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ چنانچہ مال کے ہر نقصان کی چوٹ اس کے دل پر پڑتی ہے، اور جس طرح کتے کی روح بہت مشکل سے نکلتی ہے اور اسے تڑپا تڑپا کر نکلتی ہے اسی طرح بخیل کی جیب سے ضروریات کے لیے بھی پیسہ بڑی مشکل سے اور اسے تڑپا تڑپا کر نکلتا ہے۔ اسی لیے جس قوم میں بخل آجاتا ہے وہ قوم مغلوب و مقہور ہو جاتی ہے اور اسے غلامی کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اور جس قوم کے مالدار افراد بخیل ہو جاتے ہیں اس قوم کے لیے عزت کے ساتھ زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''بخل'' کہتے کسے ہیں؟ کیونکہ کوئی آدمی بھی خود کو بخیل ماننے پر تیار نہیں ہوتا، جبکہ ہر آدمی کی نظر میں دوسرا آدمی بخیل ہوتا ہے۔ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اس لیے پیدا فرمایا ہے تاکہ اس سے انسانوں کی ضروریات پوری ہوں، اگر مال کو ضروریات پورا کرنے کے لیے خرچ نہ کیا جائے تو سونے کی ڈلی اور ایک عام پتھر میں کوئی فرق نہیں رہتا، کیونکہ جس طرح پتھر بیکار ہے اسی طرح وہ سونے کی ڈلی بھی بیکار ہے جس سے کسی کی ضرورت پوری نہیں ہو رہی۔ اس لیے سخی آدمی کا مال ایک طاقت ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ دنیا و آخرت کے فائدے حاصل کر لیتا ہے، جبکہ بخیل کا مال پتھروں کا ڈھیر ہوتا ہے جس پر ایک سانپ پہرہ دیتا رہتا ہے۔ بس بخل کی تعریف یہ ہوگی کہ ''ایسی جگہ مال خرچ کرنے سے رکنا جہاں پر مال خرچ کرنا شریعت کی رو سے یا مروت کی رو سے ضروری ہو۔'' اور ایسی جگہ مال خرچ کرنا جہاں شریعت نے مال خرچ کرنے سے روکا ہو ''تبذیر'' کہلاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ''تبذیر'' بھی بری ہے اور ''بخل'' بھی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ''بخل وہ بیماری ہے جو انسان کو ان جگہوں پر مال خرچ کرنے سے روکتی ہے جہاں اسے شرعاً یا مروتاً خرچ کرنا چاہیئے۔''

چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حقوق مثلاً زکوٰۃ اور عشر وغیرہ نہ دے وہ

بخیل ہے۔اسی طرح جو شخص اپنے اہل وعیال کا نفقہ خرچہ خوشی سے نہ دے وہ بھی بخیل ہے۔اسی طرح جس شخص کا دل اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے گھبراتا اور ڈرتا ہو وہ بھی بخیل ہے۔اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھٹیا اور برا مال تو خرچ کر لیتا ہو لیکن اچھا مال خرچ نہ کرسکتا ہو وہ بھی بخیل ہے۔اسی طرح جس شخص کا دل استعمال کی ادنیٰ چیزیں دوسروں کو دینے پر راضی نہ ہوتا ہو وہ بھی بخیل ہے۔اسی طرح وہ چیزیں جن کی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ ضروری ہے ان کی حفاظت کے لیے مال خرچ نہ کرنے والا بھی بخیل ہے،مثلاً دین کی حفاظت، عصمت وحرمت کی حفاظت،شعائر اللہ کی حفاظت،اہل ایمان کے جان ومال اور ان کے علاقوں کی حفاظت وغیرہ،یہ وہ امور ہیں جن کی خاطر مال خرچ کرنا لازم ہوتا ہے،لیکن جو شخص ان امور میں مال خرچ کرنے سے گھبرائے وہ بھی بخیل ہے۔

بخل کی بیماری جب بڑھ جاتی ہے تو وہ ایمان سے بھی روکتی ہے،کیونکہ بخیل آدمی اس بات سے ڈرتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنا پڑے گا،جو اس کے لیے اپنے بخل کی وجہ سے ممکن نہیں ہوتا،چنانچہ وہ بدقسمت شخص ایمان پر کفر کو ترجیح دیتا ہے،جیسا کہ یہودیوں نے کیا۔قرآن مجید میں مذکور ہے کہ یہودیوں کو اور باتوں کے ساتھ ساتھ بخل چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی دی گئی تھی۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

’’اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا،اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو جنتوں میں داخل

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○	کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔''[1]

اس آیت مبارکہ میں مال خرچ کرنے کے دو حکم صادر فرمائے گئے ہیں:

پہلا ﴿وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ اس سے مراد مال کے وہ لازمی شرعی حقوق ہیں جو شریعت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں اور ان کا نصاب اور ان کی شرائط طے شدہ ہوتی ہیں۔

دوسرا حکم ﴿وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ عام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت اور پیغمبروں کی تائید ونصرت میں اور نیکی کے تمام کاموں میں مال خرچ کرنا مراد ہے۔ ''حاشیہ جمل'' میں ہے:

وَالْمُرَادُ بِالزَّكٰوةِ ''اَلْوَاجِبَةُ'' وَبِالْقَرْضِ هُنَا ''اَلصَّدَقَةُ الْمَنْدُوْبَةُ۔''

''اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد ''حقوق واجبہ'' اور قرض سے مراد ''نفلی صدقات'' ہیں۔''[2]

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم دیکھئے کہ اس نے نیکی کے کاموں میں خرچ کیے جانے والے مال کو اپنے اوپر قرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس میں خرچ کرنے والے کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے وہ ضائع نہیں جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے ذمے لازم فرمالیا ہے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا اور خوب بڑھا چڑھا کر اور اپنی شایان شان دے گا۔ مگر یہودیوں پر اس قدر پیار بھری دعوت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے اس آیت میں لیے گئے تمام عہد واقرار توڑ ڈالے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق بن گئے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

بخل تو ہر حال میں خطرناک اور مذموم ہے، لیکن جس طرح ہر اچھائی میں درجات ہوتے ہیں

[1] [المائدہ: ۱۲] [2] [حاشیۃ الجمل علی الجلالین۔ ج: ۲، ص: ۱۹۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اور بعض درجے بعض سے بڑھ کر ہوتے ہیں، اسی طرح ہر برائی اور بیماری میں بھی درجات ہوتے ہیں اور بعض درجے بعض سے بڑھ کر خطرناک ہوتے ہیں، چنانچہ بخل کے بھی کئی درجات ہیں، ان میں سے بخل کا سب سے خطرناک درجہ یہ ہے کہ ”کوئی آدمی خود تو مال خرچ کرنا درکنار دوسروں کو بھی اچھائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہوا نہ دیکھ سکے، بلکہ دوسروں کو مال خرچ کرتا دیکھ کر بھی اس کا دل گھٹنے لگے اور اس کی جان نکلنے لگے۔“ یہودی بخل کے اس مقام تک پہنچ چکے تھے۔ وہ خود بھی بخل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بخل کی دعوت دیتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۣ○ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا○

”اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے شیخی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور جو (مال اور علم) ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں، اور ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ [1]

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کا جو شان نزول بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

”یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کو جن کا ذکر تورات میں ہے چھپاتے تھے اور صدقہ و خیرات میں خود بھی بخل کرتے تھے اور انصار کے جن لوگوں سے ان کی جان پہچان تھی ان کو بھی خیرات سے ہاتھ روکنے کی نصیحت کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔“ [2]

حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ”فی سبیل اللہ“ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی جو آیات موجود تھیں ان کو

[1] [النساء:۳۶،۳۷]

[2] [تفسیر ابن کثیر۔ ج:۲، ص:۳۰۳، ط:دار طیبۃ، مصر]

چھپاتے تھے، سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔"[1]

حضرت مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہودِ مدینہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ بہت زیادہ مغرور تھے، انتہا درجے کے کنجوس تھے، مال خرچ کرنے میں بھی بخل کرتے تھے اور اس علم کو بھی چھپاتے تھے جو انہیں اپنی الہامی کتابوں سے حاصل ہوا تھا...... آگے فرمایا کہ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت میں بھی بخل کرتے ہیں اور علم و ایمان کے معاملہ میں بھی بخیل ہیں ایسے لوگ نعمتِ خداوندی کے ناسپاس ہیں اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب تیار کرلیا گیا ہے۔"[2]

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر یہودیوں کے حد سے بڑھے ہوئے بخل کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝	"کیا ان (یہودیوں) کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے (تو) لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے۔"[3]

صاحب جلالین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

﴿اَمْ﴾ بَلْ ﴿لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ اَيْ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِّنْهُ وَ لَوْ كَانَ ﴿فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا﴾ اَيْ شَيْئًا تَافِهًا قَدْرَ النُّقْرَةِ فِيْ ظَهْرِ النَّوَاةِ لِفَرْطِ بُخْلِهِمْ۔

"ان یہودیوں کے پاس بادشاہت کا کچھ حصہ بھی نہیں ہے، لیکن اگر ہو تو یہ لوگوں کو ایک "نقیر" بھی نہ دیں، یعنی کھجور کی گٹھلی کے سوراخ جتنی حقیر چیز بھی اپنے حد سے بڑھے ہوئے بخل کی وجہ سے لوگوں کو نہ دیں۔"[4]

---

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۳۹۹،ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [معارف القرآن، ج:۲،ص:۴۱۵]

[3] [النساء:۵۳] [4] [تفسیر جلالین۔ص:۹۸،ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں؟ یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں، یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر کو تل برابر بھی نہ دیں۔'' [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان اور اس کی تفسیر کو سامنے رکھیے اور یہودیوں کے ماضی اور حال کا تجزیہ کیجئے تو مذکورہ بالا آیت کا پورا نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ یہودیوں کے بخل اور ان کی مال سے محبت اور کنجوسی نے آج دنیا کے پورے نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ مثلاً یہودی منصوبہ سازوں کے اشارے پر آج کل امریکہ نے عجیب وغریب قوانین اپنی غنڈہ گردی کی بدولت دنیا پر نافذ کر رکھے ہیں۔ ان قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ امریکہ دوسرے ملکوں سے ماحول میں آلودگی پھیلانے کے جرم میں مال حاصل کرتا ہے، لیکن جب امریکہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے کا مرتکب ہے تو امریکہ فوراً یہ پیشکش کر دیتا ہے کہ اگر مجھے اتنی رقم دی جائے تو میں اتنے فیصد کم آلودگی پھیلاؤں گا۔ یعنی دوسرے لوگ اگر گیس بھی خارج کریں تو امریکہ کو پیسے دیں اور امریکہ کے گیس سے بچنے کے لیے بھی اسے پیسے دیں۔ یہ ہے یہودیوں کی منصوبہ سازی کا حال۔ ان کی اسی حالت کو آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر ان یہودیوں کے ہاتھ میں کچھ اختیار آجائے تو یہ لوگوں کو پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے اور صاف ہوا کے ایک ایک جھونکے کے لیے ترسا دیں، کیونکہ بخل نے انہیں جانوروں سے زیادہ خودغرض بنا دیا ہے۔ جانور تو بعض مرتبہ دوسروں کا خیال کر لیتے ہیں اور بعض اوقات ایثار سے بھی کام لے لیتے ہیں، جبکہ یہودی قطعاً کسی کا خیال نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ آجائے وہ اس کا فائدہ کسی کو نہیں پہنچنے دیتے، بلکہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ گویا کہ یہودیوں کے ہاتھ میں سلطنت اور اختیار کا آجانا دنیا کے لیے تباہی کا باعث ہے۔ افسوس کہ آج

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۴۱۱،ط: دارالاشاعت، کراچی]

مسلمانوں کے کئی ملک اس سانپ کو دودھ پلا کر پال رہے ہیں اور طاقتور بنا رہے ہیں جس سانپ سے دنیا کے ہر انسان اور زمین کے چپے چپے کو سنگین خطرہ لاحق ہے۔ یہودی مسلمانوں کے دشمن تو ہیں ہی، لیکن وہ عیسائی جو آج یہودیوں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور یہودیوں کے لیے مضبوط سہارا بنے ہوئے ہیں وہ بھی یہودیوں سے سخت نقصان اٹھائیں گے بلکہ اٹھا رہے ہیں، مگر ان کو عقل نہیں ہے کہ اسے سمجھ سکیں۔

اسلامی دعوت

اسلام ''بخل'' جیسے موذی مرض کا سخت مخالف ہے اور بخل کے مقابلے میں ''جود وسخا'' کی دعوت دیتا ہے۔قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بخل کی مذمت اور اس کی قباحت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کرنے کی خوب خوب ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح وہ اسباب جن کی وجہ سے بخل پیدا ہوتا ہے ان سے بھی اسلام نے سختی سے روکا ہے۔اور اسلام کے نظام تعلیم وتربیت میں اس کا بہترین انتظام موجود ہے کہ ایک انسان میں وہ اسباب ہی پیدا نہ ہوں جن کی وجہ سے بخل جیسا ہلاکت خیز مرض پیدا ہوتا ہے۔مثلاً اسلام نے دنیا کی محبت کو ایک جرم اور بیماری قرار دیا ہے اور اپنے متبعین کے قلوب کو اس سے صاف کرنے کا بندوبست فرمایا ہے۔اسی طرح اسلام نے ''طول امل''، یعنی لمبی امیدوں اور آرزوؤں کے باندھنے کو ایک غلط اور فضول کام قرار دے کر لوگوں کو فکر آخرت کی دعوت دی ہے۔اسی طرح اسلامی تعلیمات انسان کی عقل کو اس قدر روشن کر دیتی ہیں کہ وہ بخل جیسی بے وقوفی کا تصور بھی نہیں کرتا۔اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو بے کار پتھر بنا کر رکھنے اور اس پر سانپ بن کر بیٹھنے سے نفرت کرنے لگتا ہے۔چونکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا پر حکومت وخلافت دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور بخیل حکمران دنیا کو فلاح کی بجائے تباہی میں مبتلاء کرتے ہیں، اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو نیکی کے راستے

میں مال خرچ کرنے کی جرأت اور ہمت اپنے اندر پیدا کرنے اور بخل سے سخت نفرت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کے یہ فرامین اور احکامات تین طرح کے ہیں:

① وہ فرامین اور احکامات جن میں مسلمانوں کو دنیا کی محبت سے روکا گیا ہے اور انہیں سمجھایا گیا ہے کہ وہ دنیا اور اس کے مال و متاع کو اپنی زندگی کا مقصود نہ بنائیں اور نہ ہی دنیا کے بارے میں لمبی امیدیں باندھیں اور نہ ہی مال کی فضول ذخیرہ اندوزی کی بیوقوفی میں مبتلاء ہوں۔

② وہ فرامین اور احکامات جن میں مسلمانوں کو مال خرچ کرنے کی ترغیبات دی گئی ہیں اور اس کے عجیب و غریب فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور انہیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ اس دن کے آنے سے پہلے جس دن دنیا کا سارا مال بھی نفع نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خوب مال خرچ کریں اور اپنی آخرت بنائیں۔ اور انہیں یہ بات باور کرائی گئی ہے کہ لوگوں کی حاجات پوری کرنا، تمام انسانوں بلکہ جانوروں کی ضروریات پوری کرنا اور نیکی کے راستوں میں مال خرچ کرنا، ایک ایسی نیکی ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لازم کرلیا ہے۔ اور انہیں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ اگر انہوں نے دنیا میں مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ نہ کیا تو انہیں قیامت کے دن اس مال کا سخت حساب دینا پڑے گا، لیکن اگر انہوں نے اس مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کیا تو یہ عمل ان کے لیے آخرت میں آسانی اور طرح طرح کی نعمتوں اور حساب سے محفوظ رہنے کا باعث بنے گا۔ اور انہیں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ اور انہیں اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ دین کی حمایت میں مال خرچ کریں، اس سے دنیا میں اسلام کو اور خود ان کے دلوں میں ایمان کو قوت ملے گی۔ وغیر ذلك

③ وہ فرامین اور احکامات جن میں بخل کی مذمت اور اس کے برے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

اب اگر ہم تینوں طرح کے اسلامی احکامات اور بیانات کا تذکرہ کریں تو صرف یہی

مضمون ایک مستقل کتاب بن جائے گا اور بات بہت زیادہ لمبی ہو جائے گی۔ اس لیے ہم یہاں پر اسلامی دعوت کے تحت صرف تیسرے نمبر یعنی بخل کی مذمت اور قباحت کے بارے میں قرآن مجید کی چند آیات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند احادیث مبارکہ کے ذکر پر اکتفاء کریں گے، تاکہ ان آیات و احادیث کو پڑھ کر مسلمان بخل سے بچیں، اور اس بات کو سمجھیں کہ بخل یہودیوں کی خصلت ہے اور یہ مسلمانوں کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔

قرآنِ مجید اور بخل کی مذمت

بخل کی مذمت کے بارے میں قرآنی آیات کے خلاصے کو ہم دس عنوانات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ

(۱) شیطان بخل کی دعوت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

''شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''[۱]

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ شیطان انسان کو تنگدستی اور فقر و فاقے سے ڈراتا ہے، تاکہ وہ مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لے۔

''صاحب جلالین رحمۃ اللہ علیہ'' نے تو اس آیت میں ﴿فَحْشَاءِ﴾ سے بھی ''بخل'' مراد لیا ہے۔[۲]

[۱] [البقرۃ:۲۶۸]

[۲] [تفسیر جلالین ص:۵۴، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

محشی جلالین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُهُمْ: اَلْفَحْشَاءُ فِي الْقُرْآنِ جَمِيْعُهٗ مَعْنَاهَا الزِّنَا اِلَّا هٰذِهٖ فَمَعْنَاهَا الْبُخْلُ۔

''بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی 'فَحْشَاء'' کا لفظ آیا ہے اس کا معنیٰ زنا (اور بے حیائی) ہے، سوائے اس آیت میں کہ یہاں پر اس کا معنیٰ ''بخل'' ہے۔'' [1]

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر میں خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدۂ الٰہی سے اعراض (روگردانی) کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتماد ہو تو اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ نہ کہے کہ شیطان کی تو ہم نے کبھی صورت نہیں دیکھی، حکم کرنا تو درکنار رہا۔ اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہوگی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی نہیں۔ سب کے ظاہر و باطن، نیت و عمل کو خوب جانتا ہے۔'' [2]

اس آیت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ انسان کا بدترین دشمن ''شیطان مردود'' ہی انسان کو بخل پر لگاتا ہے اور یہودی اس کے کہنے میں آگئے، مگر ایک مسلمان کو اس بات سے عار آنی چاہئے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر نوٹ گننے والی مشین بن جائے، اور ہر مسلمان کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ شیطان جس بات کی دعوت دیتا ہے اس میں انسان کے لیے سوائے ہلاکت، تباہی اور خسارے کے کچھ نہیں ہوتا۔

(۲) بخل کرنے والے خوش نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

۱۔ [تفسیر جلالین۔ص: ۵۴،ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

۲۔ [تفسیر عثمانی۔ج:۱،ص: ۲۲۷،ط: دارالاشاعت، کراچی]

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ	”اور جو لوگ مال میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطاء فرمایا ہے بخل کرتے ہیں، وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں، (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لیے برا ہے۔“ [1]

چونکہ شیطان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کو جس گناہ میں بھی لگاتا ہے وہ گناہ ان کی نظروں میں نیکی اور عقل مندی بنا کر پیش کرتا ہے اور ہر برائی کو انسانوں کے لیے مزین کر کے پیش کرتا ہے، اس لیے بخل کرنے والے لوگ بھی اپنے آپ کو بہت عقل منداور دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہیں، اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم بخل کر کے بہت اچھا کام کر رہے ہیں، اپنے لیے اور اپنے مستقبل کے لیے بہت بہتر کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ بخل کرنے والے خود کو عقل مند نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ وہ کسی طرح کی خیر اور بھلائی حاصل کر رہے ہیں، بلکہ یہ بخل تو ان کے لیے دنیا وآخرت میں سوائے شر اور بربادی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۳) بخل کرنے والے کا مال اس کے لیے خوفناک عذاب بنے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَ لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝	”جو لوگ مال میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطاء فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں، (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لئے برا ہے، وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا، اور آسمانوں اور زمینوں کا وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور وہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے۔“ [2]

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اس (آیت) میں مسلمانوں کو بھی کھٹکا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے

[1] [آل عمران:۱۸۰] [2] [ایضاً]

سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل وحرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود ومنافقین کی روش اختیار کرے گا اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ!''[1]

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جو کوئی زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدہا بن کر گلے میں پڑے گا اور اس کے کلے چیرے گا، اور اللہ تعالیٰ وارث ہے آخر تم مرجاؤ گے اور مال اسی کا ہو رہے گا، تم اپنے ہاتھ سے دو تو ثواب پاؤ۔''[2]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ؕ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۝

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ جس دن وہ (مال) جہنم کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا پس جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو!''[3]

اللہ اکبر! کس قدر سخت وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو بڑی محنت اور مشقت کر کے پیسہ جمع کرتے ہیں اور اس پر دنیا کے آرام اور اس کی راحت کو بھی قربان کرتے ہیں اور پھر بخل کی وجہ سے ان کا یہی مال قیامت کے دن ان کے لیے دردناک عذاب بن جائے گا۔

---

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱،ص:۳۵۳،ط: دارالاشاعت، کراچی]

[2] [موضح قرآن۔ص:۹۴،ط: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی]

[3] [التوبہ:۳۴،۳۵]

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) ان کی یہ سزا ہے۔ بہر حال دولت وہی اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے...... بخیل دولت مند سے جب اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں، زیادہ کہو تو اعراض (روگردانی) کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے، اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اس لیے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی، پہلو، پیٹھ) پر داغ دیئے جائیں گے، تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے۔''[1]

④ بخل کے نتیجے میں نفاق گلے میں پڑا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ○

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ○

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ○

''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطاء فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکی کرنے والوں میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لیے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس لیے کہ انہوں نے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''[2]

⑤ اللہ تعالیٰ بخل کرنے والے اور بخل کی دعوت دینے والے متکبرین کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۱، ص:۸۶۵، ط: دارالاشاعت، کراچی] [2] [التوبہ:۷۵، ۷۶، ۷۷]

وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

''اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں، اور جو شخص روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بھی بے پرواسب خوبیوں والا ہے۔'' [1]

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اکثر متکبر مالداروں کی حالت یہی ہوتی ہے کہ بڑائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے ٹائم پیسہ جیب سے نہ نکلے گا۔ کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی یہی سبق پڑھائیں گے۔ موقع پر بڑھ کر خرچ کرنا متوکلوں اور ہمت والوں کا کام ہے، جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ سختی اور نرمی سب اسی مالک علی الاطلاق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ یعنی تمہارے خرچ کرنے یا نہ کرنے سے اس کو کوئی فائدہ، نقصان نہیں پہنچتا۔ وہ تو بے نیاز اور بے پرواہ ذات ہے۔ تمام خوبیاں عَلٰی وَجْهِ الْكَمَال اس کی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اس کی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا ہے۔ خرچ کرو گے خود فائدہ اُٹھاؤ گے، نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے۔ [2]

''مختال'' اور ''فخور'' کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر متکبر لوگ اپنی خواہشات میں اور اپنی شوخیاں دکھانے کے لیے خوب مال خرچ کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ بخیل ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ نیکی کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ نہیں کرتے، بلکہ دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے۔

[1] [الحدید: ۲۳، ۲۴] [2] [تفسیر عثمانی۔ ج:۳، ص:۶۳۷، ط: دارالاشاعت، کراچی]

⑥ بخل کا نقصان خود بخیل کو ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○

''دیکھو! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو، تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں، اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے، اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج، اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''[1]

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیتا ہے وہ خود کو دیتا ہے اور اپنی قبر اور آخرت کے لیے ذخیرہ کرتا ہے اور اس کا وہ مال اس کے فائدہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور وہ اپنے مال کو اپنے لیے محفوظ کرنے کی بجائے دوسروں کے لیے اس کی حفاظت کی مشقت اٹھاتا ہے اور پھر ان کے لیے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ تب اس کے مال سے فائدہ تو دوسرے لوگ اٹھاتے ہیں اور اس مال کا وبال قیامت کے دن اسے بھگتنا پڑے گا اور اس کا حساب بھی اسے دینا پڑے گا۔ غور کیجئے! کس قدر محرومی اور نقصان کی بات ہے کہ انسان مال کا حساب بھی دے، اس کا وبال بھی اٹھائے اور اسے اس مال سے کچھ فائدہ بھی حاصل نہ ہو۔ اسی لیے عقل مند آدمی وہی ہے جو اپنے مال کے بدلے آخرت خرید لیتا ہے، اور بجائے اس کے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کو دوسرے کھائیں، وہ اپنی زندگی ہی میں اس مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے بچا لیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

[1] [سورۃ محمد:۳۸]

''یعنی مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول مانگتا ہے۔ نہیں! یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے، پھر ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو کیا پروا ہے۔''[1]

⑦ جو بخل سے بچا اس نے فلاح پائی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

''اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے بچا لیا گیا ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''[2]

تفسیر ''روح البیان'' میں ''شحّ'' کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:

وَ الشُّحُّ: بِالضَّمِّ وَ الْكَسْرِ بُخْلٌ مَعَ حِرْصٍ۔

''شح'' شین کے پیش یا زبر کے ساتھ ''بخل مع حرص'' کو کہتے ہیں۔''[3]

شیخ الاسلام حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری نے دل کے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لیے کہاں ایثار کرسکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟''[4]

صاحب تفسیر حقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''شحّ'' اور ''بخل'' میں علماء نے فرق کیا ہے۔ ''بخل'' صرف منع کرنا، نہ دینا اور ''شحّ'' وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ ''شحّ'' صفات ذمیمہ میں سے تھا جس کا ترجمہ ''لالچ'' ہے، اس لیے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دین و دنیا کی صدہا محرومیاں اسی

---

[1] [موضح قرآن۔ص:۶۶۲،ط: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی] [2] [الحشر:۹]

[3] [حاشیہ جلالین۔ص:۵۲۳،ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

[4] [تفسیر عثمانی۔ج:۳،ص:۶۶۳،ط: دارالاشاعت، کراچی]

شح سے پیدا ہوتی ہیں ۔لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے ۔ہمدردی اور سخاوت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا ۔لالچی اور بخیل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا ۔ایسے آدمی کو ''لئیم'' کہتے ہیں جس کا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے ۔دنیا میں جس قدر اولو العزم لوگ آئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی (کہ) تمام عمر خون جگر کھایا، دولت سے متمتع نہ ہوا، نہ نفس کو آرام دیا، نہ کار خیر میں حصہ لیا، مر گیا چھوڑ گیا، حسرت لے گیا ۔یہی انسان کو چوری، خیانت، قتل، ظلم، جھوٹ بولنے، کم تولنے پر مجبور کرتا ہے، بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے ۔اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے ۔'' [1]

سورۃ تغابن آیت :۱۶ میں بھی یہی مفہوم بیان فرمایا گیا ہے ۔

۸ بخل کرنے والوں کے لیے سختی ہی سختی ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝ وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ۝

''اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھٹلایا اسے ہم سختی میں پہنچائیں گے ۔اور جب وہ (جہنم کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا ۔'' [2]

یعنی جو شخص بخل اختیار کرتا ہے اور آخرت سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے، اس کے لیے سختی ہی سختی ہے ۔ پہلے اس کا دل سخت ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس سے زندگی کا سکون چھن جاتا ہے ۔ پھر اس سے ہر طرح کی نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتے ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی سختی میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور یہ سختی منزل بمنزل اور روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی ہے ۔

[1] [تفسیر حقانی ۔ج:۷،ص:۸۰،ط:الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور] [2] [اللیل:۸،۹،۱۰،۱۱]

⑨ جہاد میں خرچ کرنے سے بخل کرنا اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَ اَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○	’’اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘[1]

جہاد چھوڑ دینا اور جہاد میں مال خرچ نہ کرنا اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ جب جہاد نہیں ہوگا تو دشمنان اسلام کو قوت اور طاقت مل جائے گی اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اسی طرح جب جہاد پر خرچ کرنے سے بخل کیا جائے گا تو مجاہدین کمزور ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا دفاع مضبوط نہیں رہے گا، تب سب کچھ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور وہ جس طرح سے چاہیں گے مسلمانوں کو نوچیں گے اور اسلام کو مٹانے کے لیے طرح طرح کے اقدامات کریں گے۔ مسلمانوں کے خزانے کافروں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے، مسلمانوں کی اجتماعیت پارہ پارہ ہو جائے گی اور وہ اسلامی نظام کی برکات سے محروم ہو جائیں گے۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا ہلاکت ہوگی؟

⑩ ہلاکت ہے ریا کاروں اور بخیلوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ○ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ○ وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ○	’’پس ایسے نمازیوں کے لیے خرابی (ہلاکت) ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں، اور (عام) برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔‘‘[2]

’’یعنی زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے؟ معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً ’’ڈول، رسی، ھنڈیا، دیگچی، کلہاڑی، سوئی دھاگا وغیرہ‘‘ کسی کو مانگی نہیں دیتے، جن کے دے

[1] [البقرۃ:۱۹۵] [2] [الماعون:۴ تا ۷]

دینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور فسق کا جب یہ حال ہو تو ریا کاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہوگا؟ اگر ایک آدمی اپنے آپ کو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا، اس کا اسلام لفظ بے معنیٰ اور اس کی نماز حقیقت سے بہت دور ہے۔'' [1]

اس آیت میں جو سخت وعید آئی ہے وہ زکوٰۃ اور دوسرے مالی واجبات اداء نہ کرنے پر ہے۔ البتہ لفظ ''ماعون'' سے ان کے بخل کی شدت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہ لوگ زکوٰۃ تو درکنار وہ چیزیں بھی کسی کو عارضی استعمال کے لیے نہیں دیتے جن کے دینے کا عام رواج ہوتا ہے اور جن کا باہمی لین دین عام انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے، اور اس طرح کی چیزوں میں بخل کرنے والے کو بے حد کنجوس و کمینہ سمجھا جاتا ہے۔ بخل کی مذمت میں اور بھی کئی قرآنی آیات پیش کی جا سکتی ہیں، مگر ہم انہی آیات پر اکتفاء کرتے ہیں۔



[1] [تفسیر عثمانی۔ ج:۳،ص:۹۱۵،ط:دارالاشاعت، کراچی]

احادیثِ مبارکہ

قرآن مجید کی طرح حدیث شریف میں بھی بخل کے مردود و منحوس مرض کی مذمت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور ان اسباب سے بھی روکا گیا ہے جن سے یہ مردود مرض پیدا ہوتا ہے، اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کے بے شمار فضائل بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر ان تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچے گی۔ ہم یہاں صرف چندہ وہ احادیث مبارکہ ذکر کرتے ہیں جن میں صراحۃً بخل کی مذمت کا بیان ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ نہایت عقیدت اور محبت کے ساتھ عمل کی نیت سے ان احادیث کو پڑھے اور خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبارک فرامین کا مخاطب سمجھے اور سب سے پہلے عمل کرنے والا بنے۔

(۱) ”بخل“ ہلاکت اور بڑے بڑے گناہوں کا سبب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ اتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَ اسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ

”ظلم“ سے بچو، کیونکہ ہر ظلم قیامت کے دن تاریکی ہوگا۔ اور ”بخل“ سے بچو، کیونکہ بخل نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے، اسی نے انہیں خونریزی کرنے اور حرام کو حلال کرنے (یعنی اس میں مبتلاء ہونے) پر ابھارا ہے۔“[1]

آج دنیا میں ہر طرف خون ہی خون نظر آرہا ہے۔ حقیقت میں مال کی لالچ، بخل اور بلند خواہشات نے انسان کو ایک سفاک جانور بنا دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھلا کر اور لوگوں کا

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۵۷۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

خون کر کے صرف اور صرف مال حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۲ ”بخل“ رزق میں بے برکتی کا سبب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَسْمَاءَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تُوْکِیْ فَیُوْکٰی عَلَیْكِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ: أَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰهُ عَلَیْكِ، وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰهُ عَلَیْكِ۔

”حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مال کو روک کر نہ رکھو، ورنہ تم سے بھی مال کو روک دیا جائے گا۔“

دوسری روایت میں ہے:

”مال کو خوب خرچ کرو اور گنتی میں نہ پڑو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا، اور کنجوسی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے مال روک لے گا۔“[1]

کاش! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سچا فرمان ان مسلمان مالداروں کو سمجھ آجائے جو اپنے مال کی حفاظت کے لیے رشوتیں اور سود دیتے پھرتے ہیں اور ذخیرہ اندوزی کو بڑی عقلمندی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مال بینک کے لاکروں اور الماریوں میں بند پڑا رہتا ہے اور اس کی فکر انہیں ستاتی رہتی ہے، لیکن اس مال کا کوئی حقیقی نفع انہیں نصیب نہیں ہوتا۔

۳ ”بخل“ بہت برا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلٰی كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ، وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔

”اے ابن آدم! اگر تم ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر (بخل کر کے) اسے روکے رکھو گے تو یہ تمہارے لیے برا ہے، اور ضرورت کے مطابق

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۴۳۳، ۲۵۹۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

رکھنے میں کوئی ملامت نہیں ہے، اور (دیتے وقت) اپنے عیال سے شروع کرو، اور اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔"[1]

جس چیز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "شر" فرمادیا مؤمن اسے کہاں اختیار کرسکتا ہے؟ اگر دنیا کے لوگ اس نصیحت اور حکم پر عمل کریں تو دنیا سے غربت مٹ جائے گی اور تمام انسان اپنی ضروریات میں خود کفیل ہوجائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور خوش حالی یہودیوں، کمیونسٹوں، مشرکوں اور عیسائیوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ اقتصادی نظام میں نہیں ہے، بلکہ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان فرمودہ اقتصادی نظام میں ہے۔ جسے پس پشت ڈال کر آج دنیا کا غریب محرومی سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور دنیا کا مالدار طبقہ اپنی جان ومال لٹنے کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے۔

(٦) "بخیل" کے لیے فرشتوں کی بددعاء۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا مِنْ يَّوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔

"کوئی دن ایسا نہیں جس میں بندے صبح کریں مگر دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے: "اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ دے۔" اور دوسرا کہتا ہے: "اے اللہ! ممسک (یعنی بخیل اور مال روکنے والے) کے مال کو تلف کردے۔"[2]

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں فرشتوں کی دعاء نصیب ہوتی ہے، اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جنہیں صبح صبح فرشتے کی بددعاء کا سامنا ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ١٠٣٦، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ١٤٤٢، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۵ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بخل نہیں فرمایا:

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ: مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ: لَا۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایسا نہیں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی کچھ مانگا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا ہو۔''[1]

سبحان اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور جود و کرم کی کیا شان تھی۔ آپ کی سخاوت کے سامنے تو ہوائیں اور بادل بھی شرماتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ امت کو آپ ہی کے راستے پر چلنا چاہیے، نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن کے مال کی کثرت کے چرچے اخبارات میں چھپتے ہیں مگر ان پر دن رات اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

۶ بخیل سخت خسارے میں ہیں:

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِنْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ، فَلَمَّا رَآنِيْ قَالَ: هُمُ الْأَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! قَالَ: فَجِئْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ، فَلَمْ أَتَقَارَّ أَنْ قُمْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمُ الْأَكْثَرُوْنَ أَمْوَالًا، إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا - مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ - وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کی دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔'' میں آیا اور آکر بیٹھ گیا۔ لیکن ابھی صحیح طرح نہیں بیٹھا تھا کہ میں کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کون لوگ خسارے میں

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۰۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۹۹۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ہیں؟'' آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''وہ جن کے پاس مال زیادہ ہو۔ مگر (ان میں سے وہ لوگ خسارے میں نہیں ہیں) جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح (یعنی اپنے آگے اور پیچھے اور دائیں بائیں خوب) خرچ کریں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔'' [۲]

آدمی کے پاس زیادہ مال ہو لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ہمت اور جذبہ نہ ہو تو پھر یہ مال واقعی بہت بڑا خسارہ ہے، لیکن اگر زیادہ مال ہو اور خوب خوب خرچ کرنے کا جذبہ اور ہمت بھی ہو تو پھر یہ قابل رشک حالت ہے۔

۷ بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی اور انسانوں سے بھی۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللهِ، قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ، بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ، وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللهِ، بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ، قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ، وَالْجَاهِلُ السَّخِیُّ أَحَبُّ إِلَی اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔

''سخی آدمی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے، جہنم سے دور ہے، اور بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم کے قریب ہے۔ اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔'' [۱]

بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے حسن ظن نہیں رکھتا، بلکہ اسے یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ اگر میں نے مال خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے بچوں کو بھوکا مار دے گا یا محتاجی میں مبتلاء کر دے گا۔ چنانچہ اس کی روح مال میں اٹکی رہتی ہے اور اس کی عبادت بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوتی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سب سے زیادہ محبت مؤمن بخیل سے کرتا ہے، کیونکہ وہ مطمئن ہوتا ہے کہ اس کا بخل اسے ہر حال میں جہنم میں میرے ساتھ لے جائے گا۔ پھر بخیل آدمی اپنی خود غرضی اور مال کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دور رہتا ہے، کیونکہ کسی دل میں مال کی

[۱] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۹۶۱: ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت جمع نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح وہ لوگوں سے بھی دور رہتا ہے، کیونکہ لوگ بخیل آدمی سے بے حد نفرت کرتے ہیں اور جنت سے بھی دور رہتا ہے، کیونکہ بخل کا جو رسہ اس کے گلے میں پڑا ہوتا ہے وہ تو اسے جہنم ہی کے قریب رکھتا ہے نہ کہ جنت کے۔ (العیاذ باللہ)

۸ آدمی کے لیے بدترین خصلت بخل اور بزدلی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شَرُّ مَا فِيْ رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَ جُبْنٌ خَالِعٌ۔

”بدترین خصلتیں جو آدمی میں ہوں (دو ہیں): ایک وہ بخل جو بے صبر کرنے والا ہو، دوسری وہ بزدلی جو جان نکال دینے والی ہو۔“[۱]

یعنی یہ دو عادتیں ان عادتوں میں سے بدترین عادتیں ہیں جو کسی شخص میں پائی جاسکتی ہیں۔ پس جس آدمی میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ بدترین شخص ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر خواہ مخواہ کا بوجھ ہوگا۔ کیونکہ ایسا آدمی کسی کو بھی نفع نہیں پہنچا سکتا، بلکہ اس کی یہ دونوں بری عادتیں عام لوگوں سے لے کر خود اس کے گھر والوں تک کے لیے مصیبت اور ایذاء کا سبب بنی رہتی ہیں۔

۹ ”بخل“ مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ وَ سُوْءُ الْخُلُقِ۔

”دو خصلتیں ایسی ہیں جو مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں: بخل اور بدخلقی۔“[۲]

پس جس شخص کے دل میں جتنا بخل ہوگا اس کے دل سے ایمان اسی قدر کم ہوتا چلا جائے گا، اور جس کے دل میں جتنا ایمان ہوگا اسی قدر بخل اس کے دل سے دور ہو جائے گا۔

---

۱ [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۲۵۱۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۹۶۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''بخل'' ایک کافرانہ صفت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، اور ان دونوں میں سے جو بھی غالب آتا ہے وہ دوسرے کو کھا جاتا ہے۔

۱۰ بخیل جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّلَا مَنَّانٌ وَّلَا بَخِیْلٌ۔

''چالباز، بخیل اور احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''[۱]

یعنی تین طرح کے لوگوں کو ان کی بیماریاں جہنم میں لے جائیں گی، ان میں سے ایک بخیل بھی ہے۔ مال کی محبت اور مال کا بوجھ اسے جنت سے دور رکھے گا۔

۱۱ جب قوم کے مالدار بخیل ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُوْرُكُمْ إِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔

''جب تمہارے حکام تمہارے بہترین لوگ ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے چلتے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لیے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکام تم میں سے شریر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔''[۲]

یعنی جب حکمران طبقہ بدترین افراد پر مشتمل ہو اور قوم کے مالدار بخیل بن کر مال جمع کرنے

---

۱ [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۸۷۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۲۶۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

لگیں اور عورتیں تم پر حاوی ہو جائیں اور اختیارات ان کے ہاتھ میں چلے جائیں تو پھر بدترین فتنے آئیں گے اور ان حالات میں موت زندگی سے بہتر ہوگی۔

(۱۲) بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَجْتَمِعُ شُحٌّ وَ إِيْمَانٌ فِيْ قَلْبِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ۔

"بخل اور ایمان کسی مسلمان آدمی کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔"[۱]

جب دل میں ایمان ہوگا تو وہ بخل اور حرص کو باہر نکال پھینکے گا، لیکن اگر خدانخواستہ دل میں بخل و حرص کا غلبہ ہوا تو پھر ایمان اس دل میں نہیں رہے گا۔ (العیاذ باللہ)

(۱۳) بخل جہنم کا درخت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ، فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا، فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَ الشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ، فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا، فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔

"سخاوت جنت میں ایک درخت ہے، پس جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑے گا پھر وہ ٹہنی اسے جنت میں داخل کر کے ہی چھوڑے گی۔ اور بخل (وحرص) جہنم کا ایک درخت ہے، پس جو بخیل ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑے گا، وہ ٹہنی اسے جہنم میں داخل کر کے ہی رہے گی۔"[۲]

یقیناً سخاوت جنت کا راستہ ہے اور بخل وحرص جہنم کا راستہ ہے، پس جو جس راستے کو اختیار

---

۱ [سنن النسائی۔ رقم الحدیث: ۳۱۱۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۷، ط: مکتبۃ الرشد، ریاض]

کرے گا اسی کی منزل تک پہنچے گا۔

۱۴ بخیل اور سخی کی مثال۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الْبَخِيلِ وَ الْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ، قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيهِمَا إِلَى ثُدِيِّهِمَا وَ تَرَاقِيهِمَا، فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ، حَتّٰى تَغْشٰى أَنَامِلَهُ وَ تَعْفُوَ أَثَرَهُ، وَ جَعَلَ الْبَخِيلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ، وَ أَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا۔

''بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں ہوں (اور) ان کے ہاتھ چھاتیوں اور گردنوں کے ساتھ (اس زرہ میں) بندھے ہوئے ہوں۔ بس صدقہ کرنے والا جب بھی صدقہ کرتا ہے تو اس کے جبہ میں کشادگی ہو جاتی ہے اور وہ اس کی انگلیوں تک بڑھ جاتا ہے اور قدم کے نشانات کو ڈھک لیتا ہے اور بخیل جب بھی کبھی صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا جبہ اسے اور چمٹ جاتا ہے اور ہر حلقہ اپنی جگہ پر جم جاتا ہے۔''[1]

یعنی سخی آدمی آزاد ہوتا ہے، بہادر ہوتا ہے اور باوقار ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اور جنت کا خریدار بنتا ہے اور لوگوں کی دعائیں لیتا ہے۔ جبکہ بخیل آدمی اپنے بخل، حرص اور لالچ کے پھندوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ ان پھندوں اور رسوں کو توڑنے کی سکت اور طاقت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے پاس مال ہوتا ہے، لیکن وہ اس مال کو اپنے لیے مفید بنانے کی ہمت اور قوت نہیں رکھتا۔

۱۵ پڑوسی کے ساتھ بخل کا انجام۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

۱ [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۵۷۹۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [السنن الکبری للبیہقی۔ رقم الحدیث: ۱۹۶۶۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَ جَارُهٗ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهٖ۔

''وہ شخص مؤمن (کامل) نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔'' [۲]

یعنی مؤمن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے مال سے اپنا پیٹ تو بھرتا رہے، مگر اس میں سے کچھ بھی اپنے پڑوسی کو نہ دے، اور اس کا پڑوسی بھوک سے بلکتا رہے، بلکہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ خود بھوک برداشت کر لیتا ہے، لیکن اپنے پڑوسی کو بھوکا نہیں رہنے دیتا۔

(۱۶) جانور کے ساتھ بخل اور ظلم کا انجام۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ۔

''ایک عورت عذاب میں مبتلاء ہوئی اس بلی کی وجہ سے جسے اس نے باندھے رکھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی۔ نہ تو اس نے اسے باندھنے کے بعد خود اسے کچھ کھلایا پلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے حشرات وغیرہ سے اپنا پیٹ بھر لیتی۔'' [۲]

جب ایک بلی کو اپنے بخل کی وجہ سے مارنے کا یہ انجام ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو مال جمع کرنے کی لالچ میں ملاوٹ، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذریعے روزانہ ہزاروں لوگوں کو مار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ تجوریوں اور بکسوں میں پڑا رہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق بھوک سے مرتی رہے۔ بس جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کرے گا وہ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکے گا۔ یہ مالداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی حاجات کو معلوم کریں اور اپنے مال کے ذریعے سے اسے پورا کریں، ورنہ انہیں اپنے مال پر پچھتانا پڑے گا۔

[۱] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۴۸۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۱۷ بخل اور حرص کی وجہ سے ذخیرہ اندوزی کرنے والوں پر لعنت۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔

''جو شخص رزق (گندم، اشیائے خوردنی غلہ وغیرہ) باہر سے لائے (تاکہ لوگوں کو بسہولت و سستا فراہم کرے) اس کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) روزی دی جاتی ہے، اور جو شخص ذخیرہ اندوزی کرے وہ ملعون ہے۔''[1]

وہ کام جسے آج کے بزنس میں ایک فن سمجھا جاتا ہے اور اس میں خوب محنت کی جاتی ہے، وہی کام لعنت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ تاجروں کو عقل سلیم عطاء فرمائے، تاکہ وہ لعنت سے بچیں اور بخل کو چھوڑ دیں۔

۱۸ بخل آخرت کے لیے خطرناک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ فَقَالَ - يَعْنِيْ رَجُلًا - أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: أَوَ لَا تَدْرِيْ فَلَعَلَّهٗ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهٗ۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو ایک (دوسرے) شخص نے کہا: ''جنت کی بشارت ہو۔'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہیں کیا معلوم؟ ممکن ہے اس نے کبھی کوئی فضول بات زبان سے نکالی ہو یا کسی ایسی چیز میں بخل کیا ہو جس سے

[1] [سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۲۱۵۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۳۱۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔'' [2]

یعنی فضول باتیں اور بخل آخرت کے لیے خطرناک ہیں، خواہ عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے اپنے اندر سے کھرچ کھرچ کر بخل کو نکالنا چاہئے، کیونکہ یہ بیماری اگر آدمی میں جڑ پکڑ جائے تو پھر اسے جہنم کا دھواں سونگھا کر ہی چھوڑتی ہے۔

(۱۹) بخل امت کے فساد کی ابتداء ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالْيَقِيْنِ وَ الزُّهْدِ، وَ أَوَّلُ فَسَادِهَا بِالْبُخْلِ وَ الْأَمَلِ۔

''اس اُمت کی اصلاح کا آغاز (اللہ تعالیٰ پر) یقین اور زہد سے ہوا، اور اس کے فساد کی ابتداء بخل اور لمبی لمبی امیدوں سے ہوگی۔'' [1]

جب کسی قوم میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی نہیں رہتی تو اس میں لمبی لمبی امیدیں باندھنے کا شوق اور بخل کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ تب اس قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دُنیا کی کوئی طاقت اسے زوال اور انحطاط سے نہیں بچا سکتی۔ سوائے اس کے کہ اُمت میں دوبارہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہو اور بخل وحرص سے اسے چھٹکارا ملے۔

(۲۰) بخل جہنم کی آگ کا دھواں ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَ عِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا بِلَالُ؟ قَالَ: شَيْءٌ ادَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ۔ فَقَالَ: أَمَا تَخْشٰى أَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ أَنْفِقْ بِلَالُ! وَ لَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا۔

---

[1] [شعب الایمان للبیہقی۔ رقم الحدیث: ۱۰۳۵۰، ط: مکتبۃ الرشد، ریاض]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کیا ہے اے بلال؟'' انہوں نے عرض کیا: ''یہ کل (یعنی آئندہ) کے لیے میں نے رکھ لیا ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے بلال! تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کی وجہ سے کل قیامت کے روز تم جہنم کا دھواں دیکھو؟ بلال! خرچ کر ڈالو اور عرش والے کی طرف سے کمی کا خوف نہ کرو۔'' [1]

مال کے حقوق ادا کرنے کے بعد ضروریات کے لیے کچھ رکھ لینا گناہ نہیں ہے، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تو مقربین افراد میں سے تھے اور توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا یہ عمل ان کی شان توکل کے مطابق معلوم نہ ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خرچ کرنے کی ترغیب دی، اور اُمت کے لیے ایک بہترین سبق چھوڑا، اور امت کے قلوب میں اس بات کا یقین بھر دیا کہ عرش والے عظیم رب کی طرف سے کمی کا خوف اور اندیشہ نہ کرو، اس کے خزانے تو بے شمار ہیں۔ کاش! بخیل اس وجد آفریں نکتے کو سمجھیں اور بخل کا طوق اپنے گلے سے نکال پھینکیں۔

اس موضوع پر ہمارے سامنے اور بھی کئی احادیث مبارکہ ہیں، مگر بات سمجھنے اور سمجھانے کے لیے انہی بیس احادیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عِبرت و مَوعظت

ہم نے پچھلے صفحات میں پڑھ لیا ہے کہ بخل اور کنجوسی شیطان کا ایک خطرناک پھندا ہے، جس میں پھنسا کر وہ لوگوں کو جہنم کی طرف کھینچتا ہے، اور اسی کے ذریعے وہ دنیا میں فساد اور افراتفری

[1] [شعب الایمان للبیہقی۔ رقم الحدیث: ۳۰۶۷، ط: مکتبۃ الرشد، ریاض]

پھیلاتا ہے۔اسی طرح ہم نے یہ بھی پڑھ لیا ہے کہ بخل ایک خطرناک بیماری ہے، جس کی وجہ سے خون بہتا ہے اور حرمتیں تباہ ہو جاتی ہیں اور لوگ چوری، ڈاکے، ملاوٹ اور طرح طرح کے جرائم میں مبتلاء ہوتے ہیں۔اسی طرح ہم نے یہ بھی پڑھ لیا کہ شیطان نے یہودیوں کو بخل سکھایا اور پھر یہودیوں نے اس بیماری کو پوری دنیا میں عام کرنے کی ٹھان لی۔اسی طرح قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضول کاموں میں خرچ کرنے اور لوگوں کے دکھلاوے کے لیے مال لٹانے کی بدولت بخل پیدا ہوتا ہے۔یہودیوں نے بخل کے مرض کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے اور وہ پوری دنیا میں فضول خرچی اور دکھلاوے کو عام کر کے بخل پھیلا رہے ہیں۔یہودیوں کا بخل کسی سے مخفی نہیں ہے۔یہ بخیل اور ذخیرہ اندوز قوم پوری دنیا میں معاشی عدم توازن کی سب سے بڑی ذمہ دار ہے۔یہودیوں کے برخلاف ہمارے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخل سے پاک اور جود و سخا کی صفات سے مالا مال تھے۔قرآن مجید حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سخاوت اور ان کے ایثار کو بیان فرماتا ہے اور تاریخ کی کتابیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جود و سخا اور ایثار کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔پھر صرف یہی نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود سخی تھے اور مال کو آخرت کمانے کا اور لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے، بلکہ انہوں نے دنیا میں سخاوت پر مبنی ایسا معاشی نظام قائم فرمایا جس کے ثمرات کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ان کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ غریب لوگ بے حد غیور تھے اور مالدار غریبوں پر مال خرچ کرنے کے حریص تھے۔ان کے زمانے میں خرچ کرنے والے اپنا مال لے کر غریبوں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور بسا اوقات انہیں اپنی اس تلاش میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔یہودی تو اپنے پڑوسی کو بھوکا مارنا اپنا فن سمجھتے ہیں، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ اعلان کرتے تھے کہ اگر کسی کا کتا بھی پیاسا مر گیا تو ہم سے پوچھ ہو سکتی ہے۔یہودی تو آرام دہ حالات میں بھی بخل پر ڈٹے رہتے تھے، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزع کے وقت بھی سخاوت اور ایثار کو فراموش نہیں فرماتے تھے۔تاریخ

گواہ ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے آخری وقت میں بھی اپنے ساتھی کو پانی بھجوادیا اور خود جامِ شہادت نوش فرمایا۔ یہودیوں کی مثال اس گندے اور گہرے گٹر جیسی ہے جس میں اچھی سے اچھی چیز بھی ڈالی جائے تو وہ اس میں جا کر غرق ہو جاتی ہے اور اس پر غلاظت کا تسلط ہو جاتا ہے اور وہ کسی کے کام کی نہیں رہتی، جبکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال اس زرخیز زمین جیسی تھی جس میں اگر چند دانے بھی ڈالے جائیں تو وہ دانے ایک لہلہاتی فصل بن کر دوسروں کے کام آجاتے تھے۔ کیا یہودی اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی ملکیت کا سارا سامان لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے؟ کیا یہودی اس کا گمان بھی کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص سارا دن مزدوری ہی اس لیے کرے تا کہ وہ جو کچھ کمائے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے سکے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اپنے پورے کے پورے تجارتی قافلے اور اپنے خوشنما گنجان باغات اور اپنی پسندیدہ جائیدادیں کھڑے کھڑے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے دیتے تھے۔ کیا یہودی اپنے اندر ایسی کوئی مثال دکھا سکتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ اب دنیا سے اپنے خاتمے کے خوف کی وجہ سے یہودی آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے لگے ہیں، مگر یہ سب کچھ سخاوت کا نہیں صرف اور صرف خوف کا نتیجہ ہے اور یہودی آج بھی اسی طرح بخیل ہیں جس طرح ماضی میں تھے۔ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ یہودیوں کے اس طریقے کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیں، بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلتے ہوئے جود وسخا اور ایثار کو اپنی طبیعت اور مزاج کا حصہ بنائیں اور بخل سے بچنے کی بھرپور کوشش کریں، کیونکہ بخل دنیا میں عار اور آخرت میں تکلیف اور ذلت کا سبب ہے۔ مذکورہ بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔ اللہ کرے مفید ہوں۔

❁ افسوس کی بات یہ ہے کہ اب مسلمانوں میں سے بھی بہت سارے افراد نے بخل کو اپنا لیا ہے۔ خصوصاً زراعت پیشہ زمیندار اور کسان اس بیماری میں زیادہ مبتلاء ہو رہے ہیں، جس

کی وجہ سے زمین کی برکت اُٹھتی چلی جارہی ہے۔ زرخیز زمین تیزی سے بنجر ہورہی ہے اور زراعت پیشہ طبقے میں سے دین نکلتا جارہا ہے۔ یہ لوگ عشر اور زکوٰۃ کو ایک بوجھ سمجھنے لگے ہیں اور نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ (نعوذ باللہ) کئی زمینداروں نے عشر سے بچنے کے لیے خود کو رافضی اور شیعہ لکھوا دیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں (نعوذ باللہ) نفاق جڑ پکڑتا جارہا ہے۔ کئی کسان اور زمیندار ایسے بھی ہیں جو باوجود استطاعت کے پیسہ دبا کر بیٹھے رہتے ہیں اور حج جیسے فریضے سے غافل رہتے ہیں، جس پر اتنی سخت وعید آئی ہے کہ جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہیں کرتا وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں)۔ (کما فی معنی الحدیث)

- مسلمانوں کے تاجر طبقے میں بھی بخل سرایت کر چکا ہے۔ تجوریاں بھرنے کا شوق، جائیداد پر جائیداد بنانے کا جنون، غیر ملکوں میں اپنے پاؤنڈ اور ڈالر محفوظ کرنے کا خبط، اور زیادہ سے زیادہ پیسہ بنانے کی دوڑ نے ہمارے تاجر اور صنعت کار طبقے کو اسلام سے، دین سے اور انسانیت سے بہت دور کر دیا ہے۔ ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو اپنے مال میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے خوشخبری اور بشارت ہے، لیکن اکثریت نے مال کو قبلہ و مقصود بنالیا ہے اور ان میں بخل کی گندی بیماری نے راہ پکڑ لی ہے۔
- مسلمانوں کا غریب اور متوسط طبقہ بھی بخل کی لپیٹ میں آتا جارہا ہے۔ اس طبقے میں ذخیرہ اندوزی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہ کرنے کا رواج پڑ چکا ہے۔ ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ ہمارا کام تو صرف لوگوں سے لینا ہے اور مال خرچ کرنے کے فضائل صرف مالداروں کے لیے ہیں۔ یہ سوچ اس طبقے کی تباہی، ذلت اور پسماندگی کا بہت بڑا سبب ہے۔ وگرنہ یہ لوگ بھی اگر حسب استطاعت مال خرچ کریں اور اپنی طاقت کے مطابق جود و سخا اور ایثار سے کام لیں تو ان کے تمام حالات میں خوشگوار تبدیلی آسکتی ہے۔

 مذکورہ بالا تینوں طرح کے طبقوں سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جن میں بخل کا مرض سرایت کر چکا ہے، انہیں چاہئے کہ اس بیماری کے علاج کی فکر کریں اور اپنے اندر سے اس خطرناک بیماری کو نکالنے کے لیے محنت کریں۔اس سلسلے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

(۱) پہلے ہر شخص اپنا محاسبہ کرے کہ آیا میرے اندر دُنیا کی محبت اور مال جمع کرنے کا شوق ہے یا نہیں؟ اگر دل دنیا کی محبت سے پاک ہو اور یہ محسوس ہو کہ دنیا تو صرف حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہے تو ایسے افراد اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کریں، اور اگر دل میں دنیا کی محبت محسوس ہو تو فوراً توبہ استغفار کریں اور روزانہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کریں کہ "یا اللہ! مجھے اس موذی مرض سے نجات عطاء فرما اور دنیا کی بجائے اپنی محبت نصیب فرما۔" بخاری وغیرہ میں سند صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم "بخل" سے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہایت اہتمام سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ ہر نماز کے بعد اس دُعاء کو توجہ کے ساتھ پڑھنا اپنا معمول بنائیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ۔"[۱]

(۲) بخل کو ایک گندی عادت سمجھیں اور اس سے کراہیت کریں، اور یہ سوچیں کہ اگر میں اس بیماری کو لے کر مر گیا تو میرا بہت نقصان ہوگا۔

(۳) وہ آیات اور احادیث جو بخل کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں سے چند ایک کو ہم نے ذکر کر دیا ہے، ان کو روزانہ پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کا معمول بنائیں۔

(۴) اپنا محاسبہ کریں کہ اب تک کتنی زکوٰۃ نہیں دی؟ اور کیا مجھ پر حج اور قربانی فرض ہے یا نہیں؟ اور پھر جتنی بھی تکلیف ہو اسے برداشت کر کے گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اور دیگر حقوق واجبہ کو اداء کریں۔

(۵) تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کیوں دیا ہے؟ کیا صرف گننے،

[۱] [صحیح البخاری۔رقم الحدیث:۵۴۲۵،ط:دار الکتب العلمیہ،بیروت]

حساب کی مشقت برداشت کرنے اور جمع کرنے کے لیے، یا کسی اور کام کے لیے؟ نیز اس پر بھی غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو کیوں پیدا کیا ہے؟ اور اس پر بھی غور کریں کہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا فائدہ اس کے مرنے کے بعد کسے ملے گا؟ اور اس پر بھی غور کریں کہ اگر مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کیا جائے گا تو مرنے کے بعد اس کا حساب کون دے گا اور اس مال کا فائدہ کس کو ملے گا؟

٦ فضول خرچی اور دکھاوے پر مال خرچ کرنے سے طبیعت میں بخل پیدا ہوتا ہے۔ آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو شادی اور موت کی بے جا اور غیر شرعی رسومات پر صرف دکھلاوے کے لیے خوب خرچ کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے وقت انہیں موت آتی ہے۔ بعض لوگ عید الاضحیٰ کے دن ہزاروں روپے کے کیک اور مٹھائیاں صرف ناک رکھنے کے لیے خریدتے ہیں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں بھیج کر ان کے سسرال سے اپنی عزت بچاتے ہیں، مگر اس سے کم رقم خرچ کر کے قربانی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں انسانوں کا ڈر تو ہے کہ کوئی انسان ان پر کوئی بات نہ کر دے، مگر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور آخرت کی فکر نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ شیطانی پھندے سے باہر آ کر سوچیں کہ لوگ تو کبھی خوش نہیں ہوتے اور بے جا خرچ کیا جانے والا مال صرف وبال ہی بنتا ہے، تو پھر کیوں نہ ہر طرح کی فضول خرچی اور دکھلاوے کو چھوڑ کر اپنی اور اپنے اہل خانہ و مستحقین کی ضروریات پوری کرنے اور نیکیاں کمانے اور ذخیرۂ آخرت بنانے کے لیے مال کو خرچ کریں۔

٧ بعض لوگوں پر اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر کا بھوت حد سے زیادہ سوار رہتا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا چاہیے کہ اس نے جس کو پیدا کیا ہے اس کی روزی کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔ اس لیے سارا مال اولاد کی خاطر چھوڑنے کی بجائے اس مال کے ذریعے دین کی خدمت بھی کریں اور اس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ

کر کے اپنے لیے مفید بنائیں ۔ جہاں تک اولاد کا معاملہ ہے تو اگر وہ نیک ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں فرمائے گا اور اگر وہ بری ہوگی تو اس کے ہاتھ میں مال دینا اس پر مزید ظلم ڈھانا ہے، کیونکہ معلوم نہیں یہ مال کس کس برائی میں استعمال ہوگا؟ اچھا یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے بھی مفید بنائیں اور اس مال کو خرچ کر کے اپنی اولاد کو بھی نیک بنائیں اور معروف طریقے سے اپنی اولاد کے لیے کچھ مال اور نیکی کے کام بھی چھوڑ جائیں ۔

٨ بخل توڑنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر زبردستی اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کریں اور بار بار یہ عمل کریں، بالآخر نفس اپنی سرکشی چھوڑ دے گا۔ تھوڑا سا سوچیے کہ اگر کسی کو بھوک لگنا بند ہو جائے تو وہ بھوک کھلوانے کے لیے کتنی رقم خرچ کرے گا؟ اگر کسی کا پیشاب بند ہو جائے تو وہ اسے جاری کرنے کے لیے کتنا مال خرچ کرے گا؟ اگر کسی کو کینسر ہو جائے تو وہ جان بچانے کے لیے کتنا مال لٹائے گا؟ کیا یہ بیماریاں قبر کے عذاب اور جہنم کی آگ سے زیادہ سخت ہیں؟ ہرگز نہیں ۔ پس قبر کے عذاب سے بچنے اور جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کے لیے ایک مسلمان کو اس سے بھی زیادہ خرچ کرنا چاہئے جتنا وہ اپنی بیماریوں کے علاج پر کرتا ہے ۔ اگر کسی آدمی کا محبوب بیٹا گم ہو جائے تو وہ اسے ڈھونڈنے اور اس سے ملنے کے لیے کتنا مال خرچ کرتا ہے؟ کیا ایک مسلمان کے دل میں اس کی تمنا پیدا نہیں ہوتی کہ وہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اور حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کے ساتھ جنت میں جائے اور ان سے ملاقات کرے اور اس کی خاطر بیٹے کی تلاش سے زیادہ مال خرچ کرے؟

٩ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اوپر لازم کرلیں کہ وہ فضول خرچی اور دکھلاوے میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کریں گے ۔ نیز ہر مسلمان اپنی آمدنی سے زکوٰۃ اور دیگر حقوق واجبہ اداء کرنے کے علاوہ ایک مخصوص مقدار مقرر کرے، اور وہ یہ رقم دینی مدارس، مجاہدین کرام،

بیواؤں، یتیموں اور غریبوں پر خرچ کرے۔ اگر کسی شخص کی آمدن کم بھی ہو تب بھی وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ دیا کرے، تاکہ دل میں بخل جڑ نہ پکڑ سکے۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور انہیں تجارت کا سلیقہ عطاء فرمایا ہے، وہ اپنی ضروریات کے علاوہ بعض تجارتیں، بعض دکانیں اور بعض کارخانے قائم کر کے انہیں مجاہدین اور دینی مدارس کے لیے مخصوص کر دیں اور جب مزید برکت ہو تو ایک اور تجارت یا کارخانہ کھول کر کسی اور اچھے کام کے لیے مخصوص کر دیں۔

(۱۰) مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود مستحقین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہایت عزت و اکرام سے ان تک اموال پہنچایا کریں۔ کیونکہ خرچ کرنے والا زیادہ محتاج ہے اس لیے اسے ہی زیادہ دوڑ دھوپ کرنی چاہئے، اور اسے اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ میں جو کچھ دے رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کو دے رہا ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور ہر دینے والے شخص کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ چونکہ اس کے دینے کا فائدہ خود اسی کو دُنیا و آخرت میں ملتا ہے، اس لیے وہ لینے والوں کے آنے کا انتظار نہ کرے بلکہ ان کے دروازوں پر جا کر ان کی خدمت میں مال پیش کرے اور اسے اپنی سعادت اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے۔

یا اللہ! راقم الحروف اور تمام مسلمانوں کو "بخل" سے محفوظ فرما کر جود وسخا اور جذبہ ایثار جیسی صفات سے مالا مال فرما، آمین یا ارحم الراحمین

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

۳ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء
یوم الاربعاء سہ پہر
سجن کوت بلوال، بجامو، الھند
(کوٹ بھلوال جیل جموں، ہند)

باب چہارم

قرآنِ مجید میں یہود کا تذکرہ

یہود اور یہودیت کے متعلق آیاتِ کریمہ کی فہرست



باب چہارم

قرآنِ مجید میں یہود کا تذکرہ

اگر آپ یہودیوں کے متعلق مفصل معلومات چاہتے ہیں کہ ان کا آغاز کیا ہے اور انجام کیا ہے؟ ان پر اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے انعامات ہوئے اور کس کس طرح سے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت نازل ہوئی؟ یہود کے حق پرست طبقے میں کون کون سی خوبیاں تھیں؟ اور ان کے اکثریتی طبقے میں کون کون سے امراض تھے؟ یہودیت کی تاریخ کیا ہے اور کن کن اچھی یا بری شخصیات کا یہودی معاشرے پر اثر پڑا؟ یہودیوں کی اصلاح کا راستہ کون سا ہے اور ان کی مکمل تباہی کے اسباب کیا ہیں؟ تو آپ قرآن مجید کا اول تا آخر مطالعہ کیجئے۔ یہودیوں کو جاننے اور پہچاننے اور یہودیت کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید سے زیادہ بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ قرآن مجید یہودیت کا نبض شناس ہے، اور قرآن مجید نے یہودیت کو ناکامی اور گمراہی کی مثال کے طور پر بار بار پیش کیا ہے، تاکہ پوری انسانیت گمراہی اور تباہی کے ان اسباب سے محفوظ رہے جو اسباب تمام تر قوت کے ساتھ یہود میں جمع ہو چکے تھے۔ قرآن مجید میں اس موضوع کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی دعوت پر مکمل لبیک کہنے والے افراد بالآخر خود ہی زمین پر چلتے پھرتے شیطان بن جاتے ہیں، اور اس المیے کی سب سے جامع مثال ''یہودی'' ہیں، جو زمین پر شیطان کا خوفناک روپ یعنی طاغوت بن کر ابھرے اور غضب الٰہی کا شکار ہو گئے۔ شیطان کی دعوت آج بھی جاری ہے۔ وہ کامیاب تجربے جو اس نے یہودیوں پر کیے آج وہی تجربات وہ مسلمانوں پر کر رہا ہے۔ وہ کھائیاں جن میں اس نے یہودیوں کو گرایا آج بھی کھلی ہیں اور شیطان اپنے انسان نما حواریوں

کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ان میں دھکیل رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہود ایک مخصوص قوم کا نام ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہودیت کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ان باطل نظریات اور اعمال کا نام ہے جو شیطان نے ایجاد کیے ہیں، اور وہ ان باطل نظریات اور اعمال میں الجھا کر مختلف قوموں کو یہودیت کے اس خطرناک راستے پر لے جاتا ہے جن راستوں پر ذلت اور مسکنت اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔

آج اگر مسلمان قوم ذلت، مسکنت اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے ان پتھروں سے بچنا چاہتی ہے تو اسے اپنے نظریات اور اعمال میں سے یہودیت کو باہر نکالنا ہوگا۔

قرآن مجید میں یہودیت کا تذکرہ جا بجا بکھرا پڑا ہے۔ چاہئے تو یہ کہ مسلمان اول تا آخر بار بار قرآن مجید کو خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھیں اور سمجھنے کے لیے قرآن مجید کے ماہرین علماء کرام کا تعاون لیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ اور ہر سورت کا دوسری سورت کے ساتھ ربط ہے۔ اس لیے چند مخصوص آیات کو الگ الگ کر کے پڑھنے سے وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو پورا قرآن مجید اول تا آخر پڑھنے سے نصیب ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کی سہولت کے لیے ہم نے پورے قرآن مجید پر نظر دوڑا کر ان آیات کی ایک فہرست تیار کی ہے جن میں یہودیوں کا یا یہودیت کا تذکرہ ہے۔ اُمید ہے کہ اس فہرست میں مذکور آیات کو پڑھ کر آپ کو یہودیت کے بارے میں وہ مفصل اور معتمد معلومات حاصل ہو جائیں گی جو دنیا کی کسی بھی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتیں۔

ہم نے اس فہرست میں صرف انہی آیات کو لیا ہے جن کا تعلق براہ راست یہود کے ساتھ ہے اور ان عام قوانین والی آیات کو لیا ہے جن کا اولین ہدف یہود ہیں، اسی طرح ان آیات کو لیا ہے جن میں یہود پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور پھر اس کے غضب کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح یہود پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفقتوں، یہود کی گستاخیوں اور ان کے امراض وغیرہ پر مشتمل آیات بھی مذکور

ہیں ۔البتہ وہ آیات اس فہرست میں مذکور نہیں ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل مثلاً حضرت داوٗد، حضرت سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم کے وہ حالات ہیں جن کا تعلق یہودیوں کے ساتھ نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ فہرست ان شاء اللہ تعالیٰ یہودیوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کی ایک جامع فہرست ہے۔اس فہرست سے استفادہ کیجئے۔مگر اس موضوع پر مطالعے کا حقیقی لطف تبھی آئے گا جب آپ مستند تفاسیر کی روشنی میں پورے قرآن مجید کا مطالعہ کریں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
بمطابق 2 اگست 1999ء
بروز دوشنبہ

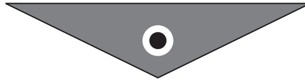


فہرست

یہود اور یہودیت سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کی فہرست

قرآن کریم کی ۳۵ سورتوں کی ۴۴۵ آیاتِ مبارکہ میں یہود اور یہودیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ان آیات کی فہرست سورتوں کے ناموں سمیت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ الفاتحہ | ۱ | آیت | ۷



سورۃ البقرہ | ۱۰۹ | آیات

۴۰ تا ۱۰۹	۱۱۱ تا ۱۱۳	۱۱۶	۱۱۷	۱۲۰ تا ۱۲۴	۱۳۲ تا ۱۳۷	۱۳۹ تا ۱۴۲	۱۴۴ تا ۱۴۶
۱۵۰	۱۵۹	۱۶۰	۱۷۴ تا ۱۷۷	۲۱۱	۲۴۳	۲۴۶ تا ۲۵۱	۲۵۳

نوٹ: ایک تفسیری قول کے مطابق سورۂ بقرہ کی آیت ۱۱۴ اور ۱۱۵ کا تعلق بھی یہود سے ہوسکتا ہے۔

سورۃ آل عمران | ۵۵ | آیات

۱۹ تا ۲۵	۲۸	۵۲	۵۴ تا ۵۶	۶۴ تا ۸۰	۹۳ تا ۹۶	۹۸ تا ۱۰۱	۱۰۵
۱۱۰ تا ۱۱۵	۱۱۸ تا ۱۲۰	۱۸۱ تا ۱۸۴	۱۸۶ تا ۱۸۹				

سورۃ النساء ۲۹ آیات

۳۸ ۔ ۴۴ تا ۴۷ ۔ ۴۹ تا ۵۵ ۔ ۶۰ ۔ ۱۲۳ ۔ ۱۳۱ ۔ ۱۳۷ ۔ ۱۴۴ ۔ ۱۵۰ ۔ ۱۵۱ ۔ ۱۵۳ تا ۱۶۲

سورۃ المائدہ ۴۷ آیات

۵ ۔ ۱۲ تا ۱۶ ۔ ۱۸ تا ۲۶ ۔ ۳۲ ۔ ۴۱ تا ۴۵ ۔ ۴۸ تا ۵۳ ۔ ۵۷ تا ۷۷ ۔ ۷۸ تا ۸۲ ۔ ۱۱۰

نوٹ: سورۂ مائدہ کی آیت ۴۶ اور ۴۷ کا تعلق بھی یہود سے بنتا ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔

سورۃ انعام ۳ آیات

۲۰ ۔ ۱۱۴ ۔ ۱۴۶

سورۃ اعراف ۳۸ آیات

۱۰۵ ۔ ۱۲۷ تا ۱۲۹ ۔ ۱۳۴ ۔ ۱۳۷ تا ۱۴۲ ۔ ۱۴۵ تا ۱۵۰ ۔ ۱۵۲ تا ۱۵۷ ۔ ۱۵۹ تا ۱۷۱ ۔ ۱۷۵ تا ۱۷۶

سورۃ توبہ ۷ آیات

۲۹ تا ۳۵

سورۃ یونس ۱۲ آیات

۸۳ تا ۹۴

ہود | ۱ | آیت

۱۱۰

رعد | ۲ | آیات

۳۶،۳۷

ابراہیم | ۵ | آیات

۵ تا ۹

النحل | ۱ | آیت

۱۱۸

بنی اسرائیل | ۱۱ | آیات

۲ تا ۸ | ۸۵ | ۱۰۱ تا ۱۰۴

نوٹ سورۃ مریم کی ابتدائی ۳۷ آیات کا کسی قدر تعلق بنی اسرائیل کے ساتھ بھی ہے اور اشارۃ ان کی بعض بیماریوں کا تذکرہ بھی ہے۔

طٰہٰ | ۲۲ | آیات

۴۷ | ۷۷،۷۸ | ۸۰ تا ۹۸

الحج | ۱ | آیت

۱۷

الشعراء | ۲۰ | آیات

۱۷ | ۲۲ | ۵۲ تا ۶۸ | ۱۹۷

سورۃ النمل | ۱ | آیت
۷۶

سورۃ القصص | ۱۴ | آیات
۴ تا ۶ | ۵۲ تا ۵۵ | ۷۶ تا ۸۲

سورۃ عنکبوت | ۴ | آیات
۳۹ | ۴۰ | ۴۶ | ۴۷

سورۃ السجدہ | ۳ | آیات
۲۳ تا ۲۵

سورۃ الاحزاب | ۶ | آیات
۲۶ | ۲۷ | ۶۰ تا ۶۲ | ۶۹

سورۃ الصّٰفّٰت | ۲ | آیات
۱۱۵ | ۱۱۶

سورۃ مؤمن | ۴ | آیات
۲۴ | ۲۵ | ۵۳ | ۵۴

حٰمٓ السجدہ | ۱ | آیت
۴۵

الدخان | ۱۲ | آیات
۱۸ | ۲۳ تا ۳۳

الجاثیہ | ۲ | آیات
۱۶ | ۱۷

الحدید ۳ آیات

۱۶ ، ۲۸ ، ۲۹

المجادلہ ۲ آیات

۸ ، ۱۴

الحشر ۹ آیات

۲تا۷ ، ۱۱،۱۲ ، ۱۴

الممتحنہ ۱ آیت

۱۳

الصّف ۴ آیات

۵تا۷ ، ۱۴

الجمعہ ۴ آیات

۵تا۸

المدثر ۱ آیت

۳۱

البیّنہ ۸ آیات

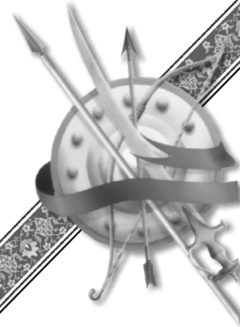
۱تا۸



باب پنجم

یہود کے بارے چالیس احادیثِ مبارکہ
و
اجمالی فہرست غزواتُ النّبی ﷺ





چہل احادیث

یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

(۱) أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہم قَالَا: ''لَمَّا نَزَلَ بِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَّجْهِهِ فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ: ''لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الوفات شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اپنی چادر مبارک چہرہ پر ڈالتے تھے، پھر جب گھٹن محسوس ہوتی تو چہرہ کھول دیتے تھے، اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو! انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے اس عمل سے خبردار فرمارہے تھے۔''[1]

اللہ تعالیٰ یہود کو برباد کرے

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ: ''إِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْأَصْنَامِ۔

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۴۳۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهَا يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَ يُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَ يَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: لَا! هُوَ حَرَامٌ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا جَمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهٗ۔"

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، فتح مکہ کے سال آپ ﷺ نے مکہ ہی میں ارشاد فرمایا:

"اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کا بیچنا حرام قرار دیا ہے۔"

عرض کیا گیا:

"یارسول اللہ! مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے، اسے کشتیوں پر ملا جاتا ہے اور کھالوں پر بطور تیل لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے چراغ بھی جلاتے ہیں؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نہیں! وہ حرام ہے۔"

پھر اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔"[1]

سرزمینِ حجاز سے یہودیوں کا اخراج

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما:

"أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَجْلَى الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ، وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰى خَيْبَرَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا، وَ كَانَتِ

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۲۳۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

الْأَرْضُ حِيْنَ ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ لِلْمُسْلِمِيْنَ، وَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا، فَسَأَلَتِ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِيُقِرَّهُمْ بِهَا أَنْ يَّكْفُوا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا۔'' فَقَرُّوْا بِهَا حَتّٰى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ إِلٰى تَيْمَاءَ وَ أَرِيْحَاءَ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دیا تھا۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر فتح پائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہودیوں کو وہاں سے نکالنا چاہا تھا، کیونکہ فتح کے بعد (خیبر کی) زمین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی ہوگئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ یہودیوں کو وہاں سے نکالنے کا تھا، لیکن یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمیں یہیں رہنے دیں، ہم (خیبر کی زمینوں کے) کاموں کی (مسلمانوں کی طرف سے) کفایت کریں گے اور ہمارے لیے پیداوار کا نصف حصہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (درخواست قبول کرتے ہوئے) ان سے ارشاد فرمایا:

''ہم جب تک چاہیں گے تمہیں اس شرط پر یہاں رہنے دیں گے۔''

چنانچہ وہ لوگ وہیں رہے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے زمانہ خلافت میں) انہیں تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن فرمادیا۔''[1]

پتھر بھی پناہ نہیں دے گا

(۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ''تُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ حَتّٰى يَخْتَبِيَ أَحَدُهُمْ وَرَآءَ الْحَجَرِ، فَيَقُوْلُ: يَا عَبْدَاللّٰهِ! هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَّرَائِيْ فَاقْتُلْهُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۳۳۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''(ایک دور آئے گا جب) تم یہودیوں سے جنگ کرو گے، (اور وہ شکست کھا کر بھاگتے پھریں گے) یہاں تک کہ کوئی یہودی اگر پتھر کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرے گا تو وہ پتھر بھی بول اٹھے گا کہ ''اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہے اسے قتل کر ڈال۔''[1]

خضاب کے معاملے میں یہودیوں کی مخالفت

⑤ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ''إِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبَغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے، تم لوگ ان کی مخالفت کرو (یعنی خضاب لگایا کرو)۔''[2]

یہودیوں کا ''کتمانِ حق''

⑥ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما: أَنَّ الْيَهُوْدَ جَآءُوْا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، فَذَكَرُوْا لَهٗ أَنَّ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَ امْرَأَةً زَنَيَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِيْ شَأْنِ الرَّجْمِ۔ فَقَالُوْا: نَفْضَحُهُمْ وَ يُجْلَدُوْنَ۔ فَقَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ: كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ۔ فَأْتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوْهَا، فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهٗ عَلٰى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَ مَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهٗ عَبْدُاللهِ بْنُ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ: اِرْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهٗ فَإِذَا فِيْهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَقَالُوْا: صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ! فِيْهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فَرُجِمَا۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۹۲۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۴۶۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

”(ایک بار) یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ ان کے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

”تم رجم کے بارے میں تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟“

انہوں نے کہا:

”(اس میں یہ حکم ہے کہ) ہم انہیں رسوا کریں اور انہیں کوڑے لگائے جائیں۔“

اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”تم نے جھوٹ کہا، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے۔“

پھر یہودی تورات لائے اور اسے کھول کر سامنے رکھا، اور ایک یہودی نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس سے پہلے اور بعد والا حصہ پڑھ دیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ذرا اپنا ہاتھ تو اٹھاؤ!“

اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیتِ رجم موجود تھی، اب وہ سب کہنے لگے:

”اے محمد! عبداللہ بن سلام نے سچ کہا، بے شک تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔“

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔“[1]

یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور بہتان تراشی

⑦ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ: ”أَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ بَلَغَهُ مَقْدَمُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمَدِيْنَةَ فَأَتَاهُ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ، فَقَالَ: إِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ۔ مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟ وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَّأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ؟ وَمَا بَالُ الْوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَى أَبِيْهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ؟ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ بِهِ جِبْرِيْلُ آنِفًا۔ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ:

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۶۳۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُوْدِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، قَالَ: أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَ أَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوْتِ، وَ أَمَّا الْوَلَدُ فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَ إِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ۔ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهُتٌ فَاسْأَلْهُمْ عَنِّيْ، قَبْلَ أَنْ يَّعْلَمُوْا بِإِسْلَامِيْ، فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فِيْكُمْ؟ قَالُوْا: خَيْرُنَا وَ ابْنُ خَيْرِنَا، وَ أَفْضَلُنَا وَابْنُ أَفْضَلِنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ؟ قَالُوْا: أَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ، فَأَعَادَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوْا: مِثْلَ ذٰلِكَ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ عَبْدُاللّٰهِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، قَالُوْا: شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا، وَ تَنَقَّصُوْهُ، قَالَ: هٰذَا كُنْتُ أَخَافُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ آنے کی خبر ہوئی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند سوالات پوچھنے کے لئے آئے، انہوں نے عرض کیا:

''میں آپ سے تین چیزوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں، جنہیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہوگی؟ (۲) اہل جنت کی ضیافت سب سے پہلے کس کھانے سے کی جائے گی؟ (۳) اور کیا بات ہے کہ بچہ کبھی باپ پر جاتا ہے اور کبھی ماں پر؟''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان سوالوں کے جواب ابھی مجھے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر بتائے ہیں۔''

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یہود انہیں ملائکہ میں سے اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے[1] جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔جس کھانے سے سب سے پہلے اہل جنت کی ضیافت کی جائے گی وہ مچھلی کی کلیجی کا بڑھا ہوا ٹکڑا ہوگا، (جو نہایت لذیذ اور زود ہضم ہوتا ہے)۔اور بچہ باپ کی صورت پر اس وقت جاتا ہے جب عورت کے پانی پر مرد کا پانی غالب آجائے اور جب مرد کے پانی پر عورت کا پانی غالب آجائے تو بچہ ماں پر جاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

پھر انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہودی بڑے بہتان لگانے والے لوگ ہیں، اس لئے اس سے پہلے کہ میرے اسلام کے بارے میں انہیں کچھ معلوم ہو، آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمائیں۔''

چنانچہ چند یہودی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

''تمہاری قوم میں عبداللہ بن سلام کس مقام وحیثیت والے ہیں؟''

انہوں نے کہا:

''ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے ہیں، ہم میں سب سے افضل اور سب سے

---

[1] واضح رہے کہ یہ نشانی ''وقوعِ قیامت'' کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہے۔یعنی اس نشانی کے ظاہر ہونے سے ''وقوعِ قیامت'' کے مراحل کا آغاز ہو جائے گا۔یہ نشانی ''قربِ قیامت'' کی نشانیوں کے علاوہ ہے، وہ نشانیاں الگ ہیں اور مشہور ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔علاماتِ صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ، واللہ اعلم۔(مرتب)

افضل کے بیٹے ہیں۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام لے آئیں؟“

وہ کہنے لگے:

”اس سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی پناہ میں رکھے۔“

حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا اور انہوں نے یہی جواب دیا، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ باہر آئے اور فرمایا:

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

یہودیوں نے کہا:

”یہ تو ہم میں سب سے بدتر آدمی ہیں اور سب سے بدتر باپ کے بیٹے ہیں اور ان کی برائی شروع کردی۔“

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”یارسول اللہ! مجھے اسی کا ڈر تھا۔“[1]

یہودی علماء...... ایمان کی راہ میں رکاوٹ

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ”لَوْ اٰمَنَ بِي عَشَرَةٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ لَاٰمَنَ بِيَ الْيَهُوْدُ۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۹۳۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''اگر دس یہودی (احبار وعلماء) مجھ پر ایمان لے آتے تو تمام یہود مسلمان ہو جاتے۔''[1]

خَرِبَتْ خَيْبَرُ!

(۹) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَتٰى خَيْبَرَ لَيْلًا وَ كَانَ إِذَا أَتٰى قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ بِهِمْ حَتّٰى يُصْبِحَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتِ الْيَهُوْدُ بِمَسَاحِيْهِمْ وَ مَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوْا: مُحَمَّدٌ وَ اللهِ! مُحَمَّدٌ وَ الْخَمِيْسُ! فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''(غزوۂ خیبر کے موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر رات کے وقت پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے تک حملہ نہ فرماتے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے کلہاڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکلے۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو چلا اُٹھے:

''محمد! اللہ کی قسم! محمد لشکر لے کر آگئے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کی یہ حالت دیکھ کر) ارشاد فرمایا:

''خیبر برباد ہوا، بے شک ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔''[2]

یہود کے غلط نظریہ کی تردید میں آیت قرآنیہ کا نزول

(۱۰) عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعْتُ جَابِرًا رضی اللہ عنہ قَالَ: ''كَانَتِ الْيَهُوْدُ تَقُوْلُ: إِذَا

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۹۴۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۹۷ ۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

جَامَعَهَا مِنْ وَّرَاءِهَا جَاءَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی کہتے تھے:

اگر شوہر پیچھے کی جانب سے (فرج ہی میں) بیوی سے صحبت کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، سو اپنے کھیت میں آؤ جدھر سے چاہو۔'' [2]

یہود سلام کریں تو جواب کیا دیں؟

(۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ''إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَإِنَّمَا يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ: اَلسَّامُ عَلَيْكَ، فَقُلْ: وَعَلَيْكَ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب یہودی تمہیں سلام کریں تو یاد رکھو وہ کہتے ہیں: ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ۔'' سو تم (اس کے جواب میں) کہو: ''وَعَلَيْكَ۔'' [3]

فائدہ

یعنی وہ ''اَلسَّلَامُ'' کے بجائے ''اَلسَّامُ'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جس کا معنیٰ ''موت'' ہے۔ اس لیے جب وہ تمہیں سلام کریں تو تم ان کے جواب میں صرف ''وَعَلَيْكَ'' کہا کرو، تاکہ جو لفظ اور جملہ انہوں نے بولا وہی ان پر لوٹ جائے۔ واللہ اعلم

---

[1] [البقرة: ۲۲۳]

[2] [صحيح البخاری۔ رقم الحديث: ۴۵۲۸، ط: دار الكتب العلميه، بيروت]

[3] [صحيح البخاری۔ رقم الحديث: ۶۲۵۷، ط: دار الكتب العلميه، بيروت]

یہودیوں کی قسموں کا اعتبار نہیں

۱۲ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ ، زَعَمَ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ - سَهْلُ بْنُ أَبِيْ حَثْمَةَ أَخْبَرَهٗ: "أَنَّ نَفَرًا مِنْ قَوْمِهٖ انْطَلَقُوْا إِلٰى خَيْبَرَ، فَتَفَرَّقُوْا فِيْهَا وَ وَجَدُوْا أَحَدَهُمْ قَتِيْلًا، وَ قَالُوْا لِلَّذِيْ وُجِدَ فِيْهِمْ : قَدْ قَتَلْتُمْ صَاحِبَنَا، قَالُوْا : مَا قَتَلْنَا وَ لَا عَلِمْنَا قَاتِلًا، فَانْطَلَقُوْا إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! انْطَلَقْنَا إِلٰى خَيْبَرَ، فَوَجَدْنَا أَحَدَنَا قَتِيْلًا، فَقَالَ: الْكُبْرَ الْكُبْرَ - فَقَالَ لَهُمْ : تَأْتُوْنَ بِالْبَيِّنَةِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهٗ - قَالُوْا: مَا لَنَا بَيِّنَةٌ، قَالَ: فَيَحْلِفُوْنَ - قَالُوْا: لَانَرْضٰى بِأَيْمَانِ الْيَهُوْدِ، فَكَرِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ يُّبْطِلَ دَمَهٗ، فَوَدَاهُ مِائَةً مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ-"

حضرت بشیر بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قبیلہ انصار کے ایک صاحب سہل بن ابی حثمہ نے انہیں خبر دی کہ ان کی قوم کے کچھ لوگ خیبر گئے، اور (اپنے اپنے کاموں کے لیے) مختلف جگہوں میں بکھر گئے، پھر انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو مقتول پایا، جن لوگوں کے محلے سے وہ مقتول ملے تھے ان سے ان لوگوں نے کہا:

"ہمارے ساتھی کو تم نے قتل کیا ہے۔"

انہوں نے کہا:

"نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا علم ہے؟"

پھر یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم خیبر گئے اور پھر ہم نے وہاں اپنے ایک ساتھی کو مقتول پایا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم میں جو بڑا ہے وہ بات کرے۔''

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قاتل کے خلاف گواہی لاؤ۔''

انہوں نے کہا:

''ہمارے پاس کوئی گواہی نہیں ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پھر یہ (یہودی) قسم کھائیں گے (اور ان کی قسم پر فیصلہ ہوگا)۔''

انہوں نے کہا:

''ہمیں یہودیوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ مقتول کا خون رائیگاں جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ (خود ہی) دیت میں دیئے۔''[1]

فائدہ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ بات کہ ''ہمیں یہودیوں کی قسموں کا اعتبار نہیں'' اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اور اپنی طرف سے دیت اداء فرمادی۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات سے متفق تھے کہ یہود بے اعتبار رے ہیں، واللہ اعلم

میں تمہیں جلاوطن کرتا ہوں

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: "بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ۔ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۸۹۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

فَقَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَنَادَاهُمْ: يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا۔ فَقَالُوا: قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ! فَقَالَ: ذٰلِكَ أُرِيْدُ۔ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَقَالُوا: قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ! ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: اِعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ فَمَنْ وَّجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهٖ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم مسجد میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

"یہودیوں کے پاس چلو۔"

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے، جب ہم "بیت المدراس" کے پاس پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آواز دی:

"اے قوم یہود! اسلام قبول کرلو، سلامتی پا جاؤ گے۔"

یہودیوں نے کہا:

"اے ابوالقاسم! آپ نے دعوت پہنچا دی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرا بھی یہی مقصد ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا اور یہودیوں نے کہا:

"اے ابوالقاسم! آپ نے دعوت پہنچا دی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تیسری مرتبہ یہی کہہ کر ارشاد فرمایا:

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور میں تمہیں جلاوطن کرنا چاہتا ہوں، پس تم میں سے جس کے پاس مال ہو اسے چاہئے کہ (جلاوطن ہونے سے پہلے) اسے بیچ

دے، ورنہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔'' ۱؎

یہودی گستاخ

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: ''أَنَّ الْيَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالُوا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ ـ قَالَ: وَعَلَيْكُمْ ـ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ ـ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَهْلًا يَا عَائِشَةُ! عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَ إِيَّاكِ وَ الْعُنْفَ أَوِ الْفُحْشَ ـ قَالَتْ: أَ وَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُّ عَلَيْهِمْ، فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ''ـ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''کچھ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

''اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ ـ''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

''وَعَلَيْكُمْ ـ''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (سے رہا نہ گیا اور انہوں نے یہودیوں کو مخاطب کر کے) کہا:

''اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ ـ''

(تم پر موت پڑے، اور اللہ تم پر لعنت کرے اور تم پر اپنا غضب نازل فرمائے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ٹھہرو عائشہ! نرم خوئی اختیار کرو، سختی اور شدّت سے پرہیز کرو۔''

انہوں نے عرض کیا:

''(یارسول اللہ!) آپ نے سنا نہیں کہ یہودی کیا کہہ رہے تھے؟''

۱؎ [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۲۹۴۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آپ نے وہ جواب نہیں سنا جو میں نے دیا؟ میں نے ان کی بات انہی پر لوٹا دی، میری بات ان کے بارے میں قبول کی جائے گی، اور ان کی کہی ہوئی بات میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔'' [1]

یہودیوں پر عذابِ قبر

(۱۵) عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ''خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا۔''

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آواز سنی اور ارشاد فرمایا:

''یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔'' [2]

یہود کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعاء

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَبَّبْتَ إِلَيْنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یا اللہ! ہمارے دل میں مدینہ کی ایسی ہی محبت پیدا کر دے جیسی تو نے مکہ کی محبت ہمارے دل

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۶۴۰۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [[صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۱۳۷۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

میں پیدا کی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور اس کے بخار کو ''جحفہ'' میں منتقل کردے۔''[1]

فائدہ

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے بخار کو ''جحفہ'' منتقل کرنے کی دعاء اس لیے فرمائی کیونکہ ان دنوں ''جحفہ'' یہودیوں کا مسکن اور علاقہ تھا۔ مسلمان وہاں نہیں گئے تھے، گویا کہ یہ ایک طرح سے یہود کے لیے ''بد دعاء'' تھی۔[2]

''غرقد''..... یہودیوں کا درخت

(17) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْيَهُوْدَ، فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُوْدِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ وَ الشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَا مُسْلِمُ! يَا عَبْدَ اللهِ! هٰذَا يَهُوْدِيٌّ خَلْفِيْ، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ۔''

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں کے خلاف جنگ لڑیں گے، اور مسلمان ان کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی درخت یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو پتھر یا درخت کہے گا: ''اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی ہے، آگے بڑھ، اور اس کو قتل کردے، سوائے ''غرقد'' کے درخت کے (کہ وہ نہیں بتائے گا)، کیونکہ وہ یہود کا درخت ہے۔''[3]

ہر چیز میں یہودیوں کی مخالفت

(18) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ: ''أَنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيْهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا وَلَمْ

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۷۲۶۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [صحیح ابن حبان۔ رقم الحدیث: ۳۷۲۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت]
[3] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۹۲۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

يُجَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ، فَسَأَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم النَّبِيَّ صلی الله علیه وآله وسلم فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ﴾ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ.[1] فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ. فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ، فَقَالُوْا: مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ أَنْ يَّدَعَ مِنْ أَمْرِنَا شَيْئًا إِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ. فَجَآءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ الْيَهُوْدَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا، فَلَا نُجَامِعُهُنَّ؟ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم حَتّٰى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا، فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم، فَأَرْسَلَ فِيْ آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا، فَعَرَفَا أَنْ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا.''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود (کا یہ دستور تھا کہ) جب ان کی کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو نہ اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتے اور نہ گھروں میں اپنے ساتھ رکھتے (بلکہ اسے الگ تھلگ کر دیتے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

''یہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے! یہ اذیت (کا وقت) ہے، اس لیے محیض (مقامِ حیض) میں عورتوں (کے ساتھ مجامعت) سے دُور رہو'' الیٰ آخر الآیۃ۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جماع کے سوا سب کچھ کرو۔''

یہ بات یہودیوں تک پہنچی تو کہنے لگے:

''یہ شخص ہمارے دین کی ہر بات میں ہماری مخالفت ہی کرنا چاہتا ہے۔''

(یہ سن کر) حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

[1] [البقرة: ٢٢٢]

حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہود اس اس طرح کہتے ہیں، تو کیا ہم ان (عورتوں) سے جماع بھی نہ کرلیا کریں؟''

(یہ بات سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان دونوں سے ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں حضرات چلے گئے۔ آگے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے دودھ کا ہدیہ آرہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی کو ان کے پیچھے بھیجا اور ان کو (بلوا کر) دودھ پلایا، (جس سے) وہ دونوں سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے ناراض نہیں ہوئے۔''[1]

یہود کی سنگ دلی

(۱۹) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ: ''أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَتَلَ جَارِيَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ عَلٰى حُلِيٍّ لَهَا ثُمَّ أَلْقَاهَا فِي الْقَلِيْبِ وَ رَضَخَ رَأْسَهَا بِالْحِجَارَةِ. فَأُخِذَ. فَأُتِيَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فَأَمَرَ بِهٖ أَنْ يُّرْجَمَ حَتّٰى يَمُوْتَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''یہود کے ایک آدمی نے انصار کی ایک بچی کو اس کے زیورات کی خاطر قتل کر دیا، پھر اسے کنویں میں پھینک دیا، اور اس کا سر پتھر سے کچل دیا۔ اسے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے بارے میں یہ حکم فرمایا کہ اسے اس وقت تک پتھر مارے جائیں جب تک کہ وہ مر نہ جائے، چنانچہ اسے پتھر مار مار کر قتل کر دیا گیا۔''[2]

میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا

(۲۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَقُوْلُ: ''لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۳۰۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۱۶۷۲، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

وَ النَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"میں یہود و نصاریٰ کو ہر صورت جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا، یہاں تک کہ میں (اس میں) مسلمانوں کے سوا کسی اور کو نہیں رہنے دوں گا۔"[1]

یہود و نصاریٰ پر راستے تنگ کرو

(۲۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: "لَا تَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، فَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ إِلٰى أَضْيَقِهٖ۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اور جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں ملو تو اسے راستے کے تنگ حصے کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔"[2]

مسلمانوں کے گناہ..... یہود و نصاریٰ پر

(۲۲) عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: "يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاسٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِذُنُوْبٍ أَمْثَالِ الْجِبَالِ، فَيَغْفِرُهَا اللّٰهُ لَهُمْ وَ يَضَعُهَا عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى، فِيْمَا أَحْسِبُ أَنَا۔"

حضرت ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن مسلمانوں میں سے کچھ لوگ پہاڑوں جیسے (بڑے بڑے) گناہ لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہ گناہ بخش دے گا، وہ ان (گناہوں) کو یہود اور نصاریٰ پر ڈال

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۱۷۶۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]
[2] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۱۶۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

دے گا (راوی کہتے ہیں: میرے خیال میں اس کا مطلب یہی ہے)۔"[1]

فائدہ

یہاں وہ گناہ مراد ہیں، جن کے موجد یہود ونصاریٰ ہوں۔ چونکہ ان گناہوں کی بنیاد انہوں نے ڈالی اس لیے وہ ان تمام لوگوں کے وبال میں شریک رہیں گے، جنہوں نے وہ گناہ کیے اور کفر کی وجہ سے معافی سے بھی محروم رہیں گے، جبکہ مسلمان ایمان کی بدولت "مغفرت" پالیں گے، واللہ اعلم۔

مسلمان کے بدلے یہودی جہنم میں

۲۳ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ دَفَعَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا، فَيَقُولُ: هٰذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ۔"

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ عزوجل ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دیں گے، اور فرمائیں گے: "یہ جہنم سے تیرا فدیہ ہے۔"[2]

(یعنی اُس یہودی یا نصرانی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا)

یہودی جہنمی

۲۴ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنَّهُ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۷۶۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۲۷۶۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! اس اُمت کا کوئی بھی انسان جو میرے بارے میں سنے وہ یہودی ہو یا نصرانی اور وہ اس شریعت پر ایمان نہ لائے جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور اسی حالت میں اس کی موت ہو جائے تو وہ جہنمی ہو گا۔''[1]

یہودی دجّال کے پیروکار

(۲۵) عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَمِّهِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ''يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُودِ أَصْبَهَانَ سَبْعُونَ أَلْفًا، عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اصبہان کے ستر ہزار یہودی دجال کی اتباع کریں گے، انہوں نے سبز چادریں پہنی ہوئی ہوں گی۔''[2]

یہود و نصاریٰ ''افطار'' تاخیر سے کرتے ہیں

(۲۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ''لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ، لِأَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يُؤَخِّرُونَ۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے، کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر سے افطار کرتے ہیں۔''[3]

نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب

(۲۷) عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي نَمْلَةَ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ

---

[1] [صحیح مسلم۔رقم الحدیث: ۱۵۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔رقم الحدیث: ۲۹۴۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[3] [سنن ابی داؤد۔رقم الحدیث: ۲۳۵۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ عِنْدَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ مُرَّ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! هَلْ تَتَكَلَّمُ هٰذِهِ الْجَنَازَةُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَللّٰهُ أَعْلَمُ۔ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ: إِنَّهَا تَتَكَلَّمُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''مَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَ لَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ، فَإِنْ كَانَ بَاطِلًا لَمْ تُصَدِّقُوْهُ وَإِنْ كَانَ حَقًّا لَمْ تُكَذِّبُوْهُ۔''

ابن ابی نملہ اپنے والد (ابونملہ عمار بن معاذ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ:

''ایک بار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک یہودی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنازہ گزرا۔ یہودی نے پوچھا:

''اے محمد! کیا یہ (میت) بولتی ہے؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔''

یہودی نے کہا:

''یہ بولتی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اہل کتاب جو بات تمہیں بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو: ''ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔'' اگر ان کی بات غلط ہوئی تو تم نے (گویا) اس کی تصدیق نہیں کی اور اگر سچ ہوئی تو اسے جھٹلایا نہیں۔''[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہودیوں کا جادو کرنا

۲۸ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ''سَحَرَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ، فَاشْتَكٰى

[1] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۳۶۴۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

لِذٰلِكَ أَيَّامًا، فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ علیہ الصلوٰۃ والسلام فَقَالَ: إِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ سَحَرَكَ، عَقَدَ لَكَ عُقَدًا فِيْ بِئْرِ كَذَا وَ كَذَا، فَأَرْسَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاسْتَخْرَجُوْهَا فَجِيْءَ بِهَا، فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ، فَمَا ذَكَرَ ذٰلِكَ لِذٰلِكَ الْيَهُوْدِيِّ وَلَا رَآهُ فِيْ وَجْهِهٖ قَطُّ۔"

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ایک یہودی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی وجہ سے کچھ دن بیمار سے رہے، پھر جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا:

"ایک یہودی نے آپ پر جادو کر دیا ہے، اس نے کچھ گرہیں دے کر فلاں کنوئیں میں رکھ چھوڑی ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ صحابہ کو بھیجا، انہوں نے ان گرہوں کو نکالا اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تکلیف سے) اس طرح اُٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھی رسّی کھل گئی ہو۔ پھر نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی سے اس کا ذکر فرمایا، اور نہ اس (یہودی) نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر اس کا کچھ اثر پایا۔"[1]

ہفتے کے دن کو روزہ کے لیے متعین نہ کرو

۲۹ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ، عَنْ أُخْتِهٖ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: "لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيْمَا افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمْ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ أَوْ عُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضُغْهُ۔"

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ اپنی ہمشیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہفتہ کے دن روزہ مت رکھو، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہو۔ پھر اگر تم میں سے

---

[1] [سنن النسائی۔ رقم الحدیث: ۴۰۸۰، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

کوئی انگور کی چھال اور درخت کی ٹہنی کے علاوہ کچھ نہ پائے تو اسی کو چبالے (اور روزہ نہ رکھے)۔"[1]

فائدہ

مقصد یہ ہے کہ ہفتہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص اور متعین نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ یہود کا تعظیمی دن ہے۔ بلا تخصیص و تعیین اگر کبھی روزہ رکھ لیا تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

یہودیوں کے غلط دعویٰ کی تردید

(۳۰) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: "قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا نَعْزِلُ فَزَعَمَتِ الْيَهُوْدُ أَنَّهَا الْمَوْءُوْدَةُ الصُّغْرٰى۔" فَقَالَ: "كَذَبَتِ الْيَهُوْدُ، إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّخْلُقَهٗ فَلَمْ يَمْنَعْهُ۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم لوگ عزل کرتے تھے تو یہودیوں نے کہا:

"یہ زندہ درگور کرنے کی یہ ایک چھوٹی صورت ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہودیوں نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔"[2]

یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو

(۳۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهٖ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى، فَإِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ، وَتَسْلِيْمَ النَّصَارَى الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ۔"

---

[1] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۷۴۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۱۱۳۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے غیروں (یعنی غیر مسلموں) سے مشابہت اختیار کرے۔ نہ یہود کی مشابہت کرو اور نہ نصاریٰ کی۔ یہودیوں کا سلام انگلیوں سے اشارہ کرنا ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کا اشارہ ہے۔''[1]

یہودیوں کی ایک شرارت

(۳۲) عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ: ''كَانَ الْيَهُودُ يَتَعَاطَسُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، يَرْجُونَ أَنْ يَّقُولَ لَهُمْ: 'يَرْحَمُكُمُ اللهُ' فَيَقُولُ: 'يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ہوتے تو یہ امید لگا کر چھینکتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے لیے 'يَرْحَمُكُمُ اللهُ' (اللہ تم پر رحم کرے) کہیں گے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (اس موقع پر) 'يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ' (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کر دے) فرماتے۔''[2]

یہود.... مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ

(۳۳) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ''اَلْيَهُودُ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارٰى ضُلَّالٌ۔''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہود وہ ہیں جن پر غضب نازل ہوا اور نصاریٰ وہ ہیں جو گمراہ ہیں۔''[3]

---

۱ [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۶۹۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۲ [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۷۳۹، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۳ [سنن الترمذی۔ رقم الحدیث: ۲۹۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

یہودیوں کا مسلمانوں پر حسد

(۳۴) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: ''مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مَا حَسَدَتْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَ التَّأْمِيْنِ۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہودی تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے، جتنا سلام اور آمین پر تم سے حسد کرتے ہیں۔''[1]

یہود و نصاریٰ اپنی کتاب پر عمل نہیں کرتے

(۳۵) عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ، قَالَ: ''ذَكَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شَيْئًا، فَقَالَ: ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ۔ قُلْتُ: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ كَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَ نَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَ نُقْرِئُهُ أَبْنَاءَنَا وَ يُقْرِئُهُ أَبْنَاؤُنَا أَبْنَاءَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟'' قَالَ: ''ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ زِيَادُ! إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ، أَوَ لَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ، لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيْهِمَا؟''

حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی واقعے کا ذکر کیا اور ارشاد فرمایا:

''یہ علم چلے جانے کے وقت ہوگا۔''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! علم کیسے اٹھ جائے گا جب کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے؟ اور قیامت تک اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا؟''

[1] [سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۸۵۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''زیاد! تیری ماں تجھے گم کرے! میں تو تجھے مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار آدمی سمجھتا تھا، کیا یہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل نہیں پڑھتے؟ لیکن وہ ان میں موجود کسی حکم پر عمل نہیں کرتے۔''[1]

عاشوراء کے روزے میں یہود کی مخالفت

۳۶ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، یَقُوْلُ: ''حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَأَمَرَ بِصِیَامِہٖ قَالُوْا: ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! إِنَّہٗ یَوْمٌ تُعَظِّمُہُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔'' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''فَإِذَا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ صُمْنَا الْیَوْمَ التَّاسِعَ۔'' قَالَ: فَلَمْ یَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰی تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: ''جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''یوم عاشوراء'' کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو وہ دن ہے جس کی یہود ونصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آئندہ سال ہم ان شاءاللہ (عاشوراء کے روزے کے ساتھ) نو محرم کا (بھی) روزہ رکھیں گے۔'' (تاکہ ''صوم عاشوراء'' کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے، اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت بھی ہوجائے۔)[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آئندہ سال آنے سے قبل ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرماگئے۔

---

[1] [سنن ابن ماجہ۔رقم الحدیث: ۴۰۴۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [صحیح مسلم۔رقم الحدیث: ۱۱۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

یہودیوں کی ایک عادت

(۳۷) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا كَانَتْ تَكْرَهُ أَنْ يَّجْعَلَ يَدَهُ فِي خَاصِرَتِهِ وَ تَقُوْلُ: ''إِنَّ الْيَهُوْدَ تَفْعَلُهُ۔''

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اس طرح یہود کرتے ہیں۔''[1]

یہودیوں کی طرح نہ لپیٹو

(۳۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَوْ قَالَ، قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ: ''إِذَا كَانَ لِأَحَدِكُمْ ثَوْبَانِ فَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَلْيَتَّزِرْ بِهِ، وَ لَا يَشْتَمِلْ اشْتِمَالَ الْيَهُوْدِ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یا یہ کہا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو ان میں نماز پڑھے۔ اور اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اسے تہبند بنالے اور یہودیوں کی طرح نہ لپیٹے۔''[2]

عبادت گاہوں کی تزئین..... یہود و نصاریٰ کا عمل

(۳۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ۔''
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: ''لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔''

---

[1] [صحیح البخاری۔ رقم الحدیث: ۳۴۵۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۶۳۵، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مساجد کو بہت زیادہ پختہ تعمیر کروں۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''تم مسجدوں کو ضرور ویسے ہی مزین کرو گے جیسے یہود ونصاریٰ نے (اپنے عبادت خانے) مزین کیے۔ (حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو زیادہ پختہ مساجد بنانے کو بھی پسند نہیں فرمایا، تزیین وآرائش تو بہت دور کی بات ہے)۔''[1]

یہودیوں کی علامت

(۴۰) عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلٰى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، فَحَدَّثَتْنِي أُخْتِي الْمُغِيرَةُ، قَالَتْ: وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ أَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ، وَبَرَّكَ عَلَيْكَ، وَقَالَ: ''احْلِقُوا هٰذَيْنِ - أَوْ قُصُّوهُمَا - فَإِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُودِ۔''

حجاج بن حسان رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں ہم نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضری دی۔ میری بہن مغیرہ نے بتایا کہ تم ان دنوں نوعمر بچے تھے اور تمہارے بالوں کی دو لٹیں تھیں، تو انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور تمہارے لیے برکت کی دعا کی اور فرمایا:

''انہیں مونڈ ڈالو یا کتروالو، بلاشبہ یہ یہودیوں کی علامت ہے۔''[2]



[1] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۴۴۸، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

[2] [سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۴۱۹۷، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غزوہ ابواء

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
ودّان	صفر ۲ ھ	۶۰ مہاجرین	قافلہ قریش اور بنوضمرہ			

غزوہ بواط

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	ربیع الاول ۲ ھ	۲۰۰ مہاجرین	قافلہ قریش	۱۰۰ آدمی اور ۲۵۰۰ اونٹ		

غزوہ عشیرہ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
عسیرہ	اثنا جمادی الاولیٰ ۲ ھ	۲۰۰ مہاجرین	قافلہ قریش			

غزوہ بدر اولیٰ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
بدر صغریٰ غزوہ سفوان	ربیع الاول ۲ ھ	۲۰۰	کرز بن جابر فہری			

غزوہ بدر کبریٰ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
بدر عظمیٰ	رمضان ۲ ھ	تین سو تیرہ	قافلہ قریش اور قبائل عرب	۱۰۰۰	۱۴ شہداء	۷۰

غزوہ قرقرۃ الکدر

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	غزوہ بدر کے بعد	۲۰۰	قبائل سلیم اور غطفان			

غزوہ بنی قینقاع

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	۱۵ شوال ۲ ھ		بنی قینقاع	۷۰۰		

غزوہ سویق

تعداد مقتولین دشمن	تعداد شہداء	تعداد دشمن	مدمقابل دشمن	تعداد مجاہدین	سن وقوع	دیگر نام
		۲۰۰ سوار	ابوسفیان	۲۰۰	۵ ذی الحجہ ۲ھ	

غزوہ غطفان

تعداد مقتولین دشمن	تعداد شہداء	تعداد دشمن	مدمقابل دشمن	تعداد مجاہدین	سن وقوع	دیگر نام
			قبیلہ غطفان	۴۵۰	محرم الحرام ۳ھ	غزوہ انمار غزوہ ذی امر

غزوہ بحران

تعداد مقتولین دشمن	تعداد شہداء	تعداد دشمن	مدمقابل دشمن	تعداد مجاہدین	سن وقوع	دیگر نام
			قبیلہ بنی سلیم	۳۰۰	ربیع الثانی ۳ھ	

غزوہ اُحد

تعداد مقتولین دشمن	تعداد شہداء	تعداد دشمن	مدمقابل دشمن	تعداد مجاہدین	سن وقوع	دیگر نام
۲۲	۷۰	۳۰۰۰	مشرکین مکہ	۷۰۰	۷ شوال ۳ھ	

غزوہ حمراء الاسد

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	۱۶ شوال ۳ھ		مشرکین مکہ			

غزوہ بنی نضیر

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	ربیع الاول ۴ھ		یہود بنی نضیر			

غزوہ ذات الرقاع

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	جمادی الاولیٰ ۴ھ	۴۰۰	بنی محارب، بنی ثعلبہ			

غزوہ بدر موعد

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	۴ھ شعبان	۱۵۰۰	مشرکین مکہ			

غزوہ دومۃ الجندل

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	ربیع الاول ۵ھ	۱۰۰۰	کفار دومۃ الجندل			

غزوہ مریسیع

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
بنی مصطلق	شعبان ۵ ھ		قبیلہ بنی مصطلق			۱۰

غزوہ خندق

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
احزاب	شوال ۵ ھ		ابوسفیان	دس ہزار	۶	۳

غزوہ بنی قریظہ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	ذی قعدہ ۵ ھ		بنی قریظہ		ایک	

غزوہ بنی لحیان

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	ربیع الاول ۶ ھ	۲۰۰	بنی لحیان			

غزوہ ذی قرد

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	ربیع الاوّل ۶ھ	۵۰۰ یا ۷۰۰	عیینہ بن حصن فزاری	۴۰ سوار	ایک	۲

غزوہ حدیبیہ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	یکم ذی قعدہ ۶ھ	۱۵۰۰	مشرکین مکہ			

غزوہ خیبر

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	محرم الحرام ۷ھ	۱۶۰۰	قبائل یہود		۱۵	۹۳

غزوہ موتہ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مدمقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
جیش الامراء	جمادی الاول ۸ھ	۳۰۰۰	نصاری شام	۲ لاکھ	۱۲	

فتح مکہ

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
غزوہ فتح اعظم	رمضان ۸ھ	۱۰۰۰۰	مشرکین مکہ		۲	۳۹

غزوہ حنین

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
غزوہ ہوازن	شوال ۸ھ	۱۲۰۰۰		۲۰ ہزار	ایک	۷۰

غزوہ تبوک

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	رجب ۹ھ	۳۰۰۰۰	کفار روم	۴۰ ہزار		

غزوہ طائف

دیگر نام	سن وقوع	تعداد مجاہدین	مد مقابل دشمن	تعداد دشمن	تعداد شہداء	تعداد مقتولین دشمن
	شوال ۸ھ	۱۰۰۰	اہل طائف		۱۲	



اشاریہ آیات القرآن الکریم



اشاریہ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام



اشاریہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اشاریہ اقوالِ سلف رحمۃ اللہ علیہم

	اقوالِ نفیسہ	صفحہ



اشاریہ ادعیہ

	ادعیہ	صفحہ



فہرست مصادر و مراجع

(١) أحكام القرآن لأحمد بن علي أبى بكر الرازي الجصاص الحنفي (المتوفى: ٣٧٠ھ) (ت: عبد السلام محمد علي شاهين)، دار الكتب العلمية بيروت—لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١٥ھ/١٩٩٤ء

(٢) إحياء علوم الدين، لأبي حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: ٥٠٥ھ) دار المعرفة، بيروت۔

(٣) *انسانی دنیا پر عروج وزوال کا اثر، از مفکر اسلام مولانا ابو الحسن ندوی صاحب، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔*

(٤) أنوار التنزيل وأسرار التأويل، لناصر الدين أبي سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (المتوفى: ٦٨٥ھ)، (ت: محمد عبد الرحمن المرعشلي)، دار إحياء التراث العربي—بيروت، ط: الأولى - ١٤١٨ھ

(٥) بيان القرآن لحكيم الأمة أشرف علي التهانوي، اداره تاليفات أشرفية ملتان باكستان.

(٦) تاريخ بغداد، لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣ھ)، (ت: الدكتور بشار عواد معروف)، دار الغرب الإسلامي—بيروت، ط: الأولى، ١٤٢٢ھ - ٢٠٠٢ء

(٧) تاريخ بغداد، لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣ ھ)، ت: الدكتور بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي—بيروت، ط: الأولى، ١٤٢٢ھ - ٢٠٠٢ء

(٨) الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، لعبد العظيم بن عبد القوي بن عبد الله، أبو محمد، زكي الدين المنذري (المتوفى: ٦٥٦ھ)، (ت: مصطفى محمد عمارة)، مكتبة مصطفى البابي الحلبي—مصر، ط: الثالثة، ١٣٨٨ھ - ١٩٦٨ء

٩ تفسير الجلالين، للشيخ العلامة جلال الدين محمد بن أحمد المحلي (المتوفى: ٨٦٤هـ)، وللشيخ جلال الدين عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي (٩١١هـ)، مكتبة البشرىٰ، كراتشي باكستان.

١٠ تفسير القرآن العظيم، الشهير بتفسير ابن كثير، لأبي الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: ٧٧٤هـ)، (ت: سامي بن محمد سلامة)، دار طيبة للنشر والتوزيع، ط: الثانية ١٤٢٠هـ- ١٩٩٩ء

١١ تفسير القرآن الكريم الشهير بتفسير العثماني، لشيخ الإسلام العلامة شبير أحمد العثماني، دار الإشاعت كراتشي.

١٢ تفسير حدائق الروح والريحان في روابي علوم القرآن، للشيخ العلامة محمد الأمين بن عبد الله الأرمي العلوي الهرري الشافعي، (ت: الدكتور هاشم محمد علي بن حسين مهدي)، دار طوق النجاة، بيروت، لبنان، ط: الأولى، ١٤٢١هـ - ٢٠٠١ء

١٣ تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی، از مولانا عبد الحق حقانی الدہلوی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور

١٤ تقریر بخاری شریف، از شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب، مکتبۃ الشیخ، کراچی

١٥ جامع البيان في تأويل القرآن، الشهير بتفسير الطبري لمحمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبى جعفر الطبري (المتوفى: ٣١٠هـ)، (ت: أحمد محمد شاكر)، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ١٤٢٠هـ - ٢٠٠٠ء

١٦ الجامع الصحيح لأمير المومنين في الحديث، أبي عبد الله، محمد بن اسماعيل البخاري (٢٥٦هـ) (ت: محمود محمد محمود حسن نصار)، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: السادسة، ١٤٣٠هـ۔

١٧ جامع بيان العلم وفضله، لأبي عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى: ٤٦٣هـ)، مؤسسة الرسالة، بيروت......

١٨ الجامع لأحكام القرآن الشهير بتفسير القرطبي، لأبي عبدالله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى: ٦٧١هـ) (ت:

أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش)، دار الكتب المصرية – القاهرة، ط: الثانية، ١٣٨٤هـ - ١٩٦٤ء

(١٩) حاشية الصاوي على تفسير الجلالين، للعلامة أحمد بن محمد الصّاوي المالكي الخلوتي (ت: ١٢٤١هـ)، أمير حمزه كتب خانه، كويته باكستان

(٢٠) حلية الأولياء وطبقات الأصفياء لأبي نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران الأصبهاني (المتوفى: ٤٣٠هـ)، السعادة - بجوار محافظة مصر، ١٣٩٤هـ - ١٩٧٤ء

(٢١) خطبات حكيم الاسلام، از حكيم الاسلام مولانا قارى طيب صاحب، بيت السلام، كراچى

(٢٢) روح البيان، لإسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي، المولى أبى الفداء (المتوفى: ١١٢٧هـ)، دار الفكر – بيروت

(٢٣) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، لشهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: ١٢٧٠هـ)(ت: علي عبد الباري عطية)، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: الأولى، ١٤١٥هـ

(٢٤) الروض الأنف في شرح السيرة النبوية لابن هشام، لأبي القاسم عبد الرحمٰن بن عبدالله بن أحمد السهيلي (المتوفى: ٥٨١هـ)، (ت: عمر عبد السلام السلامي)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة: الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ/٢٠٠٠ء

(٢٥) رياض الصالحين، لأبي زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: ٦٧٦هـ)، مكتبة البشرىٰ، كراتشي

(٢٦) الزهد لأبي السَّرِي هَنَّاد بن السَّرِي بن مصعب بن أبي بكر بن شبر بن صعفوق بن عمرو بن زرارة بن عدس بن زيد التميمي الدارمي الكوفي (المتوفى: ٢٤٣هـ)، (ت: عبد الرحمن عبد الجبار الفريوائي)، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي – الكويت، ط: الأولى، ١٤٠٦هـ

(٢٧) السنة لأبي بكر بن أبي عاصم وهو أحمد بن عمرو بن الضحاك بن مخلد الشيباني

(المتوفى:٢٨٧هـ)، (ت: محمد ناصر الدين الألباني)، المكتب الإسلامي – بيروت، ط:الأولى، ١٤٠٠

٢٨ السنن الكبرى لأحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبى بكر البيهقي (المتوفى:٤٥٨هـ)، (ت: محمد عبد القادر عطا)،، دار الكتب العلمية، بيروت–لبنات، ط:الثالثة، ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣ء

٢٩ السنن لابن ماجة، أبي عبد الله، محمد بن يزيد القزويني (٢٧٣هـ)، (ت: أحمد شمس الدين)، دار الكتب العلمية، بيروت، ط:الثالثة، ٢٠٠٨ء۔

٣٠ السنن للإمام أبي داود سليمان بن الأشعث (المتوفى:٢٧٥هـ) (ت: محمد عبد العزيز الخالدي، دار الكتب العلمية، بيروت، ط:الثالثة، ٢٠٠٧ء۔

٣١ السنن للإمام أبي عيسى، محمد بن عيسى الترمذي، (المتوفى:٢٧٩هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، ط:الثالثة، ٢٠٠٨ء۔

٣٢ السيرة النبوية لابن هشام، لعبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى:٢١٣هـ)، (ت: مصطفى السقا وإبراهيم الأبياري وعبد الحفيظ الشلبي)، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الطبعة: الثانية، ١٣٧٥هـ-١٩٥٥ء۔

٣٣ شرح عقود رسم المفتي، لخاتمة المحققين السيد محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامي، (١٢٥٢هـ)، قديمي كتب خانه، كراتشي

٣٤ شعب الإيمان للبيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى (المتوفى:٤٥٨هـ) (ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد)، مكتبة الرشد، رياض، ط:الأولى، ١٤٢٣هـ

٣٥ الصحيح للإمام مسلم ابن الحجاج (المتوفى:٢٦١هـ)، دارالكتب العلمية، بيروت، ط:الخامسة، ٢٠٠٨ء۔

٣٦ طبقات الشافعية الكبرى لتاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكي (المتوفى: ٧٧١هـ) (ت: د۔ محمود محمد الطناحي د۔ عبد الفتاح محمد الحلو)، هجر

للطباعة والنشر والتوزيع، ط: الثانية، ١٤١٣ھ

٣٧ عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، لأحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور المعروف ب: "الشاه ولي الله الدهلوي" (المتوفى: ١١٧٦ھ)، (ت: محب الدين الخطيب)، الناشر: المطبعة السلفية، القاهرة

٣٨ الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل، لعبد القادر بن موسى بن عبد الله بن جنكي دوست الحسني، محيي الدين الجيلاني، أو الكيلاني، أو الجيلي (المتوفى: ٥٦١ھ)، (ت: أبو عبد الرحمن صلاح بن محمد بن عويضة)، دار الكتب العلمية، بيروت—لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١٧ھ-١٩٩٧ء۔

٣٩ فوائد فتحیہ

٤٠ الفوائد لأبي محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حيان الأنصاري المعروف بأبِي الشيخ الأصبهاني (المتوفى: ٣٦٩ھ)، (ت: علي بن حسن بن علي بن عبد الحميد الحلبي الأثري)، دار الصميعي للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤١٢ھ-١٩٩٢ء۔

٤١ الفوز الكبير في أصول التفسير للإمام أحمد بن عبد الرحيم المعروف ب: "ولي الله الدهلوي" (المتوفى: ١١٧٦ھ) (التعريب من الفارسية: سلمان الحسيني النَّدوي)، دار الصحوة—القاهرة، ط: الثانية- ١٤٠٧ھ-١٩٨٦ء۔

٤٢ القاموس الجدید، از مولانا وحید الزماں کیرانوی صاحب، ادارہ اسلامیات، لاہور

٤٣ القرآن الكريم برواية حفص

٤٤ كتاب الزهد الكبير، لأحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبى بكر البيهقي (المتوفى: ٤٥٨ھ) (ت: عامر أحمد حيدر)، مؤسسة الكتب الثقافية—بيروت، ط: الثالثة، ١٩٩٦ء۔

٤٥ کلیات اقبال، از مفکر اسلام علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ، شمع، بک ایجنسی، لاہور

٤٦ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال لعلاء الدين علي بن حسام الدين ابن قاضي خان القادري الشاذلي الهندي البرهانفوري ثم المدني فالمكي الشهير بالمتقي

الهندي (المتوفى: ٩٧٥هـ)، (ت: بكري حياني - صفوة السقا)، مؤسسة الرسالة، ط: الخامسة، ١٤٠١هـ/١٩٨١ء۔

٤٧ الکلام المفید، از مولانا سرفراز خان صفدر صاحب، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

٤٨ لباب التأويل في معاني التنزيل الشهير بتفسير الخازن، لعلاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن، المعروف بالخازن (المتوفى: ٧٤١هـ)، (ت: محمد علي شاهين)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١٥هـ

٤٩ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي، علي بن أبي بكر بن سليمان (٨٠٧هـ)، (ت: محمد عبد القادر أحمد عطا)، دار الكتب العلمية، ط: الثانية، ٢٠٠٩ هـ

٥٠ محاسبة النفس لابن أبي الدنيا لأبي بكر عبد الله بن محمد بن عبيد بن سفيان بن قيس البغدادي الأموي القرشي المعروف بابن أبي الدنيا (المتوفى: ٢٨١هـ)، (ت: المسعتصم بالله أبي هريرة مصطفى بن علي بن عوض)، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: الأولى، ١٤٠٦هـ-١٩٨٦ء۔

٥١ مدارك التنزيل وحقائق التأويل، الشهير بتفسير النسفي، لأبي البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (المتوفى: ٧١٠هـ)، (ت: يوسف علي بديوي) دار الكلم الطيب، بيروت، ط: الأولى، ١٤١٩هـ-١٩٩٨ء۔

٥٢ المستدرك على الصحيحين للحاكم، محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه المعروف بابن البيع (المتوفى: ٤٠٥هـ)، (ت: محمد عبد القادر أحمد عطا)، دار الكتب العلمية، ط: دار الكتب العلمية—بيروت.

٥٣ مسند الإمام الدارمي، لأبي محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، (ت: الدكتور/ مرزوق بن هياس آل مرزوق الزهراني، طُبع على نفقة رجل الأعمال الشيخ جمعان بن حسن الزهراني، ط: الأولى، ١٤٣٦هـ-٢٠١٥ء۔

٥٤ المسند للإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، (المتوفى: ٢٤١هـ)، (ت: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون)، مؤسسة الرسالة، بيروت، ط: الأولى، ١٤٢١هـ

٥٥ مشكاة المصابيح لمحمد بن عبدالله الخطيب العمري ولي الدين التبريزي، (المتوفى:٧٤١هـ)، (ت:محمد ناصر الدين الألباني)، المكتب الاسلامي، بيروت' ط:الثالثة، ١٩٨٥ء۔

٥٦ مصباح اللغات، از ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، خزینہ علم وادب، لاہور

٥٧ المصنف لأبي بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى:٢١١هـ) (ت:حبيب الرحمٰن الأعظمي)، المجلس العلمي-الهند، الطبعة: الثانية، ١٤٠٣۔

٥٨ معارف القرآن للمفتی شفیع العثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی۔

٥٩ المعجم الأوسط لسليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبي القاسم الطبراني (المتوفى:٣٦٠هـ)، (ت: طارق بن عوض الله بن محمد, عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني)، دار الحرمين - القاهرة

٦٠ مقدمہ معارف الحدیث، از مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، دارالاشاعت، کراچی

٦١ الملل والنحل، لأبي الفتح محمد بن عبد الكريم بن أبى بكر أحمد الشهرستاني (المتوفى:٥٤٨هـ)، مؤسسة الحلبي.

٦٢ منهاج العابدين لأبي حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى:٥٠٥هـ) (ت:بو جمعه عبد القادر المكري، دار المنهاج، بيروت)۔

٦٣ موضح قرآن، از مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی، ایچ ایم سعید، کراچی

٦٤ الموطأ للإمام مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى:١٧٩هـ)، (ت: محمد فؤاد عبد الباقي)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، عام النشر: ١٤٠٦هـ - ١٩٨٥ء۔

